تراجم علمائے اہلِ حدیث

جلد اوّل

مُرتب

خالد حنیف صدیقی

اہتمام وتقدیم

أصغر علي إمام مهدي السلفي

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ہند

تراجم علمائے اہل حدیث

جلد اول

مرتب

خالد حنیف صدیقی

اہتمام وتقدیم

اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

55342
109/064
0014615

نام کتاب : تراجم علمائے اہل حدیث (جلد اول)

مرتب : خالد حنیف صدیقی

زیر اہتمام و تقدیم : اصغر علی امام مہدی سلفی

ناشر : مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

طبع : اول

سال طباعت : ۲۰۰۸ء

طباعت۔ ایم۔ ایس پرنٹرس چوہان بانگر

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان۔ اہل حدیث منزل۔ ۴۱۱۶۔ اردو بازار۔ جامع مسجد

دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

55342
109/064
0014615

فہرست مضامین

نام	مقام	صفحہ
پیش لفظ - اصغر علی امام مہدی سلفی		۱۲
تاثرات - شیخ عبد المعید مدنی علی گڑھ		۲۱
ان ہذہ تذکرہ، فمن شاء ذکرہ - خالد حنیف صدیقی		۲۶
ابو محمد ابراہیم آروی	آرہ	۳۱
ابو بکر رحمانی	بھوپال	۳۲
ابو الخیر جھمکاوی	مغربی چمپارن	۳۳
ابو سعید جھمکاوی	مغربی چمپارن	۳۴
محمد ابو صالح	دربھنگہ	۳۵
ابو القاسم فیضی	مدھوبنی	۳۷
سید ابو القاسم	دربھنگہ	۴۰
ابو القاسم خالد العربی	بھدرک	۴۰
محمد احمد لہراوی	اعظم گڑھ	۴۳
احمد اللہ املوی	اعظم گڑھ	۴۴
محمد احمد (ناظم)	مئو	۴۵
ارادت حسین خان سعیدی	غازی پور	۴۹
محمد اسحاق رحمانی	بلرام پور	۴۹

محمد اسماعیل	کرنول	۵۲
محمد اشرف ڈیانوی	پٹنہ	۵۴
اشرف علی صادق پوری	پٹنہ	۵۴
حکیم محمد اصغر	اعظم گڑھ	۵۵
محمد اقبال رحمانی	بلرام پور	۵۶
اللہ بخش بسکوہری	سدھارتھ نگر	۶۰
الفت حسین	سیتامڑھی	۶۲
امر اللہ عارف سراجی	سدھارتھ نگر	۶۳
محمد انس	چمپارن	۶۶
محمد بشیر الاعظمی	مئو	۶۸
بلال احمد رحمانی	کٹیہار	۷۰
محمد تسلیم رحمانی	سیتامڑھی	۷۲
سید تقریظ احمد سہوانی	سہوان	۷۶
ثناء اللہ رحمانی	بلرام پور	۷۸
حافظ ثناء اللہ	مئو	۷۸
ثناء اللہ رحمانی	جامتاڑا	۷۹
ثناء اللہ ٹوپاٹانڑوی	جامتاڑا	۸۰
جلال الدین رحمانی	سدھارتھ نگر	۸۲
مفتی حبیب الرحمٰن فیضی	مئو	۸۳
ہشام الدین قاسمی سلفی	گونڈہ	۸۶
حافظ حمید اللہ دہلوی	دہلی	۸۷

خلیل الرحمٰن سلفی	ارریہ	۹۰
محمد داؤد راز	میوات	۹۲
محمد داؤد سلفی	شیوہر	۹۷
دین دار خاں محمدی	میوات	۹۹
ذکر اللہ خان ذاکر ندوی	سدھارتھ نگر	۱۰۰
رضاء اللہ مبارکپوری	اعظم گڑھ	۱۰۳
رضاء اللہ دربھنگوی	مدھوبنی	۱۰۶
محمد رفیق شمسی	دیوگھر	۱۰۸
ریاض احمد سعیدی	مغربی چمپارن	۱۰۹
محمد زماں رحمانی	سدھارتھ نگر	۱۱۰
محمد زین العابدین سعیدی	سپول	۱۱۲
محمد سالم سلفی	سیتامڑھی	۱۱۳
سراج الدین خان سعیدی	غازی پور	۱۱۵
محمد سعود	سیتامڑھی	۱۱۶
محمد سہراب خان فیضی	غازی پور	۱۱۷
حکیم محمد سلیمان	بلرام پور	۱۱۸
حافظ شریف احمد جھکاوی	مغربی چمپارن	۱۲۱
شفاء اللہ فیضی	جامتاڑا	۱۲۲
حکیم محمد شفیع	اعظم گڑھ	۱۲۴
شفیع احمد سلفی	مشرقی چمپارن	۱۲۴
شفیق اللہ سلفی	مدھوبنی	۱۲۸

محمد شکر اللہ سعیدی	غازی پور	۱۲۹
شکر اللہ گونڈوی	بلرام پور	۱۲۹
شکیل احمد اثری	مئو	۱۳۴
شمس الحق سلفی	مدھوبنی	۱۳۷
شمس الہدی	صاحب گنج	۱۴۰
شہاب الدین دیوان	بونگائی گاؤں	۱۴۲
الحاج محمد صالح	دہلی	۱۴۴
صداقت حسین دوستیاوی	مشرقی چمپارن	۱۴۵
صفی الرحمن مبارکپوری	اعظم گڑھ	۱۴۹
حکیم محمد ظہور آروی	بھوج پور	۱۵۷
محمد ظہور رحمانی	دربھنگہ	۱۵۹
عابد علی رحمانی	سدھارتھ نگر	۱۶۰
عابد حسین	جامتاڑا	۱۶۲
عبداللہ بسکوہری	سدھارتھ نگر	۱۶۳
عبداللہ املوی	اعظم گڑھ	۱۶۴
عبداللہ فیضی	مئو	۱۶۵
عبدالباری جھکاوی	مغربی چمپارن	۱۶۶
عبدالباری رحمانی	مدھوبنی	۱۶۷
عبدالجبار شکراوی	میوات	۱۶۹
عبدالجلیل سامرودی	گجرات	۱۷۲
عبدالجلیل رحمانی	سدھارتھ نگر	۱۷۶

سید عبدالحفیظ سلفی	دربھنگہ	۱۸۱
ابومحمد عبدالحق املوی	اعظم گڑھ	۱۸۳
عبدالحکیم صادق پوری	پٹنہ	۱۸۴
حکیم عبدالحکیم رحمانی	الہ آباد	۱۸۶
عبدالحکیم فیضی	مئو	۱۸۷
عبدالحکیم سلفی	مظفر پور	۱۸۹
عبدالحکیم فیضی	سیتامڑھی	۱۹۰
عبدالحلیم ناظم پیغمبرپوری	دربھنگہ	۱۹۱
حکیم عبدالحمید پریشاں	پٹنہ	۱۹۲
عبدالحمید اثری	غازی پور	۱۹۴
عبدالحمید ریاضی	غازی پور	۱۹۵
عبدالحنان ایم۔پی	مدھوبنی	۱۹۶
عبدالحنان	صاحب گنج	۱۹۷
محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری	اعظم گڑھ	۲۰۰
عبدالرحمٰن بجواوی	بلرام پور	۲۰۵
عبدالرحمٰن ندوی	میوات	۲۰۹
صوفی عبدالرحمٰن رجوراوی	دربھنگہ	۲۱۱
حافظ حکیم عبدالرحیم مبارکپوری	اعظم گڑھ	۲۱۱
عبدالرحیم رحمانی	بستی	۲۱۲
عبدالرزاق سمراوی	سدھارتھ نگر	۲۱۵
عبدالرشید جھمکاوی	مغربی چمپارن	۲۱۷

عبدالرشید ازہری	سدھارتھ نگر	۲۱۹
عبدالرؤف رحمانی	نیپال	۲۲۱
عبدالستار دہلوی	دہلی	۲۳۲
عبدالستار سلفی	پورنیہ	۲۳۶
عبدالستار سلفی	سیتامڑھی	۲۳۸
عبدالستار	جودھ پور	۲۴۱
عبدالسلام بستوی	سدھارتھ نگر	۲۴۲
عبدالسلام اسلم کانپوری	کانپور	۲۴۸
حکیم عبدالشکور شکراوی	میوات	۲۴۹
عبدالصمد رحمانی	دہلی	۲۵۳
عبدالظاہر سلفی	مدھوبنی	۲۵۶
عبدالعزیز رحمانی	کرنول	۲۵۸
عبدالعظیم	سدھارتھ نگر	۲۶۰
عبدالغفار سلفی	دہلی	۲۶۱
عبدالغفور بسکوہری	سدھارتھ نگر	۲۶۳
عبدالقیوم رحمانی	سدھارتھ نگر	۲۶۵
عبدالکریم مسلم	سارن (چھپرہ)	۲۷۲
عبدالمبین منظر	سدھارتھ نگر	۲۷۴
عبدالمعید بنارسی	بنارس	۲۸۲
عبدالواحد سلفی	دہلی	۲۸۵
عبدالوحید سلفی	بنارس	۲۸۸

عبدالوحید رحمانی	بنارس	۲۹۰
عبدالوہاب آروی	بھوج پور	۲۹۳
عبدالوہاب خلیل سلفی	سدھارتھ نگر	۲۹۸
عبدالوہاب سلفی	دربھنگہ	۳۰۰
عبدالوہاب دہلوی	دہلی	۳۰۲
عبدالہادی جھکاوی	مغربی چمپارن	۳۰۷
عبدالودود دیوان	بونگائی گاؤں	۳۰۸
عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی	دربھنگہ	۳۱۰
شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری	اعظم گڑھ	۳۱۳
عبیداللہ کشمیری	رائے بریلی	۳۱۹
محمد عزیر سلفی	مظفرپور	۳۲۰
عزیز احمد گونڈوی	بلرام پور	۳۲۲
علی احمد سامرودی	گجرات	۳۲۳
حکیم علی نعمت پھلواروی	پٹنہ	۳۲۳
عمیس اختر سلفی	مظفرپور	۳۲۴
عین الحق سلفی	مدھوبنی	۳۲۵
عین الحق پھلواروی	پٹنہ	۳۲۷
فرحت حسین صادق پوری	پٹنہ	۳۲۷
ڈاکٹر سید محمد فرید سلفی	دربھنگہ	۳۳۰
فرید احمد رحمانی	بستی	۳۳۳
محمد قاسم	مدھوبنی	۳۳۵

کفایت اللہ سلفی مدنی	سدھارتھ نگر	۳۳۷
لیاقت حسین	سدھارتھ نگر	۳۴۰
محفوظ الرحمٰن مدنی	بلرام پور	۳۴۳
محمد بن ہاشم سامرودی	گجرات	۳۴۶
محمد بن یوسف سورتی	گجرات	۳۴۹
محمد جوناگڑھی	جوناگڑھ	۳۵۳
حافظ محمود	سیتامڑھی	۳۵۶
مختار احمد ندوی	مئو	۳۵۸
قاری مظہر الدین	میوات	۳۶۳
محمد مغیرہ سلفی	سیتامڑھی	۳۶۴
ممتاز علی کرتھی ڈیہہ	سدھارتھ نگر	۳۶۵
منظور الحق جھکاوی	مغربی چمپارن	۳۶۸
صوفی نذیر احمد کاشمیری	پونچھ	۳۷۲
نور الدین	جامتاڑا	۳۷۵
ولی محمد باروی	غازی پور	۳۷۶
محمد یوسف شمس	فیض آباد	۳۷۶

علمائے موجودین

محمد ابراہیم رحمانی	سدھارتھ نگر	۳۸۶
محمد ابراہیم ساکرس	میوات	۳۸۹

محمد احمد اثری	سدھارتھ نگر	۳۹۰
امان اللہ فیضی	سیتامڑھی	۳۹۳
محمد رئیس ندوی	سدھارتھ نگر	۳۹۶
ظہیر الدین رحمانی	تامل ناڈو	۳۹۹
عابد حسن رحمانی	بلرام پور	۴۰۰
عبد الحمید انجم جمال اثری	سنت کبیر نگر	۴۰۳
عبد الحنان فیضی	سدھارتھ نگر	۴۰۷
عبد الحئ اصلاحی کھنڈیلوی	سیکر (راجستھان)	۴۰۸
عبد الرحمٰن مبارکپوری	اعظم گڑھ	۴۱۲
عبد الرحمٰن	مالدہ	۴۱۴
عبد السلام رحمانی	بلرام پور	۴۱۵
سید عبد القدوس اطہر نقوی	دہلی	۴۱۹
محمد عمر سلفی	بلرام پور	۴۲۲
فیض الحسن (فضا ابن فیضی)	مئو	۴۲۴
فضل الرحمٰن	سیتامڑھی	۴۲۶
محمد اعظمی	مئو	۴۲۹
محمد مسلم رحمانی	مالدہ	۴۳۱
حافظ محمد یحیٰ دہلوی	دہلی	۴۳۳

55342
109|064
14615

پیش لفظ

ہمارے اسلاف ملت اسلامیہ کے درخشندہ ستارے ہیں

تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ہر قسم کی تعریف کا مستحق وہ رب ذوالجلال ہے جو اس کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے اور جو اپنی حکمت جمالی وجلالی سے اس کائنات کی تدبیر و تنظیم کر رہا ہے۔ جس کے ہاتھ میں موت وحیات ہے، عزت وذلت ہے، روزی روٹی ہے، نفع و نقصان ہے۔

درود وسلام ہو اس ذات گرامی پر جن کی آمد سے دنیا منور و روشن ہوگئی، مردہ دلوں میں زندگی کی بہار آگئی اور جس نے ہمیں ایسے روشن شاہراہ پر چھوڑا، جس کی رات بھی دن کی مانند ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

قابل قدر اکابرین جماعت، غیور نوجوانان جمعیت، میرے ہمسفر ساتھیو اور کتاب وسنت پر مر مٹنے والے میرے دوستو!

جماعت کی نمائندہ تنظیم، اہل جماعت کے دلوں کی دھڑکن، اسلاف کی امانت ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' ہے جس کی تاسیس ۱۹۰۶ء میں جماعت کے دردمند اصحاب فکر و نظر، اخلاص و عمل کے پیکر، سنت کے روشن مینار، نشۂ توحید سے سرشار بزرگوں کے مبارک ہاتھوں ہوئی۔ یہ ایسے اللہ والے قدسی نفوس تھے جن کے ذریعہ قائم اس تنظیم نے جماعتی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کیا، افراد جماعت کو وحدت واخوت کی ایک لڑی میں پرو دیا ان کے جمود وتعطل کو ختم کرکے اور یاس وقنوط کے دلدل سے نکال کر شاہراہ کتاب وسنت کا شہسوار بنا دیا۔ ان میں ایک طرف ایسی دفاعی قوت پیدا کی کہ اسلام کی عظمت پر مر مٹنے، سنت کی آبرو کو

109/064
00/14615

بچانے اور اسلام پر ہونے والے چوطرفہ حملوں کا علمی سطح پر مقابلہ کرنے کے لیے میدان عمل میں اتر گئے تو دوسری طرف نبی رحمۃ للعالمین کے پیام رحمت کو چہار دانگ عالم میں عام کرنے کی سعی مشکور فرمائی اور توحید واتباع سنت کا پرچم لہراتے ہوئے رب حقیقی سے جاملے۔

ان کے اندر یہ غیرت ایمانی اس لیے پیدا ہوئی تھی، ان کے دلوں میں دعوت واصلاح کی تحریک کا بے پایاں جذبہ اس لیے پھوٹ پڑا تھا وہ اس لیے ایثار وقربانی کے پیکر اور توحید واتباع سنت کے فدائی وشیدائی بن گئے تھے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کی تاریخ کا پوری گہرائی وگیرائی اور دردمندی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا، ان کے دلوں میں سلف صالحین کے عظمت کے تابندہ نقوش ثبت تھے، انہوں نے ارباب دعوت وعزیمت کی سچی مگر لرزہ خیز داستانیں پڑھی تھیں، ان کے کانوں میں یہ لطیف وپرسوز مگر ہلا دینے والی، جگر کوشق کر دینے والی، دنیوی راحت وآسائش دولت وثروت منصب واقتدار کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر اپنے محلوں اور ایوانوں سے نکلنے پر مجبور کرنے والی آواز سنائی دے رہی تھی "أینقص الدین وأنا حي" (ابوبکر رضی اللہ عنہ) "واللہ لن اترک الاسلام ولو أن لی ما في الارض جمیعا" (خبیب بن عدیؓ) "من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فأنا مالک بن أنس اقول ان طلاق المکرہ لیس بشي" (امام مالک) "اعطونی شیئا من کتاب اللہ أو سنۃ رسولہ حتی اقول بہ" (امام احمد) "اجعل الکتاب والسنۃ اماما لک واعمل بھما ولاتغتر بالقال والقیل، لامعین إلا اللہ ولادلیل إلا رسول اللہ" (شیخ عبدالقادر جیلانی)

ایک طرف اگر وحدت وعزیمت اور تمسک بالکتاب والسنہ میں ان کی یہ کیفیت تھی تو دوسری طرف خلفائے وقت کے انتہائی سخت ایذا رسانیوں اور ان کی زندانیوں اور کوڑوں کے جواب میں باوجود انقلابی طاقت رہنے کے انہوں نے کبھی بھی بغاوت اور خروج کا فتنہ برپا نہیں ہونے دیا اور امت کو انتشار سے بچالیا۔

بابصیرت عمائدین جماعت! اللہ والوں کی اس جماعت "جماعت اہل حدیث" کی تاریخ انتہائی قدیم ہے۔ جس طرح چاندنی اس وقت سے ہے جب سے چاند ہے، روشنی

اس وقت سے ہے جب سے سورج ہے اسی طرح اہل حدیث اس زمانے سے ہیں جب سے حدیث ہے، یہ وہ جماعت ہے (جیسا کہ ان کے وصفی نام سے ظاہر ہے) جو حدیث نبوی کی دلدادہ وشیفتہ ہے اور جو آراء الناس اور اقوال الرجال کو چھوڑ کر قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث رسول کو قابل حجت، مستند اور واجب العمل مانتی ہے۔

غیروں نے تو چاہے اپنے لیے جو بھی راہ متعین کی ہو لیکن اس جماعت حقہ نے قطعا اسے گوارہ نہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوسروں سے اپنا رشتہ جوڑ لیں اور دوسروں کی طرف منسوب ہو جائیں، بلکہ اس نے باآواز بلند یہ اعلان کیا۔

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

اور

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن

پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلّم داشتن

یہی وہ جماعت ہے جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی "لاتزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لايضرهم من خذلهم أو خالفهم حتى يأتى امر الله" (صحیح مسلم) "یعنی میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اس جماعت کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے والے اور اس کی مخالفت کرنے والے قیامت تک اس کا کچھ بال بیکا نہ کر سکیں گے" حدیث مذکور میں طائفہ سے مراد عبداللہ بن مبارک، ابن حنبل اور امام بخاری کے نزدیک "اہل الحدیث" ہی ہیں۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ طائفہ منصورہ قلیلہ ہر دور میں اور ہر زمانے میں موجود تھی اور تا قیام قیامت موجود رہے گی۔

ہمارے ملک ہندوستان کو اس بات پر فخر ہے کہ اسی جماعت کی بدولت ساکنان ہند کے کانوں تک خالص کتاب وسنت کی آواز پہنچی اور انہوں نے قال اللہ وقال الرسول کی روشنی میں سفر حیات کی منزلیں طے کیں، وہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک مسلکی گروہ بندی، فرقہ وارایت سے نا آشنا ہے۔

یہی وہ جماعت ہے جس کے جیالوں اور شاہین صفت جوانوں نے انگریزی استعماریت کے ظلم وبربریت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور آزادی وطن عزیز کے لیے ہر وہ قربانی دے، جس کو اس راہ میں ضرورت پڑی۔ دوست سے پہلے دشمن نے اس کا اعتراف کیا ہے اور استخلاص وطن، مسلمانوں کی عظمت رفتہ وشوکت گم گشتہ کی واپسی کے لیے بے دریغ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے دشوار گزار گھاٹیوں، برف پوش کہساروں، بے آب وگیاہ صحراؤں، مہیب ووحشت زدہ غاروں کو اپنا مسکن بنایا اور ہمالہ کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر وادی کشمیر کی گھاٹیوں تک، ترائی نیپال سے لے کر بنگال کی کھاڑیوں تک کی زمینوں کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ مجاہدین آزادی کی یہ تحریک از ابتداء تا انتہاء اہل حدیث علماء اور زعماء پر مشتمل رہی ہے۔

یقین نہ آئے تو صادق پور کی خاک مقدس سے پوچھ لو کہ کس طرح اس خانوادہ کے عظیم سپوتوں کے قائدانہ اور مجاہدانہ کردار نے اس تحریک آزادی کو جلا بخشی اور ان کے سرفروشانہ کارناموں نے ان کو حیات جاودانی عطا کی۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کے مجاہدانہ کارناموں اور سعادت مندیوں کا یوں تذکرہ فرمایا ہے ''بہت کم خاندان ہیں جنہیں بیک وقت دعوت وتنظیم جہاد اور اجراء جہاد کی سعادت نصیب ہوئی، سید صاحب دونوں میدانوں کے یگانہ شہسوار تھے، عظیم آباد کے ان تین خاندانوں نے کم وبیش ایک صدی تک دونوں کام سنبھالے رکھا اور ایسی قربانیاں خوش دلی سے پیش کیں، جن کا تصور بھی ہمارے عہد میں قلوب پر لرزہ طاری کر دینے کے لیے کافی ہے۔ (سرگزشت مجاہدین، ص:۳۷۲)

بقول شاعر

اسی شہر گرامی پر فرنگی جبر ٹوٹا تھا
اسی کا جان ومال وخانماں گوروں نے لوٹا تھا

(علیم ناصری)

جماعت اہل حدیث کی اس عظیم خدمات ولازوال ایثار وقربانیوں کا اعتراف کرتے

ہوئے پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا تھا ''اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لیے خدمات ایک پلڑا میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑا میں صرف علمائے صادق پور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پور کے علماء کا پلڑا بھاری ہوگا۔

قابل احترام اخوان جماعت! سوانح نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے، یہودیوں اور یونانیوں کے یہاں بھی یہ رواج تھا کہ وہ اپنے قدماء کی سرگزشت قلمبند کیا کرتے تھے، اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے ''سوانح حیات بطور ایک ادبی صنف کے کسی شخص واحد کی زندگی کا تاریخی مطالعہ ہے۔'' (آکسفورڈ ڈکشنری ج ا،ص:۸۷۰)

تاریخی مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ اس میں تاریخی ترتیب سے کرداروں اور واقعات کو مرتب کیا جائے اور تاریخی صداقت اور تاریخیت کی زیریں لہر بھی باقی رکھی جائے، جس میں راست گفتاری، امر واقعہ کی صداقت اور دوسری بنیادی سچائیاں بھی شامل ہیں، اس کی ایک اور تعریف یہ ہے ''سوانح حیات کو صاحب سوانح کی زندگی کی سچی دستاویز ہونا چاہئے اس طرح وہ کہانیاں اس سے خارج ہیں جو تاریخی صداقت کی حامل نہ ہوں اور جو شعوری طور پر فن کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر نہ لکھی گئی ہوں۔'' (اردو خود نوشت فن و تجزیہ، وہاج الدین علوی، ص:۲۷)

مذکورہ بالا تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ فن سوانح نگاری کے تین بنیادی عناصر ہیں، تاریخ، فرد اور کہانی اگر کسی سوانح میں یہ تینوں عناصر یکجا نہیں ہیں یا ان میں امتزاج کی کمی ہے تو وہ سوانح عمری کمزور اور کم اہمیت کی حامل ہوگی، سوانح عمری کو سچائی اور دیانتداری کا مرقع ہونا چاہئے اور اس کو انسان کے کرب و کیفیت، عروج و زوال، ذہنی اور نفسیاتی کیفیات کا آئینہ دار ہونا چاہئے اور ساتھ ساتھ اس میں وہ کہانی پن بھی ہونا ضروری ہے، جو اس کو دائرہ ادب میں شامل کرتا ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوانح حیات ادب کی وہ صنف ہے جو کسی خاص فرد کی زندگی کا عکس پیدائش سے موت تک پیش کرتی ہے، اس کی تمام تر کامیابیوں اور ناکامیوں نیز اس کی زندگی کے اہم واقعات اور نفسیاتی کیفیات کو دلچسپ انداز میں اجاگر کرتی ہے۔

اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی زندگی کے حالات وواقعات، عبادات ومعمولات، تصنیفات وتالیفات بلاشبہ علم وعمل کی روح، دنیا وآخرت کا سرمایہ، خلوتوں کے رفیق، غمزدوں کے انیس اور زندگی کی تاریک راہوں کا قندیل ہیں، اور یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے بقول مفکر کہ ''جو قوم اپنے اسلاف کی تاریخ فراموش کر جاتی ہے وہ پستی کی انتہاء میں پہنچ جاتی ہے۔''

یہی وجہ تھی کہ ہر دور اور زمانہ میں اصحاب فکر ونظر، ارباب بصیرت اور لوح وقلم کے شہسواروں نے ماضی کے اعاظم رجال، اساطین علم وفضل، علم وادب کے سمندر میں غواصی کرنے والے ماہرین کی روشن تاریخوں کو محفوظ کرنے، ان کی زندگی کے تمام حالات وواقعات کو یکجا کرنے اور ان کی روشن تاریخوں کو محفوظ کرنے، ان کی زندگی کے تمام حالات وواقعات کو یکجا کرنے اور ان کے روشن تذکروں وکارہائے نمایاں کو حیطۂ تحریر میں لانے کا عظیم اہتمام کیا ہے تاکہ وہ اپنے ماضی کے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ سکیں، ان کی زندگی کے نشیب وفراز سے اپنی زندگی کے خطوط متعین کر سکیں اور اپنے اسلاف کے امتیازات وخصائص، فضائل ومناقب کو اپنی زندگی میں سمونے کے قالب میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کر سکیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سوانح عمریوں سے اگر ایکطرف علم وادب کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور اس کو تقویت ملتی ہے تو دوسری طرف اس سے قومی اور ملکی تہذیب وتمدن کی نشو ونما اور ارتقاء کا اندازہ، انسانی معاشرہ اور اس کے قلب ودماغ اور انسانی زندگی کی اصلاح وتربیت کا کام انجام پاتا ہے۔

بعض مفکرین نے اس صنف وموضوع کو قرآن وحدیث کے بعد سب سے زیادہ مؤثر، محرک اور انقلاب انگیز قرار دیا ہے۔ انبیاء کرام کے قصوں اور واقعات سے قرآن نے کئی جگہ استدلال کیا ہے اور ان کی زندگیوں سے انسانی زندگیاں بنانے کی ترغیب دی ہے، جو بڑا مؤثر طریقہ رہا ہے۔

تذکرہ نگاری سوانح عمری کے ان ہی فوائد وفضائل کی بناء پر میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت کے تمام چراغوں کو (خواہ وہ بجھ چکے ہوں یا ٹمٹما رہے ہوں یا

روشن ہوں) یکجا کرلیں اور نور کا عظیم مینار بنالیں، ان تمام بکھرے پھولوں کو سجا کر حسین گلدستہ سجالیں، جس کی بھینی بھینی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جائے، یا جن چراغوں کے سہارے صدق وصفا کے پیکر، ایمان ویقین کے متوالے اپنی زندگی کا سفر طے کرسکیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی یہ سب سے بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ جماعت کے ہمہ جہت خدمات انجام دے اور مختلف میدانوں میں اس کی کارکردگی موثر ہو، چنانچہ اس نے صحافت، تحقیق وتالیف، نشرواشاعت، دعوت وتبلیغ، اغاثہ وریلیف، موتمرات وندوات، مسابقات وکوئز، تعمیر دنیا، دفاع ومناظرہ برائے احقاق حق غرضیکہ ہر میدان میں قدم رکھا اور کامیابی حصے میں آئی۔ پچھلی کانفرنس پاکوڑ کے موقع سے دو تین اہم کام انجام پاگئے تھے خطہ کی مناسبت سے ریاض الصالحین نووی رحمہ اللہ بنگلہ ترجمہ محنت شاقہ کے بعد شائع کیا گیا تھا۔ صحیح بخاری مترجم ومحشی کو شائع کرنے کی توفیق ہوتی۔ اور سب سے اہم یہ کہ اس مناسبت سے تاریخ اہل حدیث کا ایک کشکول بنام یادگار مجلہ شائع ہوتا۔ جس کی افادیت ومقبولیت اس ۲۹ویں آل انڈیا کانفرنس کے موقع سے ہمت ہوئی کہ جماعتی تاریخ کے سلسلہ میں اس کام کو آگے بڑھایا جائے۔ گویا کہ وہ تمہید تھی تفصیل کے طور پر حقیقت میں چوطرفہ بلکہ پانچ طرفہ کام شروع ہوگیا۔

(۱) تاریخ اہل حدیث مرتبہ ڈاکٹر بہاء الدین کی اشاعت اور اس کے مواد کی فراہمی کی کوشش۔ اس کی دو جلدیں مرکزی جمعیت سے چھپ کر عام ہو چکی ہیں بقیہ ۸ جلدیں تیار ہو رہی ہیں۔

(۲) تحریک ختم نبوت کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں چھٹی جلد زیر طباعت ہے۔ یہ جماعت کی مقاومت فتنۂ قادیانیت اور تحریک ختم نبوت کی عظیم تاریخ ہے۔

(۳) تراجم علماء اہل حدیث: عصر حاضر کے علماء واساتذہ کی مختصر سوانح عمریاں۔ اسکی یہ پہلی جلد پر یہ سطور لکھنے کی سعادت ہو رہی ہے اور اس کے لیے جو پلاننگ کی اور محنت کی ضرورت ہے۔ اس سمت میں کوشش ہو رہی ہے اور دوسری جلد کے لیے اچھا خاصا مواد جمع ہو کر کمپیوٹر میں داخل ہو چکا ہے۔

(۴) وطن عزیز کی آزادی اور اہل حدیث کے عنوان سے بھی کام ہورہا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ کام شروع ہوا، مشقتیں اور دشواریاں، پیش آئیں، بادیہ پیمائی کی نوبت بھی آئی، کڑوا گھونٹ بھی پینے پڑے بھائیوں کے طعن و تشنیع بھی سنے۔ لیکن بقول شاعر

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

میں اپنی تمام تر کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود ''تراجم علماء اہلحدیث'' کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، اس لیے کہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

واضح رہے کہ یہ کوئی آخری تارہ نہیں جسے توڑ کر میں نے اپنی جماعت کے حضور پیش کیا ہے بلکہ مرکزی جمعیت ان تمام وقیع و اہم موضوعات پر تاریخی دستاویزیں، علمی کتابیں، تیار کرا کر اور انہیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے افراد جماعت کے سامنے پیش کرچکی ہے، جن کے بدلے ہوئے حالات میں سخت ضرورتھی۔

زمانہ کو جن کا انتظار تھا اور ارباب جمعیت جن کے مطالعہ کے لیے چشم براہ تھے، اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ادوار ماضیہ میں ہر قسم کے وسائل و سہولیات کے باوجود ایسی معرکۃ الآراء کتابوں کی طباعت و توزیع کی طرف توجہ نہیں دی گئی، متاع کارواں لٹ رہا تھا لیکن دلوں سے ''احساس زیاں'' مفقود تھا۔

مرکزی جمعیت اور اس کے موجودہ قائدین نے پوری سنجیدگی سے منصوبہ بندی کی حالات وواقعات کے تناظر میں اچھوتے مضامین کا انتخاب کیا اور اپنے بلند افکار کو عملی جامہ پہنانے کے تمام وسائل و ذرائع کو اختیار کیا، اللہ کی نصرت وحمایت شامل حال رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے چار علمی و تاریخی تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہوگئیں اور وہ ہیں (۱) تاریخ اہل حدیث (۲) تحریک ختم نبوت کی ۶ جلدیں (۳) جدوجہد آزادی میں اہل حدیث کی

خدمات (انگریزی، اردو میں) (۴) تراجم علماء اہل حدیث جلد اول۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

گرامی قدر رفقاء جماعت! اس حسین ودلکش مرقع کی اشاعت وپیشکش پر رب ذوالجلال کے شکر وسپاس ادا کرنے کے بعد میں اپنے امیر محترم، نائب ناظم، شیخ عبدالمعید مدنی اور جناب خالد حنیف صدیقی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی تشجیع وترغیب مخلصانہ تعاون اور انتھک کوششوں سے یہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ساتھ ہی اراکین عاملہ اور ہمارے رفقاء کار مبلغین وکارکنان خصوصا مولوی محمد احمد سلفی، مولوی رفیع اللہ مسعود تیمی اور ابو طاہر فیضی بھی ہمارے تشکر وامتنان کے مستحق ہیں جو ہر گام اور ہر موڑ پر ہمارا ساتھ دیتے رہے اور اس تراجم کو ہر اعتبار سے معیاری، تحقیقی اور خوبصورت بنانے میں ہر قسم کا تعاون پیش کیا۔ رب ذوالجلال ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمارے تمام اعمال وعبادتوں کو شرف قبولیت بخشے اور ہم سب کو اپنی نعمتوں بھری جنت کا مہمان بنادے۔ آمین یارب العالمین

اصغر علی امام مہدی سلفی
ناظم عمومی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
۱۴/اکتوبر ۲۰۰۸ء

تاثرات

تذکرہ وسوانح، سیر وتراجم فنی اعتبار سے مسلمانوں کے علمی امتیازات میں سے ایک امتیاز ہے۔ ان کا ایک دینی پہلو بھی ہے مسلمان اور خصوصا علماء شہداء اللہ فی الارض ہیں۔ اوران کی علمی ودینی مرتبت مسلم ہے۔ حقائق کے استناد وثقاہت کے لیے اصحاب حقائق کا ثقہ اور مسلم ہونا بھی ضروری ہے۔

اس فن کا علمی پہلو بھی ہے رجال کی سیرت وتذکرے کی تدوین کے لیے علمی اصولوں کا لحاظ رکھنا بھی طے ہے۔ رجال واَعلام کے متعلق تفصیلات میں گپ، اکاذیب، تخرصات اندازے اور مبالغے نہیں چلتے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی پائیداری اور نمود ونکھار کے لیے سیروتراجم کے حوالے سے صرف سچائیاں زیر قلم آسکتی ہیں۔ فنی سچائی کے تقاضے کے مطابق فن تراجم نگاری میں ہیرو کو زیرو یا زیرو کو ہیرو نہیں بنایا جاتا، نہ اس میں خاکہ نگاری اور پیکر تراشی چلتی ہے۔ یہاں فقط اور فقط حقیقت نگاری چلتی ہے۔ یہ موضوع اتنا حساس اور نازک ہے کہ قلم کی نکتہ آفرینیاں اور قلمی صناعی اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ شخصی رجحانات کے سہارے بھی ترجمہ نگاری نہیں ہوسکتی ہے۔ بہت بڑا ظلم ہے کہ اعلام اور رجال کی پوری زندگی کو شخصی رجحان کے مطابق ڈھال کر جھوٹ کا کاروبار کیا جائے، اسی طرح کسی کو اونچا دکھلانے کے لیے رائی کو پہاڑ اور کسی کو نیچا دکھلانے کے لیے پہاڑ کو رائی بنانے کی بھی یہاں اجازت نہیں ہے۔ تراجم اور رجال وسیر کے باب میں اگر کسی کو شوق ہو حاطب اللیل بننے اور رطب ویابس جمع کرنے کا تو اُسے گلعذاروں کے بازار میں چلا جانا چاہیے۔ اسی طرح تراجم نگاری میں تاثراتی لب ولہجہ بھی معتبر نہیں ہونا چاہیے۔ دراصل تاثراتی لب ولہجہ خاکہ نگاری کا لب ولہجہ ہوتا ہے۔ جس میں صرف ایک خیالی اور توہماتی تصویر پیش کی جاتی ہے۔

اردو تذکرہ نگاری اور خاص کر مذہبی تذکرہ نگاری کا المیہ یہ ہے کہ اس میں اشخاص واعلام کی توہماتی اور خیالی تصویر زیادہ پیش کی جاتی ہے اور فرد کی حقیقی تصویر کے بجائے اس کی بے شمار تصویریں بلکہ متضاد تصویریں بنائی اور تخلیق کی جاتی ہیں۔ برصغیر کی اردو تذکرہ نگاری میں خاص کر مذہبی تذکرہ نگاری میں یہ بات شدت سے محسوس کی جاتی ہے کہ تذکرہ نگاری کی تاریخی حیثیت پامال ہو کر رہ جاتی ہے۔ کہیں اُسے تعصبات کی نذر کر دیا جاتا ہے کہیں اسے شخصی رجحانات پامال کر ڈالتے ہیں کہیں غلو اور مبالغہ آرائی اس کو تباہ کر دیتی ہے۔ اردو مذہبی تذکرہ نگاری کو کسی طرح جی نہیں چاہتا کہ اسے کوئی علمی حیثیت دی جائے بلکہ چاہئے تو یہ کہ تذکرہ نگاری کو حقیقت نگاری اور تاریخ نگاری کے اصولوں کے تحت انہیں ناقابل اعتبار غیر موثوق اور موضوع قرار دے دیا جائے تاکہ اس سے جو علمی و تاریخی آلودگی پیدا ہو رہی ہے وہ ختم ہو جائے۔

ہر عالم یا فرد اس لائق بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ترجمہ یا تذکرہ تیار کیا جائے یا اس کی سوانح عمری تیار کی جائے لیکن ایک مصیبت یہاں یہ بھی ہے اور عدم ثقاہت کی سب سے بڑی دلیل کہ ہر کہ ومہ بقلم خویش اپنے کارنامہائے حیات لیے تیار بیٹھا ہوتا ہے کہ اسے بھی قافلہ سالاروں میں شامل کر لیا جائے۔ ترجمہ نگاری، تذکرہ نگاری یا سوانح نگاری کوئی کھتونی نہیں ہے نہ شناختی کارڈ دفتر ہے کہ لامحالہ ہر ایک کا اندراج ہونا چاہئے۔

کسی فرد کا ترجمہ یا تذکرہ اس لیے ریکارڈ ہوتا ہے کہ اس کی قیادی حیثیت ہوتی ہے وہ کسی فیلڈ میں نمایاں کارنامہ انجام دیتا ہے اور اس کے اثرات قریب یا بعید کے لوگوں پر مرتب ہوتے ہیں اور اس کی ذات سے خیر عام ہوتا ہے۔ اس کی عملی جدوجہد اس کا علمی و تعلیمی فیض، اس کے رفاہی یا سیاسی کام اور کارنامے ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو نمایاں مقام عطا کر دیتے ہیں اور اس کی حیثیت کسی نہ کسی معنی میں تاریخی بن جاتی ہے اور اس کے اثرات تادیر باقی رہتے ہیں۔

ایسے مخلصین اور کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کی زندگی ایک ماڈل بن جاتی ہے

جو زندگی کے خاص شعبوں یا عام زندگی میں لوگوں کے لیے رہنما کا کام دیتی ہے۔ زندگی کی عام رفتار میں اسا سا تشابہ ہوتی ہے ذوقیات ،جمالیات احتیاجات لب ولہجے اور تعبیرات میں فرق ہو سکتا ہے۔ زندگی کے زیر و بم میں ایسے لوگ اور اُن کے کارنامے اپنے لوگوں کے لیے حوصلہ و تسلی دیتے ہیں، رہنمائی کرتے ہیں اور کامیابی کی راہ دکھلاتے ہیں اور انہیں ختم ہونے اور مٹنے سے بچاتے ہیں۔ ان کی اخلاقی علمی فکری توانائیاں اور صاف ستھرے کردار کی طاقت افراد و جماعات کو ڈوبنے مٹنے اور ختم ہونے سے بچاتی ہے۔

فرد یا شخص خواہ کتنا عظیم ہو۔ اس کی عظمت کے حدود ہیں۔ حقائق کی چہار دیواریں ہیں، سچائی کا گھیرا ہے، بشریت کی حد بندیاں ہیں۔ فرد یا شخص ان سے ورے نہیں جا سکتا۔ اس سے آگے جانا بھی چاہے تو اس کے پر جل جائیں گے، اس کی قوت پرواز جواب دے دیگی، اس کی عظمت تھک جائے گی۔

تذکرہ نگاری کے کچھ علمی تقاضے ہیں، کچھ شرعی آداب ہیں، کچھ فنی ضرورتیں ہیں اور سب کا حاصل یہ ہے کہ حقیقت، تاریخیت اور شہادت حق تذکرہ نگاری کی اساس ہونی چاہیے۔ اور شخص و فرد اور اس کے کارنامے اور اس کے کردار کو ایسا پیش کیا جائے یا اس کی کوشش کی جائے کہ ہو بہو اس کی تصویر کاغذ پر آجائے۔

ایک تذکرہ نگار کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ تذکرہ نگاری میں اصول پسندی کا رویہ اپنائے علمی و تاریخی خیانت کا مرتکب نہ ہو، نہ اسے قلمی کھیل و تماشا بنائے، تعصب، شخصی پسند و ناپسند رجحانات تاثرات مبالغہ آمیزی اور افسانہ نگاری سے بچے۔ اور تذکرہ نگاری کو کھتونی یا I.D. دفتر نہ بنائے۔

زمانہ بیت گیا، نہ جماعت اہل حدیث ہند کی تاریخ مرتب ہو سکی نہ تراجم علمائے اہل حدیث۔ مجبوری بھی تھی اور غفلت بھی۔ مجبوری یہ تھی کہ برصغیر کے خطے میں منہج سلف کے مطابق جب دعوت کا کام شروع ہوا، کام بڑھتا گیا، کارنامے انجام پاتے گئے، اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد، استعمار سے جنگ، اصلاح معاشرہ، دعوت و تبلیغ، تعلیم

وتدریس اور حدیث وعلوم حدیث سے شغف، مناظراتی مشغولیات اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی، سیاسی ہلچل مزید۔ ساری صلاحیتیں ان میں لگی ہوئی ہیں کسی کو موقع نہیں مل پارہا تھا کہ تاریخ وتذکرہ کی طرف توجہ کرے۔ ظاہر ہے مذکورہ جہود کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے اور یہ بھی تو بات ہے جب تاریخ بن جاتی ہے تب تاریخ لکھی جاتی ہے اور اعلام کچھ کر گزرتے ہیں تب تذکرے اور تراجم مرتب کرنے کی نوبت آتی ہے۔

آزادی سے کچھ پہلے اس طرف توجہ ہوئی ہی تھی، اور کچھ لوگوں نے تذکرہ وتراجم پر قلم اٹھایا ہی تھا کہ سیاسی ہنگامے کے ساتھ تقسیم ہند کا حادثہ پیش آگیا۔ اس حادثے میں اہل حدیث سب سے زیادہ لٹے۔ پنجاب وبنگال کے خطے ان کے سب سے بڑے جولان گاہ تھے دونوں دولخت ہوگئے اور اہل حدیثوں کی زبردست علمی دعوتی تدریسی تاراجی ہوئی علماء مارے گئے تجارلٹ گئے، لوگ اجڑ گئے پھر بیس سال سے زائد انہیں سنبھلنے میں لگ گیا۔ آزادی کے بعد جماعت اہل حدیث کے پاس صرف دوایک اشاعتی ادارے تھے۔ ۸۰ کے دہے کے بعد علمی اور اشاعتی اداروں میں اضافہ ہوا اور جامعات میں تصنیف وتالیف کا شعبہ قائم ہوا۔ اور تذکرہ وسوانح پر لکھنے کا رجحان بڑھا۔

اس سلسلہ میں جماعت کے اہم ادارے جامعہ سلفیہ میں زبردست پیش رفت ہوئی اور اسی طرز پر دیگر جماعتی اداروں میں بھی اس کی طرف توجہ ہوئی۔ منتہی طلباء کے لیے حصول سند کے لیے مقالہ لکھنا لازمی قرار پایا۔ اس کے لیے ان کی توجہ تراجم اور تذکرے کی طرف مڑی اس کے نتیجے میں شہر شہر قریہ قریہ کے علماء اہل حدیث کے سوانحی خاکے مرتب ہونے لگے اور بعض علاقوں کے علماء کے تراجم بالاستیعاب مرتب ہوئے، نیز علماء وطلباء نے جماعتی رسالوں میں حیات اور متوفی علماء پر لکھنا شروع کیا۔ بروقت اگر تمام مرتب تراجم اور سوانح کو چھاپ دیا جائے تو یہ تراجم کئی جلدوں میں آئیں گے اور شاید ہندوستان میں جماعتی علماء کا سب سے زیادہ مکمل اور وسیع تذکرہ منصہ شہود پر آجائے۔

یہاں یہ اعتراف بھی بے جانہ ہوگا کہ تراجم علماء حدیث اور تاریخ اہل حدیث کی تدوین

میں فی الواقع تاخیر ہوئی ہے یہ تاخیر غفلت کا بھی نتیجہ ہے۔ جب علماء کی ہمت افزائی نہ ہو، ان کی پشت پر ادارے نہ ہوں یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔

بہر حال تاخیر سہی لیکن یہ اہم کام انجام پذیر ہونے لگا ہے تاریخ اہل حدیث بھی مرتب ہونے لگی ہے اس کی دو ضخیم جلدیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نگرانی میں چھپ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہیں، تحریک ختم نبوت کی ٦ جلدیں پہلے ہی چھپ چکی ہیں۔ جدوجہد آزادی میں اہل حدیث کی خدمات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو اردو اور انگریزی میں جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

تراجم علمائے اہل حدیث کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، کوشش کی گئی ہے کہ اسے معتبر اور مستند صورت میں پیش کیا جائے۔ کمال کا دعویٰ نہیں ہے۔ نقش اول ہے اگر کسی طرح کی کمی نظر آتی ہے تو نقش ثانی میں اسے دور کر دیا جائے گا۔ عرض یہ ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے رہنمائی اور مشوروں سے نوازا جائے تاکہ منزل مقصود پر پہونچنے کے لیے راہوار قلم کو آسانی ہو۔ اگر کسی طرح کی خامی نظر آئے تو اسے بشری تقاضا سمجھیں واویلا مچانے کے بجائے اس کی نشاندہی کریں تاکہ مستقبل میں اسے دور کیا جائے اور اس طرح کی خامیوں سے بچا جائے، خاص کر اس فن سے دلچسپی رکھنے والے اس طرف ضرور توجہ دیں۔ شکریہ کے مستحق ہیں خالد حنیف صدیقی صاحب اور جمعیت کے ذمہ دار حضرات۔ اللہ سب کی مساعی کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

عبدالمعید مدنی

اہل حدیث منزل، دہلی

14/10/08

اِن هذه تذكرة

فمن شآء ذكره

تاریخ اور تذکرہ مثل آئینہ ہے، جس میں اقوام ماضی کے چہرے، ان کے اقبال وادبار، عروج وزوال کے حرف وحکایات اور فسانے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے اعمال وافعال، عقائد ومنہج، ان کی تعمیر وترقی اور عروج وارتقاء کے نقوش مرتسم ہوتے ہیں۔ ان کی بداعمالیوں اور پاداش میں بربادیوں کی خونچکاں داستانیں آشکارا ہوتی ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے پند ونصیحت اور عبرت وموعظت کا کام کرتی ہیں۔

مجھے یوپی وبہار کے دورۂ سفر میں سیر وسوانح اور تراجم وتذکرہ کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کچھ ایسی نادر ونایاب کتابیں بھی دیکھنے کو ملیں۔ انہیں پڑھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ماضی میں علماء نے اس موضوع پر کتنا بسیط کام کیا ہے، جبکہ اس دور میں سفر اور سیر وسیاحت کے لیے آج کل کی طرح ذرائع ووسائل بھی فراہم نہ تھے۔ آمد ورفت کے راستے مسدود ومخدوش تھے۔ ان کتب کی تیاری میں کن کن ممالک اور اماکن کی خاک چھانی ہوگی۔ وہاں کے افراد ورجال، ان کے مسلک ومذہب اور ان کے تہذیب وتمدن کا کس گہرائی سے جائزہ لیا ہوگا۔ اتنا ہی نہیں کچھ علماء نے تو چرندوں، پرندوں درندوں، اماکن واقالیم حتی کہ جن وشیاطین کو بھی موضوع بنا کر ان کی فطرت وطنیت، ان کے عادات واطوار اور ان کے فوائد ونقصانات پر مشتمل کئی کئی ضخیم جلدوں میں کتابیں لکھ ڈالیں۔ بدقسمتی سے بعد کے لوگ اس تراجم وتذکرے کے سلسلہ کو جاری نہ رکھ چکے اور ان کی کڑیوں میں ایک بھی کڑی کا اضافہ نہ کرسکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدتوں بیت جانے کے

بعد بھی آج صرف وہی کتابیں ہمارے لیے معلومات کا ذریعہ ہیں۔ جو ہمارے اسلاف نے لکھیں تھیں، اور بس- فیا سفی علی یوسف!

☆☆☆

سابق میں علمائے متقدمین نے اپنے اسلاف واکابرین کے سیر وسوانح، تراجم وتذکرے کو کتابوں میں محفوظ کر کے اپنے سچے وارث اور امین ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کی ناقابل فراموش خدمات اور کارہائے نمایاں کو تاریخ کے پنوں میں امر اور انمٹ کر دیا ہے، جو بجا طور پر ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

سب سے پہلے جامعہ سلفیہ بنارس نے مثالی قدم اٹھایا اور درجات عالمیت وفضیلت کے طلباء سے اپنے اپنے علاقہ جات کے علماء (مرحومین وموجودین) پر مقالے لکھوائے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ بے شک یہ اس ادارہ کی مثالی اور ناقابل فراموش خدمت ہے۔ اور دیگر جماعتی اداروں کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔ لیکن ان مقالوں کے چھپ کر منظر عام پر نہ آنے سے وہ اپنی افادیت کھوتے جا رہے ہیں۔ کاش ارباب جامعہ اس طرف اپنی توجہ مبذول کرتے۔

علاوہ ازیں اگر جماعتی جرائد ومجلات اپنے ہر شمارہ میں مستقل طور پر ایک سوانحی خاکہ پیش کرنے کا عزم کر لیں تو چند سال کے اندر سیکڑوں علماء کے سوانحی خاکے بھرپور انداز میں جمع ہو سکتے ہیں ہفت روزہ اخبار اہلحدیث امرتسر نے ''تراجم علمائے اہلحدیث'' کے عنوان سے ۱۹۱۸ء میں ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اگر چہ پابندی کے ساتھ اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا، پھر بھی ۱۹۲۲ء تک ۸۲ علماء کے سوانح جمع ہو چکے تھے، ان میں سے اکثر کے تراجم مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ نے تحریر فرمائے تھے۔ ماہنامہ ''محدث'' بنارس، ماہنامہ ''آثار جدید'' مئو اور ماہنامہ ''طوبیٰ'' بہار نے فی الحال اس طریق کو اپنایا ہوا ہے، یہ بڑا ہی مستحسن اقدام ہے، لیکن مسئلہ پابندی کے ساتھ اپنانے کا ہے۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہلحدیث کا موجودہ دور دینی، دعوتی نیز تنظیمی ہر اعتبار سے اپنے سابق پر فائق ہے۔ شعبہ احصائیات موجودہ قیادت ہی کی دین ہے جس سے اب تک کئی قابل قدر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تراجم علمائے اہلحدیث ہند بھی اسی سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔ علمائے جماعت کے تغافل وعدم توجہی اور عدم تعاون کے سبب یہ کام بڑا صبر آزما اور تھکا دینے والا ثابت ہوا۔ لیکن بحمد اللہ اس کی پہلی جلد پایہ تکمیل کو پہنچی جو اس جمعیت کے فعال ونبض شناس ناظم کی صالح فکر، وسعت قلب، اخلاص وسچی لگن اور تجربہ کار امیر، بہترین قیادت کی رہین منت ہے۔

..............☆☆☆..............

سوانح وتراجم سے متعلق ابتداء میں بنائے گئے لائحہ عمل اور خاکہ کے مطابق مرحومین اور موجودین دونوں پر ایک ساتھ کام شروع ہوا اور سات سو صفحات پر مشتمل کتاب بھی تیار ہوگئی، لیکن جب مرحومین پر خاطر خواہ مواد فراہم ہوگیا تو پہلی جلد کو ان کے لیے مختص کردیا گیا، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ البتہ اس میں صرف ان ۱۸ موجودین کو جگہ دی گئی ہے جن کا پیمانہ حیات لبریز ہوچکا ہے اور جو اپنی انتہائے عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ یا ان میں سے اکثر صاحب فراش ہیں اور کچھ مختلف عوارض کی وجہ سے ہر طرح کی سرگرمیوں سے غیر وابستہ ہوچکے ہیں۔

دوسری جلد پر بھی خاطر خواہ کام ہوچکا ہے۔ اللہ نے چاہا تو وہ بھی بہت جلد از جلد منظر عام پر آجائے گی، بس آپ حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔ اس میں ان علماء موجودین کے تراجم شامل ہیں، جن کے دینی، دعوتی، تنظیمی اور تصنیفی اور تالیفی نیز تعلیمی وتدریسی مجال میں ناقابل فراموش خدمات ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں درج ذیل باتوں کا خصوصی طور پر التزام کیا گیا ہے۔

۱- ان اکابرین اور بزرگوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، جنھوں نے گرچہ کسی ادارہ سے باقاعدہ سند نہیں حاصل کی ہے، لیکن علماء کی صحبت سے اکتساب فیض کیا، کتب دینیہ کا مطالعہ

کر کے دینی معلومات کو اخذ کیا اور عملی طور پر نا قابل فراموش دینی ودعوتی کارنامے انجام دے گئے۔

۲- صاحب تذکرہ کے تعلق سے ان کے دینی ودعوتی پہلو کو مستند حوالے سے لیا گیا ہے اور دور از کار باتوں سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

۳- تاریخ وجائے پیدائش کے ساتھ کن علماء سے استفادہ کیا، کن مدارس میں داخلہ لیا، کہاں کہاں تدریسی فریضہ انجام دیا، ان سب کا ذکر ماہ وسال اور تاریخ کی قید کے ساتھ کیا ہے۔

۴- ان کے دینی ودعوتی نیز تصنیفی وتالیفی وادارتی خدمات کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔

۵- کسی کی ذات کے تعلق سے عقیدت واحترام میں بے جا مدح سرائی اور مبالغہ امیزی سے کلی طور پر اجتناب کیا ہے۔

۶- جن بزرگوں کے بارے میں کم معلومات فراہم ہوسکیں ان کے ترجمے میں بھی کچھ اختصار ہے۔ ان میں رنگ آمیزی اور ملمع سازی کر کے خواہ مخواہ طویل کرنے سے گریز کیا ہے۔

۷- اسماء کو ترتیب دینے میں حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ حرف گیری اور شکوہ سنجی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔

کسی چیز کو از سر نو وجود بخشنا کتنا مشکل عمل ہے، اس کا اندازہ ان حضرات کو بخوبی ہے جو اس فریضہ کو انجام دے چکے ہیں۔ دن رات بھاگ دوڑ کر کے معلومات اکٹھا کرنا، آمدہ معلومات کی تلخیص وتبییض کرنا، نئے سرے سے ترتیب وتہذیب دینا، کتابت کے مراحل سے گزارنا، پروف کی ریڈنگ کرنا وغیرہ۔ بہر حال مجھ خطا کار سے جو کچھ، جیسا کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہوسکا ہے، اپنی دانست میں بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

پہلا ایڈیشن ہونے کے ناطے ماہ وسال اور تاریخ کے تعلق سے غلطیوں سے انکار نہیں کرتا ہوں۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ ان سے آگاہ فرمائیں، تا کہ اگلے ایڈیشن میں

اصلاح ہو جائے۔

اب اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے موجودہ قائدین کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اس مبارک وعظیم عمل کی طرف توجہ مبذول کی، بلاننگ کی کے لیے میرا انتخاب کیا اور ہر گام پر میری حوصلہ افزائی، مسلسل سفر وحضر میں متابعت کی اور ممکنہ تعاون کے لیے خط وکتابت اور ملکوتی مکالمات کے ذریعہ متعلقہ لوگوں سے سفارش کی اور اپنی دعاؤں اور افکار عالیہ سے نوازتے رہے بالخصوص جمعیت کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی مدنی سلفی صاحب میرے شکر وسپاس کے بے حد مستحق ہیں جو اس تراجم کی اشاعت اور اسے وقیع وخوبصورت انداز میں پیش کرنے کے لیے بے چین رہا کرتے تھے، اور جن کی فکر مندی، توجیہات، گرانقدر آراء، مخلصانہ برتاؤ، نے میرے سمند شوق میں مہمیز کا کام کیا، میرے حوصلہ بلند کیے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے تاکہ ان کی زیرنگرانی مرکزی جمعیت ترقی کے منازل طے کرتی رہے۔

محتاج دعا

خالد حنیف صدیقی

ابو محمد ابراہیم آروی

(۱۸۴۸ء-۱۹۰۱ء)

مولانا ابو محمد ابراہیم آروی ملکی محلّہ آرہ کے ایک معزز گھرانے میں ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب ناظر عبدالعلی بڑے طبیب اور خطاط تھے، مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ پھر دیو بند اور علی گڑھ میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی۔ شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے حلقہ درس میں حدیث پڑھی۔

فراغت کے بعد اپنے وطن واپس آئے، اور مدرسہ احمد یہ کے نام سے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ مطبع خلیلی کے نام سے ایک بڑا چھاپہ خانہ کھولا۔

مدرسہ احمد یہ میں ہندوستان کے منتخب علماء درس دیتے تھے۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بہاری جیسے علماء اس مدرسہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

آپ نے عربی وفارسی ادبیات پر بہت سی کتابیں لکھیں، عربی صرف ونحو کے متعلق چار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ حدیث میں معلقہ اور طریق النجاۃ شائع کی، تفسیر خلیلی کے نام سے قرآن مجید کے چند پاروں کی تفسیر لکھی۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ سے منطق پر اردو میں ایک رسالہ لکھوایا۔

آپ نے تقریباً بیس کتابیں لکھیں۔ جن میں طریق النجاۃ (حدیث) تفسیر خلیلی، ترجمہ تفسیر ابن کثیر، تسہیل العلوم، تلقین الصرف، تہذیب الصرف، ارشاد الطلب الی علم الادب مشہور ہیں۔ آخر عمر میں ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں حالتِ احرام میں انتقال کیا۔

ابوبکر رحمانی

مولانا ابوبکر صدیقی رحمانی بن ہمت علی (عرف ملا جی ہمت)

۶-سداپرت لین، بیلدار پورا، نزد بھوپال ٹاکیز (مدھیہ پردیش)

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۷ء (قصبہ باڑی)

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد گرامی سلفی عقیدہ ومنہج کے حامل اور کتاب وسنت کے شیدائی تھے، تاحیات سلفی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہے۔ مولانا شہاب الدینؒ نے قصبہ باڑی اور اس کے اطراف سے کفر وشرک اور غیر اسلامی رسومات کی اصلاحی کوشش کی تو آپ نے ان کا بھر پور ساتھ دیا۔ اس علاقہ میں کتاب وسنت کی جو روشنی نظر آرہی ہے یہ انہیں حضرات کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کا ثمرہ ہے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم وتربیت مدرسہ محمدیہ باڑی میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ میاں صاحب (پھاٹک حبش خاں) میں داخلہ لیا۔ یہاں کے اساتذہ سے فیض اٹھا کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے ہم عصر وہم سبق طلباء میں مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا عبدالخالق رحمانی کھنڈیلوی، مولانا محمد داؤد راز اور مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری قابل ذکر ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد نائی کی منڈی آگرہ کے مدرسہ سے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر

مدرسہ محمدیہ (گوالیار) میں جوان دنوں مسجد اہلحدیث چاوڑی بازار میں قائم تھا تدریسی فریضہ انجام دیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر مدرسہ محمدیہ باڑی چلے گئے اور اپنے معمر اور بزرگ استاذ مولانا عبدالمجید دینانگری کی جائے تدریس سنبھالی۔

مدرسہ محمدیہ باڑی میں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا عبدالمجید (افریقہ) مولانا عبدالواحد (جاوا سماترا) مولانا مبارک (پروفیسر سید کالج کراچی) حکیم محمد انور (برہان پور) حکیم محمد زکریا (مالک ہمدرد دواخانہ مالیگاؤں) مولانا عبدالمجید (مالیگاؤں) قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں ہندوستانی درسگاہوں میں بیرون ملک کے طلباء بھی پڑھتے تھے۔

تنظیمی خدمات:

تقسیم وطن کے بعد آپ مع اہل وعیال ہجرت کر کے بھوپال آ گئے اور یہاں کے سلفی احباب مولانا خلیل عرب، پروفیسر عبید عرب، قاسم میاں جاگیردار اور سید عبدالمنان ایڈوکیٹ وغیرہم کے تعاون سے ایک مدرسہ بنام "ریاض السنہ" کی داغ بیل ڈالی اور دعوتی دورے کئے۔ آپ کے صاحب زادگان عبیدالرحمٰن وفا صدیقی اور عزیز الرحمٰن صدیقی کی کوششوں سے ایک عالیشان مسجد کی تعمیر عمل میں آچکی ہے، جو جماعتی مرکز بھی ہے۔ جس میں مستورات کے لیے نماز پنجگانہ پڑھنے کا بھی انتظام ہے، نیز چھوٹی بچیوں کا مکتب بھی قائم ہے۔

یہ سب مولانا ابوبکر صدیقیؒ کی کوششوں اور انکی تحریک کا ثمرہ ہے۔ دوسرے مقامات پر بھی مولانا کی اسی طرح کی ناقابل فراموش خدمات ہیں۔

ابوالخیر جھمکاوی

(۱۲۸۰ھ-۱۳۵۹ھ)

مولانا ابوالخیر بن مولانا عبدالرشید بن مولانا عبدالکریم بن مولانا عبدالہادی جھمکاوی۔

پیدائش: ۱۲۸۰ھ (بمقام دہلی)

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم وتربیت والدین سے حاصل کی۔ والدہ تعلیم یافتہ تھیں اس لیے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ کی۔ پھر دہلی کے دیگر مدارس میں داخل ہوکر اکتساب علم کیا۔ آخر میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درس میں شامل ہوکر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد وطن واپس آکر مدرسہ دارالسلام سکٹا میں تدریسی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے۔ آپ نے وہاں بخاری ومسلم کا درس دیا۔ آپ سے فیض یافتگان میں مولانا عبدالباری، مولانا بدرالدین جھمکاوی، مولانا عبدالستار، مولانا ریاض احمد بسنت پوری اور مولانا نظام الدین کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ آپ نے تاحیات کتاب وسنت کی تعلیم دی اور اسی حال میں ۱۳۵۹ھ کو مغربی چمپارن بی جمکا میں انتقال کیا۔

ابوسعید جھمکاوی

(۱۲۷۸ھ-.....)

مولانا ابوسعید بن مولانا عبدالرشید بن مولانا عبدالکریم بن مولانا عبدالہادی کی ولادت ۱۲۷۸ھ کو دہلی میں ہوئی اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد سے تربیت حاصل کرنے کے بعد اس دور کے علماء ومشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد واپس جھمکا لوٹ کر علاقہ میں دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کا بازار گرم کیا۔ آپ کی دعوتی خدمات بہت ہیں لیکن بدقسمتی سے معلومات بہت کم فراہم ہوسکیں۔

اپنی بستی کے قریب سکٹا نامی گاؤں میں ''دارالسلام'' نام کا ایک ادارہ بھی قائم کیا جو آج

بھی بچوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔ آپ ایک باکمال وباصلاحیت قرآن وحدیث کے عالم تھے۔ آپ کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہوکر بیشمار لوگوں نے اپنے عقیدہ ومنہج کی اصلاح کی۔ جن بزرگوں نے آپ کو دیکھا ہے آج بھی آپ کے ثنا خواں ہیں۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

محمد ابوصالح

(۱۸۵۲ء تا ۱۹۲۳ء)

مولانا محمد ابوصالح بن شیخ محمد گوہر علی بن محمد زماں

مقام وپوسٹ: بندھولی، تھانہ: جالہ، ضلع دربھنگہ (بہار)

تاریخ پیدائش: ۱۸۵۲ء موافق ۱۲۶۹ھ

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان شروع سے ہی صاحب علم اور دینی مزاج کا حامل رہا ہے۔ اسی بنا پر شیخ محمد گوہر علی نے اپنی اولاد میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو عالم دین بنے گا اسے اپنی جائیداد میں سے قیمتی زمین دی جائے گی اور جب مولانا محمد ابوصالح دہلی سے علم دین حاصل کر کے وطن واپس آئے تو آپ کے والد نے آپ کو اپنی زمین کا سب سے قیمتی ٹکڑا دیا۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہی ہوئی۔ اس کے بعد مظفر پور میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں تعلیم کی تکمیل کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ کی خدمت میں رہ کر حدیث، تفسیر، اصول حدیث، فقہ وغیرہ جملہ علوم کی سند

حاصل کی، حضرت میاں صاحب اپنے شاگردوں کو دو قسم کی سندیں عطا فرماتے تھے۔ ایک سند فراغت ہوتی تھی جو تمام طلباء کو دی جاتی تھی۔ دوسری سند سند نیابت ہوتی جو صرف مخصوص طلباء کو دی جاتی تھی جو آپ کے نائب متصور ہوتے تھے۔ سند خاص میں آپ علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا لحاظ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کو بھی سند خاص ملی تھی اور آپ کو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے بہار میں اپنا نائب متعین فرمایا تھا۔

قابل ذکر خدمات:

تعلیم ختم کرنے کے بعد آپ نے راجشاہی ضلع مالدہ میں درس وتدریس کا مشغلہ شروع کیا اور ایک عرصہ تک وہاں تعلیم وتدریس سے وابستہ رہے۔ کچھ دنوں تک آسنسول میں بھی بغرض درس وتدریس مقیم رہے، لیکن خرابی صحت کی بنا پر گھر پر مستقل سکونت اختیار کرلی اور کاشت پر گزراوقات کرنے لگے۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی صحت نے موافقت نہیں کی تو گھر پر بیٹھے بیٹھے بہت سی حدیث کی کتابوں پر حاشئے لکھے وہ کتابیں حافظ عبدالباری رحمانی کے پاس موجود تھیں جیسا کہ انہوں نے تاریخ بندھولی میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

دیگر خدمات:

آپ بے حد متشرع اور پرہیزگار تھے۔ آپ نے پہلے گھر اور خاندان کے افراد، پھر گاؤں اور علاقہ میں تبلیغ شروع کی۔ باقاعدہ بیت المال کی بنیاد ڈالی اور عشر وزکوٰۃ، فطرہ وچرم قربانی وغیرہ منظم کرکے دینی طریقہ پر اس کا استعمال کیا جس سے ضرورت منداصحاب کی مدد کی جاتی اور حاجت مندوں کو قرضہ بھی دیا جاتا تھا۔ آپ امارت کا کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار جب مولانا ابوابراہیم آروی نے چندہ کی

اپیل کی تو وصولی کے سلسلے میں مولانا لیاقت حسین امواوی بندھولی آپ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے مولانا لیاقت حسین امواوی سے دریافت کیا کہ آپ بیعت کر چکے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کی تو آپ کی یہ تمام دوڑ دھوپ بیکار ہے۔ اس کے بعد مولانا لیاقت حسین امواوی مولانا عبدالرحیم صادقپوری کے حلقہ امارت میں داخل ہوئے۔

وفات:

آپ نے ۲۸ر فروری ۱۹۲۳ء بمطابق ۱۲ر رجب ۱۳۴۱ھ میں بعمر ۷۱ سال اس دارفانی کو خیر باد کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (کلیم اشرف گوہر، دیورا بندھولی)

ابوالقاسم فیضی

(۱۹۲۱ء-۱۹۸۲ء)

مولانا ابوالقاسم بن محمد طیب بن سمیع اللہ

موضع: سوٹھ گاؤں، ضلع مدھوبنی، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۱ھ (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی فارسی کی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ مدرسہ محمدیہ عربیہ دیودھا میں بھی وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۸ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ:

مولانا محمد ریاست حسین (سوٹھ گاؤں) مولانا محمد احمد ناظم صاحب (مئو)، مولانا

عبداللہ شائق مئوی، مولانا عبدالرحمٰن مئوی، مولانا محمد اور مولانا محمد شفیع وغیرہم۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد جامعہ فیض عام میں ایک سال تک مسند درس پر فائز رہے۔ پھر یہاں سے مستعفی ہوکر مدرسہ دارالسلام (صدر بازاد دہلی) چلے گئے اور اپنے ماموں مولانا محمد سلیمان نیپالی کے ہمراہ تدریسی فریضہ انجام دینے لگے۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں بھی چند سال رہے۔ ۱۹۵۶ء میں دوبارہ جامعہ فیض عام تشریف لائے اور دو سال تک مصروف تدریس وتعلیم رہے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۲ء تک مدرسہ اسلامیہ راگھونگر بھوارا میں صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، اس دوران ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۲ء تک اشرف المشاغل کے طور پر صحیح بخاری شریف کا درس دیا۔

آپ علوم وفنون کے معدن، ماہر تعلیم اور ماہر فنون تھے۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، منطق، فلسفہ، نحو صرف، بلاغت و معانی، عروض وقوافی وغیرہ پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ دارالقضاء کا کوئی شعبہ تو قائم نہ تھا، لیکن روزانہ ہی مسائل معلوم کرنے کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ تحریری وتقریری دونوں طرح سے فتویٰ دیتے۔ بدقسمتی سے مسوّدات محفوظ نہ رکھ سکے۔

آپ بہت ذہین وفطین تھے۔، حافظہ بڑا قوی تھا جو چیز ایک مرتبہ پڑھ لیتے ذہن نشین ہو جاتی۔ سلیم الطبع اور سادہ مزاج تھے۔ ۱۹۷۵ء میں ''المعہد الاسلامی'' امگاؤں کا قیام آپ ہی کی کوششوں سے عمل میں آیا۔

تلامذہ:

آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو آپ سے مستفید ہوکر ملک وبیرون ملک دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا مفتی فیض الرحمٰن فیض، مفتی عبدالعزیز عمری، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا

شفیع احمد سلفی دوستیا، عبدالحمید رحمانی (سدھارتھ نگر) محمد قاسم سلفی (بھوارا) عزیز الرب فیضی (بھوارا) امانت اللہ سلفی، محمد عباس سلفی، ظہور احمد سلفی، نسیم اختر فیضی، محمد ایوب سلفی، منظور احمد مدنی، مولانا خورشید عالم مدنی دوستیا، عطاء الرحمٰن مدنی وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

المعہد الاسلامی کا قیام:

گاؤں میں کوئی تعلیمی ادارہ نہ تھا۔ آپ نے گاؤں اور علاقہ کے لوگوں کے تعاون سے ۱۹۷۵ء میں ''المعہد الاسلامی'' کا سنگ بنیاد رکھا جو آپ کی لافانی یادگار ہے۔ جہاں فی الوقت درجہ ثانویہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

مناظرہ:

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقۂ محمدیہ سے بڑی محبت تھی۔ خلاف شرع کسی عمل کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کئی مناظرے بھی کیے اور بحمد اللہ ہر جگہ فاتح بن کر لوٹے (۱) مناظرہ جدو کوھا بازار نیپال (۲) مناظرہ باسو پٹی (۳) مناظرہ ہرنیاں ہرلاکھی۔ یہ تینوں مناظرے بہت مشہور ہیں۔ جن میں بدعتیوں نے منہ کی کھائی اور ہزیمت وشکست سے دوچار ہوئے۔

انتقال:

۱۶/ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ بروز دوشنبہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ مولانا عبدالظاہر نے مدرسہ میں پڑھائی۔ پھر نعش گاؤں لے جائی گئی وہاں مولانا عبدالقیوم نے جنازہ کی امامت کی اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کیے گئے۔

آپ کے دو صاحبزادے مولانا عبدالقیوم اور مولانا عبدالباقی مدرسہ اسلامیہ بھوارہ سے فارغ التحصیل ہیں اور اپنے اپنے مجال کار میں مصروف عمل ہیں۔

سید ابو القاسم

(۱۹۲۴ء-۱۹۸۳ء)

نام ابو القاسم، اور والد کا نام محمد ذاکر حسین تھا۔ موضع چندن پٹی پوسٹ مجھولیا دایا لہریا سرائے ضلع دربھنگہ میں ۲ نومبر ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخلہ لیا اور بہار مدرسہ اگزامنیشن بورڈ سے فاضل کا امتحان پاس کیا۔

تحصیل علم کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاذ مقرر رہوئے۔ ۱۸/اگست ۱۹۷۷ء سے ۳۰/نومبر ۱۹۸۲ء تک پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہ کر سبکدوش ہوئے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ۲۷/اگست ۱۹۸۳ء کو حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ۲۰/اکتوبر ۸۳ء کو حج سے واپس ہونے کے چند دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ (تذکرہ علمائے بہار)

ابو القاسم خالد العربی

(۱۹۰۶ء-۱۹۹۲ء)

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۶ء۔ جائے پیدائش: جدہ (سعودی عرب)

اقامت گزیں: قصبہ بونت، ضلع بھدرک، اڑیسہ۔

ابو القاسم خالد العربی اصلا سعودی عرب کے باشندے تھے۔ آپ کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا آپ کی کوئی دیکھ ریکھ اور تعلیم و تربیت کرنے والا نہ تھا۔ جامعہ دار السلام عمرآباد کے بانی کا کا محمد عمر کسی غرض سے جدہ گئے تو وہاں آں موصوف سے ملاقات ہوئی۔ کا کا عمر نے آپ کو ہندوستان آنے کا مشورہ دیا چنانچہ وہ کسی صورت ممبئی پہنچے اور کچھ

عرصہ وہاں گزارنے کے بعد عمر آباد کا کا محمد عمر سے ملاقات کی۔ انہیں دنوں جامعہ دارالسلام کا افتتاح عمل میں آیا تو آپ نے داخلہ لیکر تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے دہلی پہنچ کر دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ وشیوخ سے خوب خوب استفادہ کیا۔ یہاں سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد جامعہ از ہر مصر میں داخلہ لیا اور وہاں کے شیوخ سے مستفید ہوئے۔ میڈیکل کالج ملتان سے ایل۔ایم۔پی ہومیو کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس لیے آپ اپنے نام سے پہلے H.M (یعنی حکیم مولوی) لکھتے تھے۔ علم دین اور طب وحکمت کی تعلیم کے بعد آپ نے دعوت وتبلیغ کو اپنا مشغلہ بنایا۔ دعوت وتبلیغ کا شوق آپ کو زمانہ طالب علمی سے ہی تھا۔ چنانچہ جامعہ دارالسلام کے دور طالب علمی ہی میں ہر ہفتہ دعوت وتبلیغ کے لیے مضافات میں جایا کرتے تھے۔

چنانچہ مختلف علاقوں میں دعوت وتبلیغ کرتے ہوئے ۱۹۳۰ء میں اڑیسہ کے ایک شہر بھدرک پہنچے۔ یہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد ضلع بھدرک کے قصبہ بونت پہنچے اور گھوم پھر کر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران بدعتیوں کی طرف سے آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں کے ایک بدعتی عالم مولوی مجیب الرحمٰن نے مناظرہ کی ٹھانی۔ آپ نے اس سے مناظرہ کیا اور شکست دی۔ اس سے متاثر ہوکر عوام نے جوق در جوق مسلک کتاب وسنت کو قبول کیا۔

احباب جماعت نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا آپ نے بھی وہیں شادی کر کے گھر آباد کرلیا اور پھر وہیں کے ہورہے۔ طب اور زراعت کو ذریعۂ معاش بنایا اور ساتھ ہی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔ وقفہ وقفہ سے جبینت گڑھ، جھوم پورا، کیندر پاڑا اور گو.جی درا کو اپنا دعوتی مرکز بنایا۔ آپ نے تحریری وتقریری دونوں طرح کے مناظرے کیے۔ آپ کے خلاف سازشیں رچی گئیں۔ آپ کے قتل کے منصوبے بھی بنے لیکن بلاخوف لومۃ لائم آپ نے اپنا مشن جاری رکھا۔

آپ نے ایک لمبی عمر پائی جس کا بیشتر حصہ خدمت دین اور کتاب وسنت کی نشرو اشاعت میں صرف کیا۔ صحیح معنوں میں آپ کتاب وسنت کے شیدائی اور مسلک سلف کے فدائی تھے۔ مسلک میں بے حد سخت تھے۔ حق بات کو ڈنکے کی چوٹ کہتے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت اور تقلید کا رد آپ کی زندگی کا اہم ترین مشن تھا۔

آپ صوبائی جمعیت اہل حدیث اڑیسہ کے امیر اور مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ آپ نے اپنے وطن بونت میں ''دار الکتاب والسنۃ'' کے نام سے دینی کتابوں کی نشر واشاعت کے لیے ایک مرکز قائم کیا تھا۔ جہاں سے اب تک چالیس سے اوپر کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس مکتبہ کو آپ کے اولاد واحفاد نے سنبھال رکھا ہے۔

تصنیف وتالیف:

آپ جہاں ایک خطیب ومقرر اور مناظر تھے۔ وہیں تصنیفی وتالیفی ذوق سے بھی مالا مال تھے۔ آپ کی تالیفات چالیس سے اوپر ہیں جن میں سے اکثر شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کی تعداد ذیل میں ہے۔

(۱) ندائے حق (۲) سیف التحقیق

(۳) کتاب التوسل

(۴) الصوت الھادی موسوم به ''تکمیل نماز''

(۵) کشف الباری فی احوال البخاری

(۶) جواهر الحدیث من احادیث صحیح البخاری

(۷) دعوت توحید وعقائد اہلحدیث

(۸) الفتح المنصور فی مناظره برهم پور

(۹) سفینة النجاة (۱۰) الشهاب الثاقب

(۱۱) احکام الصلوۃ (اول، دوم) (۱۲) نور الابصار

(۱۳) النداء قبل الجمعه (۱۴) الدین الحق ما یبین الحق و الباطل

(۱۵) اسلام اور عورت (۱۶) انتخاب الحدیث (اول، دوم)

(۱۷) ترغیب الصلوۃ (۱۸) مطرق الحدید

(۱۹) اعلاء النداء بان المسیح رفع الی السماء

(۲۰) الفاروق بین الخالق و المخلوق

۲۸/ اکتوبر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۰/ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ کو انتقال کیا۔ دوسرے دن آپ کے صاحب زادے طہٰ سعید خالد عمری نے نماز جنازہ پڑھائی اور بونت قصبہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

محمد احمد لہراوی

مولانا حکیم محمد احمد لہراوی کا قدیم نام بخشش احمد ہے، بلکہ عوام میں اسی نام سے مشہور تھے، مگر وہ اپنا نام محمد احمد لکھتے تھے، تذکرہ علمائے حال میں مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ کی فہرست میں آپ کا نام بخشش احمد ہی ہے۔

ان کی پیدائش لہرا میں ہوئی۔ ابتدائی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اہلحدیث مسلک کے مشہور علماء میں سے تھے۔ زہد و تقویٰ، سادگی، علم و فضل اور نیکی و بزرگی میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اتباع سنت اور پیروی سلف میں بہت آگے تھے۔ ان کی سسرال سکٹھی میں تھی۔ تذکرہ علماء مبارک پور کے مصنف لکھتے ہیں ''زمانہ طالب علمی میں پہلی بار میں نے ان کو وہیں دیکھا اور ان کی مجلس میں بیٹھا۔ اسی (۸۰) سال کے لگ بھگ عمر رہی ہوگی۔ پستہ قد، ہلکا پھلکا بدن، اونچا تہہ بند، نیچا کرتا، قوت سماع سے بڑی حد تک محروم ہو چکے تھے۔ آلہ مکبر الصوت ہر وقت ہاتھ میں لیے رہتے تھے اور دوسروں کی بات سنتے وقت اس کو اپنے کان پر رکھ لیا کرتے تھے۔ آواز نہایت پست تھی۔ بہت تیز چلتے تھے۔

کی، سب سے پہلے میں نے ان کو مغرب کی اذان کے بعد سنت پڑھتے ہوئے دیکھا ایک مرتبہ ایک رات میں نے لہرا میں گزاری اور مغرب کی نماز ان کی امامت میں ادا تھا۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں کسی مسافر کا لوٹا بھول کر لیتے آئے، یا وہ خود بھول گیا اور لقطہ کے طور پر اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ تقریبا بیس سال سے وہ لوٹا گھر میں رکھا ہوا ہے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا مالک تلاش کرتا آجائے تو اسے دے دیا جائے گا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے اور طالب علموں کی دینی تربیت پر خاص نظر رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ علم نحو وصرف میں ان کے دو رسالے ہیں، ایک ''الطریقۃ المرضیۃ'' عربی زبان میں اور دوسرا ''جامع النحو'' اردو میں۔ تقریبا اسی سال کی عمر میں راجہ پور سکرور میں پنج شنبہ ۱۵ر شوال ۱۳۶۸ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ (تذکرہ علمائے مبارکپور)

احمد اللہ املوی

مولوی احمد اللہ بن محمد اسماعیل بن عبداللہ بن حسام الدین املوی، مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں مدرس تھے۔ اکثر کتابیں مولانا شاہ محمد سریانوی سے مدرسہ منبع العلوم خیر آباد میں پڑھی تھی۔ بڑے نیک، متواضع اور سیدھے سادے بزرگ تھے۔ تکمیل نہ کر سکے۔ نہایت خوش خط تھے۔ کئی درسی کتابیں نقل کر کے پڑھتے پڑھاتے تھے۔ شعر وشاعری کا بھی نہایت ستھرا ذوق تھا، اردو اشعار کہتے تھے۔ فارسی کے نہایت اچھے عالم تھے۔ املو کے تمام ہی اساتذہ کے استاذ تھے۔ تقریبا سو سال کی عمر میں ۱۹ر فروری ۱۹۶۸ء (۱۳۸۸ھ) میں املو میں انتقال کیا۔

محمد احمد (ناظم)

(۱۸۹۲ء-۱۹۸۲ء)

مولانا محمد احمد (ناظم صاحب) بن حافظ عبدالغنی بن پیارے بن کھیدو

جائے پیدائش: محلہ قاسم پورا چو پھال، مئوناتھ بھنجن، مئو۔

تاریخ پیدائش: جمادی الاولی ۱۳۱۰ھ مطابق نومبر ۱۸۹۲ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ نجیب الطرفین تھے۔ آپ کا خاندان مئو کا ایک معزز، دیندار اور شرافت میں مشہور خاندان تھا۔ آپ کے والد جید حافظ قرآن، غیرت مند انسان اور عندالناس مقبول ومحبوب تھے۔ بڑے والد حاجی محمد علی اور خاندانی چچا حاجی ولی محمد بڑے صاحب وجاہت وثروت اور صاحب دل رئیس تھے۔ یہ تمام لوگ ملا حسام الدین اور حافظ عبداللہ غازی پوری کی دعوت وتحریک پر اہلحدیث ہوئے، جن سے مئو شہر میں مسلک کتاب وسنت کو بڑی قوت ملی اور اشاعت وفروغ حاصل ہوا۔ تحریک شہیدین سے بھی اس خاندان کا تعلق رہا۔

تعلیمی مراحل:

چونکہ مئو کے مشرقی حصہ میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا۔ بچے لوگوں کے گھروں میں پڑھنے جاتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق ناظم صاحب نے بھی ایک بزرگ میاں اسحاق کے پاس ان کے گھر جا کر پڑھنا شروع کیا اور قاعدہ بغدادی وناظرہ قرآن کی تکمیل کی۔ جب دارالعلوم مئو کا قیام عمل میں آیا تو وہاں داخلہ لیکر مولانا عبدالرحمٰن سے اردو اور ابتدائی فارسی وعربی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اسی سال شوال ۱۳۲۰ھ میں جامع مسجد چوک پر مدرسہ فیض عام (جس کا نام اُس وقت "مدرسہ اسلامیہ" تھا) کا قیام عمل میں آیا اور حافظ عبداللہ غازی پوری نے اس کا افتتاح فرمایا۔ تو آپ نے داخلہ لیا اور "بڑے مولوی صاحب" مولانا محمد احمد بن ملا حسام

الدین سے گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، یوسف زلیخا، ابوالفضل، بہار دانش، مینا بازار وغیرہ فارسی کتب اور عربی میں میزان منشعب سے لے کر شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔

پھر آپ نے بنارس کا قصد کیا اور وہاں مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں داخلہ لے کر اکتساب علم کیا۔ ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالرشید کانپوری و مولانا اسحاق وغیرہ سے پڑھا۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ احمدیہ آرہ میں داخلہ لیا اور مولانا عین الحق و مولانا عبدالنور سے مطول، ملاحسن اور دیوان حماسہ وغیرہ کتب درسیہ کی تعلیم حاصل کی۔

گھر والے مزید تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ بن رہے تھے، اس لیے گھر والوں سے اجازت لیے بغیر ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور معقولات و منقولات کی منتہی کتابیں پڑھیں، مولانا محمود الحسن دیوبندی سے صحیح بخاری و جامع ترمذی، مہتمم صاحب اور مولانا انور شاہ کشمیری سے صحیح مسلم، مولانا شبیر احمد عثمانی سے ابوداؤد، مولانا حسین احمد مدنی سے بیضاوی، مولانا غلام رسول سے صدرا، شمس بازغہ، شرح چغمینی وغیرہ کتب معقولات پڑھیں اور ۱۳۳۱ھ میں درس نظامیہ کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان کی مارکشیٹ میں آپ کا محصلہ نمبر پچانوے فیصد مندرج ہے۔

تجارت:

چونکہ آپ خاندان کے پہلے عالم تھے اس لیے بڑی قدر دانی ہوئی۔ گھر کے لوگوں نے کتب بینی اور مطالعہ کے خوب مواقع فراہم کیے۔ ساتھ ہی اپنے تجارتی فرم اور کاروبار کی نگرانی کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ اور بعد میں شریک و حصہ دار بھی بنا لیا۔

نظامت:

۴۲-۱۳۴۱ھ میں آپ کو مدرسہ فیض عام کا ناظم بنایا گیا۔ چنانچہ آپ تادم واپسیں (۶۱ سال تک) ناظم مدرسہ کی حیثیت سے رہے۔ آپ نے اس عرصہ میں بڑے نشیب و فراز دیکھے، لیکن پیکر وفا بنکر اسکی جو آبیاری کی اس کا ثمرہ آج لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے۔

اخیر میں کاروبار تجارت سے بالکل الگ تھلگ ہوکر، ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا۔ شب روز مدرسہ ہی میں رہ کر تعلیم سے لے کر مطبخ تک کے سارے انتظامات کی نگرانی اور حساب وکتاب خود کرتے اور لکھتے اور یہ سارا کام حسبۃ للہ انجام دیتے رہے۔

درس وتدریس:

آپ نے فراغت کے بعد علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، لیکن مادر علمی (فیض عام) کی خدمت کے پیش نظر ایک دو کتابیں برابر پڑھاتے رہے۔ طلبہ آپ کے گھر بھی پڑھنے کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

مدرسہ فیض عام کی خدمات:

جب آپ مدرسہ کے ناظم بنے اس وقت مدرسہ کا نام ”مدرسہ اسلامیہ“ تھا۔ مسجد کے فرش اور اس سے ملحق تین کمروں پر مشتمل تھا۔ جس میں ایک دو اساتذہ اور چند طلباء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے نظامت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی ۱۶/نومبر ۱۹۳۴ء کو ایک وسیع قطعہ آراضی خرید کر شاندار لمبی چوڑی درسگاہیں بنوائیں اور مدرسہ کو مسجد سے یہاں ۱۹۵۰ء میں منتقل کردیا اور نام ”مدرسہ فیض عام“ رکھا۔ بعد میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے معادلہ کرایا۔

مدرسہ کے لیے مستقل ذرائع آمدنی پیدا کرکے خود کفیل بنانے کے لیے ذمہ داران جماعت ومدرسہ کے تعاون سے صدر چوک کے شمال مشرق میں وسیع وعریض پلاٹ خرید کر دوکانیں بنوائیں۔

عصری علوم وفنون کی تعلیم دلانے کے لیے ۱۹۴۱ء میں مسلم انٹر کالج کی بنیاد رکھی۔

بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ۱۹۸۰ء میں مدرسہ البنات (فیض عام گرلس اسکول) قائم کیا جس کا افتتاح مولانا مختار احمد ندوی نے یکم جنوری ۱۹۸۳ء میں کیا۔

فیض عام کے کتب خانہ میں درسی کتابوں کے علاوہ کتب مراجع وماخذ کا اتنا بڑا گراں قدر ذخیرہ جمع کردیا جو آج اپنی مثال آپ ہے۔ پرانی کتابوں کا وافر مقدار میں اتنا بڑا ذخیرہ

کے کسی مدرسہ کے کتب خانہ میں نہیں ہے۔

جماعت کے کسی مدرسہ کے کتب خانہ میں نہیں ہے۔ جامع مسجد فیض عام کی تعمیر کے لیے بڑی جدوجہد کی، بالآخر کامیابی ملی، لیکن سنگ بنیاد رکھے جانے سے قبل ہی وفات پاگئے۔ آپ کی تاریخ وفات ۲۴ر فروری ۱۹۸۲ء ہے اور سنگ بنیاد رکھے جانے کی تاریخ ۲۳ر مئی ۱۹۸۲ء ہے۔

دیگر خصوصیات:

آپ ملی و جماعتی کاز میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔ آپکی دور بینی اور دوراندیشی کے سبھی قائل تھے۔ سحر خیزی آپ کی فطرت تھی۔ قرآن و تفسیر سے خاص صور پر اشتغال تھا۔ ابتداء ہی سے محنتی اور جفاکش واقع ہوئے تھے۔ وفات کے وقت عمر ۹۰ سال کی تھی، لیکن پھر بھی نہ کوئی روزہ چھوٹا اور نہ تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھی۔ طبعاً نہایت خاموش طبیعت کے تھے۔ زیب و زینت اور تکلفات سے بے پرواہ تھے۔ صبر وضبط آپ کا نمایاں وصف تھا۔ قناعت واستغناء رگ وریشے میں سمائی ہوئی تھی۔ انتہائی خلیق وملنسار تھے، اس لیے آپ کے دوستانہ مراسم بھی بہت لوگوں سے تھے۔

انتقال:

۲۳ر فروری ۱۹۸۲ء کو حسب معمول ۱۰ بجے رات تک دفترِ مدرسہ میں کام کیا۔ ۱۱ بجے غسل خانہ میں گئے اور وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ فالج کے شدید حملہ سے دماغ متاثر ہوا اور تادم واپسیں ہوش میں نہ آئے۔

دوسرے دن چہار شنبہ ۲۴ر فروری مطابق ۲۹ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ سوا دس بجے مادر علمی کی آغوش میں جان عزیز اس پر فدا کر دی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تھا ہجوم قدسیاں مسعود جس دم آہ ایک آئی + ساعت، جان بھی کر دی فدائے فیض عام

۱۹۸۲ء

دوسرے دن بروز پنجشنبہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان (کھیتھمل پوکھرا) میں سپرد خاک ہوئے۔

ارادت حسین خاں سعیدی

مولانا ارادت حسین سعیدی بارہ گاؤں کے مولانا ولی محمد کے بعد فارغ التحصیل ہیں اور سند فراغت مسجد و مدرسہ سعیدیہ پل بنگش دہلی سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم بارہ میں حاصل کی اور اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کا رخ کیا۔ اول تا آخر مدرسہ سعیدیہ میں تعلیم حاصل کی اور ان ہی کی کدوکاوش کی وجہ سے گاؤں بارہ پچھم محلّہ میں پانچ چھ لوگوں نے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ بارہ میں لوگوں کے اندر دینی تعلیم کا رجحان پیدا کرنے میں اور لوگوں کو دینی معلومات کے سلسلے میں اچھا خاصا ان کا رول رہا۔

تقسیم ہند کے بعد مولانا پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں جانے کے بعد بھی وطنِ مالوف بارہ کی یاد ان کے دل میں رہی اور آخر کار پاکستان ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تاریخ پیدائش و وفات محفوظ نہیں رہی۔

محمد اسحاق رحمانی

(۱۹۱۵ء-۱۹۸۸ء)

مولانا محمد اسحاق بن فتح محمد (عرف دریاون) بن محمد سردار

سند میں مندرج تاریخ کے اعتبار سے تاریخ پیدائش ۱۹۱۵ء ہے۔ موضع چیونٹھوا ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) یوپی میں پیدا ہوئے۔ یہ موضع بسکوہر بازار سے شمال میں ۳-۴ کلو میٹر کی دوری پر بوڑھی راپتی کے پار واقع ہے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مکتب اسلامیہ میں مولانا شمس الدین صاحب سے (جو موضع

بھرولیہ کے رہنے والے تھے) حاصل کی۔ بسکوہر بازار کے مدرسہ میں داخلہ لے کر ۳ سال میں پرائمری کورس مکمل کیا۔ پھر سدھارتھ نگر کے مشہور ومعروف گاؤں موضع بیت نار کے قریب موضع دریاؤ بخش (بلوا) میں مولانا خلیل احمد بسکوہری سے ۲ سال تک پرائمری درجات کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا خلیل صاحب بسکوہر آ گئے تو یہ بھی بسکوہر آ گئے اور یہاں مولانا موصوف اور عبدالغفور بسکوہری سے ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی۔

سن ۱۹۳۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لیا۔ یہاں اپنے پرانے استاد مولانا خلیل بسکوہری سے قواعد کی ابتدائی کتابیں میزان منشعب، کتاب الصرف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے مولانا خلیل صاحب ۱۹۳۰ء میں انتری بازار چلے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ وہاں مولانا موصوف اور مولانا بسکوہری سے تقریباً تین سال تک عربی کی ابتدائی کتب کا درس لیا۔ (ان دنوں مولانا عبدالغفور بسکوہری بھی بسکوہر چھوڑ کر وہیں چلے گئے تھے) پھر آپ نے دوبارہ سراج العلوم جھنڈانگر آ کر جماعت خامسہ میں داخلہ لیا اور جلالین، سنن ترمذی، مقامات حریری، متنبی وسراجی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۳۲ء میں مولانا بسکوہری دارالحدیث رحمانیہ میں چلے گئے تو یہ بھی ان کے ساتھ دہلی گئے اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جماعت سادسہ میں داخلہ لیا اور سن ۱۹۳۴ء میں فراغت حاصل کی۔ پھر ۱۹۳۵ء میں لکھنؤ میں تکمیل الطب کا کورس مکمل کیا۔

مشہور اساتذہ:

جامعہ سراج العلوم کے اساتذہ میں: مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا خلیل احمد بسکوہری، اور مولانا عبدالرحمٰن کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے اساتذہ میں: شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا عبدالرزاق، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا عبدالسلام، مولانا شریف اللہ، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا نذیر احمد رحمانی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

تعلیم وتدریس:

آپ نے فراغت کے بعد کبھی کسی مدرسہ میں بحیثیت مدرس تعلیم نہیں دی۔ گاؤں کے مدرسہ کے بچوں سے بڑا لگاؤ تھا انکی برابر دیکھ بھال رکھتے۔ ان سے سوال وجواب کرتے اور کبھی درس بھی دیتے۔

تعلیمی خدمات:

آپ دینی، دعوتی وتبلیغی کاموں میں تاحیات پیش پیش رہے۔ آخر عمر تک بلا کسی عوض کے امامت وخطابت کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔ آج مدرسہ فیض محمدی بسکو ہر بازار، مدرسہ محمدیہ بسکو بازار اور گاؤں کا مدرسہ جہاں تعلیمی عمل جاری ہے، یہ آپ کی کوششوں کا ثمرہ، یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں۔ گاؤں میں اہل علم کی کثرتِ تعداد آپ ہی کی کدوکاوش کا نتیجہ اور لگائے ہوئے پودے کے ثمرات ہیں۔

رفاہی خدمات میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ کوئی مریض آتا تو اس کے لیے نسخہ تجویز کرتے اور بلا معاوضہ اس کے لیے خود ہی دوا بنا کر دیتے تھے۔

رفقاء و اصدقاء، اعزہ واقرباء سے بڑا لگاؤ رکھتے، بکثرت انکی زیارت کرتے اور خیریت معلوم کرتے۔ مولانا محمد حسن رحمانی (اونرہوا) مولانا محمد زماں رحمانی (انتری بازار) سے بڑی محبت کرتے تھے۔

دعوتی خدمات:

آپ فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ سے جڑے اور تاحیات اسی فریضے کو انجام دیتے رہے۔ مولانا اظہر حسین مسلم بہاریؒ اپنے گاؤں اودئی پور سے آتے تو ان کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے لیے نکل پڑتے۔ گاؤں گاؤں دورہ کرتے۔ مسجد میں نماز پڑھ کر مصلیوں سے گاؤں کے لوگوں کے عقیدہ وعمل کے بارے میں معلومات کرتے اور ان پر تبلیغ کرتے۔ آج چیونٹہوا اور مضافات تلوک پور، سکھاڈیہہ، ڈنگہر، جھوّوا، پنل ڈیہہ، حاجی ڈیہہ وغیرہ گاؤں

میں مسلک کتاب وسنت پر عامل لوگ جو نظر آرہے ہیں، اور مدارس ومساجد کی جو قطار نظر آرہی ہے، دارالحدیث رحمانیہ کے اسی پروردہ وپرداختہ شخصیت کی انتھک کوششوں کا ثمرہ ہے تقبل اللہ مساعیہ وجھودہ.

اولاد واحفاد:

آپ نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ایک بچی نجم النساء پیدا ہوئی جو ماشاء اللہ موضع بلورا میں بیاہی ہوئی تھیں۔ دوسری اہلیہ جو موضع بیت نار کی تھیں ان سے ایک لڑکا اجمل اور ایک لڑکی فاطمہ خاتون پیدا ہوئی۔ فاطمہ دودھونیاں میں بیاہی ہیں اور بال بچوں والی ہیں۔ تیسری اہلیہ سسوا بلرام پور کی ہیں جن سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ مقبول احمد، اقبال احمد، صہیب احمد، خبیب احمد، عبدالنور اور ریحانہ خاتون۔ سبھی صاحب اولاد ہیں۔

محمد اسماعیل

مولانا محمد اسماعیل بن سید سلامت حسین

آپ ۱۸۹۹ء میں رائے درگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد سید سلامت حسین سے حاصل کی۔ مزید اعلی تعلیم کے حصول کے لیے مولانا محمد عمر کرنولی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور علوم متداولہ اور مروجہ سے فراغت حاصل کی۔ پھر اپنے دور کی عظیم درسگاہ "مدرسہ غزنویہ" امرتسر میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ مولانا فقیر اللہ پنجابی اور علامہ عبدالغفور غزنوی سے بھی شرف تلمذ رہا۔

آپ بڑے ذھین وفطین تھے۔ مناظرانہ اور خطیبانہ دماغ رکھتے تھے۔ قیام امرتسر کے دوران دروس قرآن وحدیث آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ بخاری ومسلم کی اکثر احادیث ازبر تھیں۔ اسماء الرجال پر آپ کی سخت گرفت تھی۔ جس وقت آپ امرتسر میں تھے شدھی سنگٹھن تحریک زوروں پر تھی۔ اس تحریک کے رد میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہزارہا

مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچایا۔

امرتسر سے واپس آکر ۱۹۷۶ء میں رائیدرگ میں جامعہ محمدیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور خود مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کا افتتاح کیا اور تحریک اہلحدیث کی توسیع و اشاعت میں لگ گئے۔ آپ کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں مدرسہ نے خوب ترقی کی اور رائیدرگ کتاب وسنت کی فوجی چھاؤنی بن گیا۔ ایک طرف جامعہ کے اساتذہ کی محنت دوسری طرف آپ کی شخصیت نے جماعت اہلحدیث کو چار چاند لگادیئے۔ ہزار ہا افراد آپ کے ہاتھوں پر شرک وبدعت سے تائب ہوکر جماعت اہلحدیث کے زیر سایہ آگئے۔

آپ آغاز شعور ہی سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس ہند سے وابستہ ہوگئے تھے۔ اس کے مختلف اجلاسوں میں شرکت کی اور کافی عرصہ تک اس کے شوریٰ کے ارکان میں سے تھے۔ مولانا عبدالوہاب آروی صدر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے ساتھ اور تنہا بھی آندھرا، کیرالہ اور کرناٹک کا دورہ کیا۔ نوگڑھ کانفرنس میں شرکت کے لیے جو وفد گیا تھا اس کی قیادت آپ ہی نے فرمائی تھی۔

رائے درگ کی جامع مسجد جو اہل حدیث اور غیر اہل حدیث کے درمیان مشترک تھی اس کے خطیب آپ ہی تھے۔ بعد میں جب اختلاف رونما ہوا تو جماعتی مسجد کی تعمیر کے لیے الگ ایک کشادہ زمین کی خرید کی اور لوگوں کے تعاون سے عالیشان مسجد کی تعمیر کی جو آج اشاعت توحید کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

جماعت اہل حدیث رائے درگ کے عظیم ستون اور جماعت اہلحدیث جنوبی ہند کے اس معمار، کفر وضلالت کے ماحی اور کتاب وسنت کے شیدائی، جامعہ محمدیہ عربیہ کے مؤسس نے ۸۳ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔ آپ اسم با مسمّیٰ تھے۔ جماعت اہلحدیث کے لیے گوناگوں قربانیاں دیں۔ مقدمات لڑے۔ مناظرے کیے۔ دشمن جان کے لالے پڑے۔ قتل کی سازشیں ہوئیں۔ لیکن آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں پیدا ہوئی۔ آپ کے انتقال سے جماعت اہلحدیث کا ایک باب ختم ہوگیا۔

محمد اشرف ڈیانوی

(۱۸۵۸ء تا ۱۹۰۸ء)

شیخ محمد اشرف بن امیر علی صدیقی ڈیانوی، مولانا شمس الحق محدث صاحب عون المعبود کے حقیقی بھائی تھے۔

۲۷/ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں ولادت ہوئی۔ اپنے بھائی شمس الحق کے ساتھ مولوی عبدالحلیم شیخ پوروی، مولوی لطف علی بہاری، مولانا فضل اللہ بن نعمت اللہ لکھنوی اور قاضی بشیر الدین قنوجی سے تعلیم حاصل کی، حدیث کی تعلیم سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی۔ ان کے ساتھ بہت زمانہ تک رہے، اور عبادت وافادہ میں مشغول رہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے ان سے عظیم آباد میں ملاقات کی۔

ان کا رسالہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام ہے۔

۱۵/محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ڈیانواں میں وفات پائی۔ (تذکرہ علمائے بہار)

اشرف علی صادقپوری

(۱۸۴۳ء تا ۱۹۰۸ء)

مولانا اشرف علی کے والد کا نام مولانا احمد اللہ صادق پوری تھا، آپ کی ولادت ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء میں ہوئی۔ آپ نے درسیات اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی حکیم مولانا عبدالحمید اور اپنے چچا مولانا فیاض علی سے پڑھیں، درسیات کی تکمیل کے لیے اپنے چچا کے ساتھ افغانستان تشریف لے گئے۔ لیکن جب وہاں اپنے مقصد میں کامیاب نظر نہ آئے تو دہلی میں مفتی صدر الدین کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے کچھ مباحث کی تعلیم حاصل کی، پھر

مولانا سلامت اللہ کانپوری کی خدمت میں تشریف لے گئے اور چند مشکل مباحث پر بحث کیا، اور استفادہ کیا۔ پھر جونپور میں مفتی یوسف فرنگی محلی مدرس اول مدرسہ شاہ عباد اللہ کے پاس پہنچے، اور کچھ عرصہ تک مسائل عقلیہ وفقہیہ کی مشق کی۔ مفتی صاحب کل فتاویٰ آپ سے لکھواتے، اور فرماتے تمہارا علم مجھ سے ہرگز کم نہیں ہے۔ لکھنؤ میں قیام کے زمانہ میں طب کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس میں مہارت حاصل کی۔ پھر علوم مغربیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس میں مہارت حاصل کی، فراغت کے بعد مختلف کالج اور سرکاری اسکولوں میں ملازمت کی۔ بعد میں ملازمت ترک کردی اور درس وتدریس کا مشغلہ شروع کیا۔ بہتیرے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔

۲ر شوال ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۸ء بروز شنبہ وفات پائی۔ (تذکرہ علمائے بہار)

حکیم محمد اصغر

مولوی حکیم محمد اصغر بن شیخ قاری محمد علی بن حافظ عبدالرحیم بن حاجی بہادر، ساکن محلہ پورہ صوفی، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے برادر زاد اور ان کے تلمیذ رشید تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کرکے مدرسہ احیاء العلوم میں مولانا محمد محمود معروفی سے پڑھا، جو شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن محدث کے تلمیذ تھے۔ اس کے بعد اپنے چچا مولانا عبدالرحمٰن محدث کے ساتھ ساتھ رہے اور مختلف مقامات ومدارس میں ان سے پڑھتے رہے۔ چنانچہ ان کے ہمراہ آرہ، پٹنہ، کلکتہ، گونڈہ وغیرہ میں رہے۔

فراغت کے بعد مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں اردو، فارسی اور عربی کے مدرس ہوئے اور پوری زندگی اس سے وابستہ رہے۔ قد دراز، جسم دبلا پتلا اور نہایت کم سخن، سیدھے سادے بزرگ تھے۔ پوری زندگی معمولی تنخواہ پر صبر وقناعت کے ساتھ بسر کی۔ طب وحکمت سے بھی واقف تھے اور انکے علاج سے بہت سے مریضوں کو فائدہ ہوا۔ ان کے والد قاری

محمد علی نے قرأت وتجوید کی تعلیم اپنے والد حافظ عبدالرحیم اور قاری عبدالرحیم سے حاصل کی تھی۔ مولوی محمد اصغر صاحب بہترین جلد ساز تھے۔ یہ فن انہوں نے قیام کلکتہ کے دوران سیکھا تھا۔ ۱۳۴۶ھ میں انتقال کیا اور آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ علمائے مبارکپور)

محمد اقبال رحمانی

(۱۹۱۹ء۔۱۹۸۲ء)

مولانا محمد اقبال رحمانی بن عبدالستار بن محمد اشرف خاں۔

ساکن: بونڈیہار، پوسٹ بسکھیاں، ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۹ء۔

آپ عرف عام میں ''بڑے مولانا صاحب'' کے نام سے مشہور تھے۔

مدرسہ کا علمی ماحول:

آپ کی پیدائش کا زمانہ وہ زمانہ ہے جبکہ اس بستی کے لوگ شرک وبدعات سے تائب ہو چکے تھے، گھروں میں چراغ توحید جل رہا تھا۔ کیونکہ محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے ۱۹۰۷ء میں مدرسہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۰۷ سے ۱۹۱۰ تک اس مدرسہ کی نظامت فرمائی۔ پھر ۱۹۱۱ سے ۱۹۱۴ تک مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے اور ۱۹۱۵ سے ۱۹۱۶ تک مولانا محمد سلیمان مئوی نے نظامت سنبھالی اور اپنے فیوض وبرکات سے مدرسہ اور علاقہ کو مستفید فرمایا پھر دوبارہ ۱۹۲۴ سے ۱۹۳۰ تک مدرسہ کی دیکھ ریکھ فرمائی۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ، ۱۹۱۷ سے ۱۹۲۴ تک برابر مدرسہ پر آتے جاتے رہے اور گرانقدر مشوروں اور خطابات سے مستفید فرماتے رہے۔ جسمانی طور پر آپ کا وجود گرامی ہی کیا کم تھا۔

تعلیمی مراحل:

آپ بلا کے ذہین وفطین تھے۔ آغاز تعلیم ہی میں عربی کا قاعدہ پڑھنے کے بعد صرف ۲۹ دنوں میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ کر ختم کرلیا۔ اور ۱۲۔۱۳ سال کی عمر ہی میں پرائمری درجات سے لیکر فارسی کا دوسالہ کورس اور عربی کی جماعت اولی تک کی تعلیم مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مکمل کرلی۔

آپ کا یہ پورا تعلیمی دور مکمل طور پر مولانا محمد سلیمان مئوی اور آپ کے ماموں ومربی مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب کے زیر سایہ ونگرانی گزرا۔ کیونکہ ۱۹۲۴ سے ۱۹۳۰ تک مولانا مئوی اور ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۹ تک حکیم محمد یسین منصب تعلیم وتربیت ونظامت کے عہدۂ علیا پر فائز تھے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی:

۱۹۳۳ میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ میں جماعت ثانیہ میں داخلہ لیا اور ستمبر ۱۹۳۹ء میں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی سے سند فراغت واجازت حاصل کی۔ آپ نے کل ملاکر صرف دو درسگاہوں سے تعلیم کی تکمیل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

جامعہ سراج العلوم کے اساتذہ: ماموں حکیم مولانا محمد یٰسین، مولانا زین اللہ (کنڈؤ) مولانا عبدالغفور بسکوہری۔ مولانا محمد سلیمان مئوی قابل ذکر ہیں۔

دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ: شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی۔ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی۔ مولانا اصحاب اللہ سرحدی (عرف بابا) مولانا عبدالعلیم سرحدی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

سراج العلوم بونڈیہار اور مولانا رحمانی:

جامعہ رحمانیہ سے ۲۰ سال کی عمر میں وطن واپسی کے بعد مولانا حکیم محمد یٰسین (جو اس

وقت ناظم تھے) اور جملہ ذمہ داران مدرسہ نے آپ کی سنجیدگی، متانت، حسن تدبیر اور انتظامی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر مدرسہ کی پوری ذمہ داری آپ کو سونپ دی۔ مولانا بھی بزرگوں کے اندازے پر کھرے اترے اور تادم واپسیں (یعنی ۱۹۴۰ء سے تاوفات ۱۹۸۲، پورے ۴۳ سال) اس مدرسہ کی خدمت میں اپنی پوری زندگی صرف کردی اور جامعہ کو بام عروج تک پہنچایا۔

شروع میں آپ بحیثیت مدرس و معلم رہے۔ بعد میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ادارت واہتمام کو بھی سنبھالا۔ پھر ۱۹۷۵ میں اس وقت کے ناظم جامعہ عبدالمعید خاں صاحب کے انتقال کے بعد مکمل طور سے آپ کو تمام تر ذمہ داری سونپ دی گئی۔

مشہور تلامذہ:

آپ نے تاحیات بلوغ المرام کا درس دیا۔ آپ کا تدریسی، تعلیمی و تنظیمی دور طویل ہے اس لیے تلامذہ کی ایک لمبی قطار ہے، ان میں معدودے چند معروف تلامذہ کے اسماء یہ ہیں۔

مولانا محمد عمر رحمانی (بونڈیہار) مولانا عبدالحمید رحمانی (جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی کے فاونڈر) مولانا عبدالسلام رحمانی۔ (ریکٹر مدرسہ ہذا) مولانا ضمیر احمد مدنی (کنڈؤ) بلرام پور، مولانا عزیز احمد ندوی (پرنسپل جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج) مولانا عبدالسلام مدنی (استاد جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا محمد امین ریاضی (فاونڈر مدرسہ عائشہ) ممبئی۔ مولانا ابوالبرکات اصلاحی۔ (بونڈیہار) مولانا فضل الرحمٰن مدنی (استاد و مفتی جامعہ محمدیہ۔ مالیگاؤں)۔ قاری ابوالقاسم فیضی (تکریا، سدھارتھ نگر) ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن مدنی (فاونڈر جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج) مولانا زین العابدین (پرنسپل اتحاد ملت اٹوا بازار)۔ ڈاکٹر عزیز الرحمٰن ازہری (دہلی)، مولانا امر اللہ رحمانی۔ مولانا ابو العاص وحیدی (پرنسپل قاسم العلوم گلرہا، بلرام پور) مولانا عبدالمعید علی گڑھ (مدیر ماہنامہ الاستقامہ (عربی مجلّہ، دہلی) وغیرہم۔

ان کے علاوہ کتنی تعداد ہے؟ وما یعلم جنود ربک الا ھو.

تصنیفی وتالیفی خدمات:

درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ساتھ تصنیفی وتالیفی صلاحیت بھی مولانا کے اندر بھر پور موجود تھی، شروع میں بعض مضامین وغیرہ لکھے، لیکن کثرت مشاغل اور مدرسہ کی نظامت اور ذمہ داری کے بوجھ تلے ایسے دبے رہے کہ اس طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا۔ تاہم آپ نے تصنیف وتالیف کرنے والوں کی ایسی ٹیم تیار کردی جو مولانا کی صلاحیتوں کے نمایاں مظہر ہیں۔ راقم الحروف (خالد) نے مولانا کو کبھی منبر ومحراب یا کانفرنس کے اجلاس میں تقریر کرتے نہیں سنا۔

جماعتی خدمات:

جماعت اہلحدیث کے اعتقادی وفقہی نقطۂ نظر سے والہانہ شغف تھا۔ چنانچہ شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف تحریکوں کے دام فریب میں کبھی نہیں پھنسے اور نہ ہی مرعوب ہوئے۔ تاحیات مسلکِ سلف پر قائم رہے۔ اور کتاب وسنت کے تحفظ دفاع میں پیش پیش رہے۔

۱۹۶۱ میں جمعیت اہلحدیث بستی وگونڈہ کے زیر اہتمام چہار روزہ نوگڑھ کانفرنس کے انعقاد میں بھر پور حصہ لیا۔ آپ کا نام بھی ان سرفہرست لوگوں میں ہے جنکی کوششوں سے کانفرنس کامیاب ہوئی۔ اور جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جامعہ سلفیہ کی مجلس شوری کے رکن رہے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے۔ اس کے ساتھ ۱۹۸۰ تک ضلعی جمعیت اہلحدیث گونڈہ (موجودہ بلرام پور) کے نگراں، مربی وصدر رہے۔ آپ کے ہی دور صدارت میں ۱۹۶۸ء میں جمعیت اہلحدیث گونڈہ کے زیر اہتمام تلسی پور میں عظیم الشان سہ روزہ صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی۔

مولانا کم گو واقع ہوئے تھے۔ بڑے خلیق وملنسار تھے۔ شیخ الحدیث شارح مشکوۃ کے محبوب ترین شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ الحدیث آپ کی بڑی قدر کرتے اور بڑی عزت واحترام سے پیش آتے تھے۔

انتقال پر ملال:

آپ نے بیماری کی حالت میں بھی رمضان المبارک ۱۴۰۲ ہجری کا پورا روزہ رکھا۔ ۷/اگست ۱۹۸۲ کو اہلیہ کے ساتھ ممبئی پہنچے۔ ۱۴/اگست کو سعودی عرب گئے۔ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ اچانک طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، دل کے مریض پہلے سے تھے ہی، چنانچہ مکہ مکرمہ کے ''ظاہر اسپتال'' میں داخل کردیئے گئے اور اسپتال ہی میں ۳۱/اگست ۱۹۸۲ مطابق ۱۳/ذی قعدہ الحرام ۱۴۰۲ھ بروز سہ شنبہ (منگل) بعمر ۶۳ سال انتقال فرمایا۔ اور جنۃ المعلاۃ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ اللھم اغفرلہ ،وارحمہ،وعافہ واعف عنہ.

اللہ بخش بسکوہری

مقام بسکوہر بازار، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

آپ پنجاب کے انبالہ شہر کے رہنے والے سکھ تھے۔ والد کا نام پربھاکر سنگھ تھا۔ فوج میں بھرتی تھے، جس کے عوض میں گورنمنٹ کی طرف سے طویل آراضی ملی تھی۔ والد کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تو چچا نے پوری زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا اور انہیں جان سے مار ڈالنے کی ٹھانی۔ چنانچہ یہ چپکے سے گھر سے بھاگ نکلے۔ کچھ دنوں تک پنجاب میں ایک فقیر کے گھر چھپ چھپا کر رہے۔ جس فقیر کے گھر میں چھپ کر رہے۔ اس نے ان کا ختنہ کرادیا۔ (اور کلمہ پڑھایا) موصوف وہاں سے دہلی آئے اور میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ سے تعلیم کی تکمیل کی۔ وہاں سے لکھنؤ آئے اور مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی سے بھی استفادہ کیا۔ پھر فیض آباد پہنچے اور چمڑے کے ایک تاجر حاجی بنو کے پاس قیام کیا۔

بسکوہر کے دو تاجر چرم خدا بخش بسکوہری اور ایک اور صاحب چمڑے کی تجارت کی غرض سے فیض آباد آتے جاتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو خدا بخش انہیں بسکوہر لے آئے۔

یہاں کچھ عرصہ رہ کر اوسان کوئیاں (تحصیل ڈومریا گنج) چلے گئے اور ایک مدرسہ قائم کر کے کافی عرصہ تک وہاں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر بسکو ہر بازار واپس تشریف لے آئے اور یہاں بھی درس و تدریس اور خاص کر دعوت و تبلیغ سے وابستہ رہے اور یہیں کے ہو رہے۔ یہیں ۶۰ سال کی عمر میں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوئے۔

مولانا عبدالغفور بسکو ہری نے جلسہ بونڈ یہار منعقدہ ۲۰/۲۱ فروری ۱۹۲۸ء کے خطبۂ استقبالیہ میں آپ کا ذکر خیر کیا ہے اور آپ کی دینی، دعوتی تبلیغی اور اصلاحی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (دیکھیں اہل حدیث امرتسر مجریہ ۱۶/ مارچ ۱۹۲۸ء کا شمارہ) آپ کے چند نامور تلامذہ جنہوں نے آپ سے استفادہ کر کے آپ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے علاقہ جات میں دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا، یہ ہیں: مولانا جعفر علی (مرغہوا، اٹوا) مولانا محمد صدیق بسکو ہری، مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالستار بسکو ہری، مولانا خلیل احمد بسکو ہری، مولانا دیانت اللہ، مولانا مصاحب علی اونرہوا، مولانا ولی اللہ (گوہنیاں، آسام روڈ) مولانا عبدالرحمٰن بجواوی، مولانا مولا بخش بسکو ہری، مولانا عبدالجلیل، مولانا شکر اللہ (اوسان کوئیاں) وغیرہم۔

آپ کے رفقاء میں مولانا بشیر احمد سہسوانی اور مولانا عبدالتواب علی گڑھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں بھی میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔ بڑے متقی، پرہیز گار اور خدا ترس تھے۔ کھانے پینے کے معاملے میں بڑے محتاط تھے، مشتبہ چیزوں کے کھانے پینے سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ جہاں رہے ہمہ وقت دعوت و تبلیغ اور اصلاح عقیدہ کا کام کیا۔ بسکو ہر اور مضافات کفر و شرک اور سیئات کا گڑھ تھا۔ آپ ہی کی کوششوں سے لوگ مسلک اہل حدیث پر عامل ہوئے، حصولِ علم کی طرف رجحان ہوا، عقیدہ کی اصلاح ہوئی اور نماز روزہ کے پابند ہوئے۔ آپ کے تین فرزند تھے مولانا محمد ابراہیم، محمد زکریا اور محمد ادریس، یہ سب حضرات ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگ بسکو ہر میں ہیں کچھ فیض آباد اور دیگر مقامات پر۔

آج گونڈہ، بستی، سدھارتھ نگر اور بلرام پور میں کتاب وسنت کی جو شعائیں پھوٹ رہی ہیں۔علاقہ مٹکا نوگڑھ میں مولانا عباداللہ، علاقہ بانسی میں قاری مولانا محمد اسحاق، علاقہ دکھن گونڈہ میں مولانا عبدالرحمٰن ابری ڈیہہ، علاقہ بسکوہر اور اٹوا میں مولانا اللہ بخش بسکوہری، تلسی پور ترائی علاقہ میں مولانا اظہر بہاری رحمہم اللہ، انھیں پانچوں بزرگان دین کی کدوکاوش کا ثمرہ ہے۔

الفت حسین

مولانا الفت حسین بن حسین بخش

ساکن: مولانگر، پوسٹ: پچھور مُراہی، سیتامڑھی (بہار)

آپ انیسویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مضافات کے مدارس میں حاصل کرکے دہلی چلے گئے۔ وہاں سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کرکے واپس آئے اور درس وتدریس ودعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوگئے۔ عربی وفارسی میں اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ نے مولانا کرامت علی کے ساتھ آپ کو بھی علاقہ کا داعی ومبلغ بنادیا، جس کو آخروقت تک انجام دیا۔ بابو عبداللہ (جو رحیم آبادی کے متبنی تھے) مولانا الفت حسین کے شاگرد تھے۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی جسے پسند فرمایا لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ بعد میں مولانا رحیم آبادی کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ مولانا الفت حسین جب تک مبلغ رہے، مولانا رحیم آبادی کو اپنی تبلیغی رپورٹ پیش کرکے ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے رہے۔ آخر عمر میں حج بیت اللہ کا داعیہ پیدا ہوا تو گھر سے نکل پڑے اور حج سے فراغت کے بعد وہیں سکونت پذیر رہ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ تاریخ وفات کا پتہ نہ چل سکا۔

امر اللہ عارف سراجی

مولانا امر اللہ عارف سراجی بن علاقہ دار خاں بن جان اللہ خاں

موضع: کونڈرا گرانٹ، ضلع سدھارتھ نگر۔ یوپی

تاریخ پیدائش: ۴؍ جنوری ۱۹۲۹ء

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لیا اور مسلسل پانچ سال تک اکتساب علم کیا۔ ۱۹۴۱ء میں مولانا عبدالجلیل رحمانی کے ساتھ دلی پہنچے اور مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں کی مدت تعلیم پانچ سال ہے۔ پھر ۱۹۴۶ء میں دارالحدیث کو چھوڑ کر مدرسہ حاجی علی جان (نئی سڑک، دہلی) میں داخلہ لیا اور جملہ علوم وفنون کو حاصل کر کے جون ۱۹۴۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی نے سند اجازہ عطا فرمائی۔

اساتذہ:

مکتب کے اساتذہ: مولانا عابد علی ندوی، ماسٹر زین الدین۔ سراج العلوم جھنڈانگر: الحاج میاں محمد زکریا، عبدالشکور بسکوہری، محمد زماں رحمانی، زین اللہ طیب پوری، محمد خاں سمراوی، مولانا جھنڈانگری۔ دارالحدیث رحمانیہ: نذیر احمد املوی رحمانی، عبدالجلیل رحمانی، محمد بشیر رحمانی مبارکپوری، عبدالحلیم پشاوری، اصحاب الدین کمبل پوری، عبیدالرحمٰن طالب رحمانی، رستم علی رحمانی بنگالی وغیرہم۔

تدریس:

آپ نے چند سال درس وتدریس کا کام کیا پھر ہمیشہ کے لیے اس سے الگ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلاقت لسانی اور شان خطابت سے نوازا تھا اس لیے تدریس سے الگ

ہو کر دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہو گئے اور اکابر جماعت کے ساتھ پورے ملک کی کانفرنسوں اور دینی جلسوں میں خطاب فرمانے لگے۔

جماعتی خدمات:

تقسیم ہند کے بعد جب جماعت کا شیرازہ منتشر ہو گیا تو ۱۹۵۷ء میں قصبہ بانسی (سدھارتھ نگر) میں ایک جماعتی میٹنگ بلائی گئی۔ اس میں ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبستی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا جنرل سکریٹری موصوف کو بنایا گیا۔ انتخاب کے بعد آپ نے ان دونوں (اور اب چار) اضلاع کا ہمہ گیر دورہ کیا، مقامی جمعیتیں قائم کرائیں اور انہیں ضلعی جمعیت سے جوڑا۔ مسلکی حمیت وبیداری پیدا کی۔ اپریل ۱۹۶۰ء میں آپ اس عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔ (اور آپ کی جگہ مولانا منظر صاحب جنرل سکریٹری بنائے گئے)

کانفرنس نوگڈھ:

نومبر ۱۹۶۱ء میں نوگڈھ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تو اس کو کامیاب بنانے میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور خطیب الاسلام جھنڈانگری کے ساتھ ہمہ گیر علاقائی دورے کئے اور مالی تعاون اکٹھا کیا۔ اس دورے میں شاید ہی کوئی اہم گاؤں ہو جہاں آپ حضرات نہ پہنچے ہوں۔ یہ دورے عموماً پا پیادہ ہوتے تھے۔

دعوت وتبلیغ:

۱۹۶۷ء میں آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے داعی اور آرگنائزر مقرر ہوئے۔ آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا اور جماعتی بستیوں میں پہنچ کر دعوتی وتنظیمی فریضہ انجام دیا۔ دوران تقریر ہندوستان میں اپنے دعوتی دوروں کا ذکر کرتے تو سینکڑوں بستیوں اور ریلوے اسٹیشنوں کا نام باترتیب زبانی گناتے چلے جاتے، لوگ حیرت میں ہوتے کہ آپ نے کن کن صوبوں اور ان کے کن کن قصبوں کا دورہ کر کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ مسلسل چھ سال تک اس خدمت کو انجام دینے کے بعد ۱۹۷۲ء کو سبکدوش ہوئے۔

جامعہ اسلامیہ:

مرکزی جمعیت سے الگ ہو کر گاؤں کے مدرسہ اسلامیہ کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس دوران مختلف موضوع پر مضامین لکھ کر جماعتی اخبارات ومجلّات میں شائع کرائے۔ ۹ سال تک مدرسہ کا انتظام وانصرام سنبھالا، اس دوران بڑے بڑے مسائل کا سامنا کیا، لیکن مدرسہ کو ترقی سے ہمکنار کیا۔

ادارہ دعوت دین:

۱۹۸۲ء میں مدرسہ کی نظامت سے الگ ہو کر اس ادارہ کو قائم کیا۔ طبیعت کا میلان قلمی کدو کاوش کی طرف پہلے سے تھا ہی، اس لیے تصنیف وتالیف میں لگ گئے۔ اس کے تحت بہ حد ممکن قلمی خدمات انجام دیں۔ آپ کی مولفہ کتب کی تعداد ۹ ہے۔

(۱) منکرین حدیث کے رد میں متفقہ فتوی، صفحات: ۲۰۔ (۲) منتخبات، صفحات: ۶۰۰

(۳) احساسات، صفحات: ۵۵

۴) گلہائے رنگارنگ (شعری مجموعہ) صفحات: ۵۵

(۵) نظر انتخاب، صفحات: ۴۰۔

(۶) آہ قائد راجستھان، صفحات: ۸

(۷) دس سوالات (بدعات کی رد میں)، صفحات: ۸

(۸) قیاس نامہ، صفحات: ۶۰

(۹) حرم سے قبلۂ اول تک (منتخب نظمیں) صفحات: ۱۶

وفات:

۲۷/ جولائی ۲۰۰۱ء بروز جمعہ ممبر پر خطبہ دیتے ہوئے پیٹ میں اچانک درد شروع ہوا۔ ممبر پر بیٹھ گئے۔ بعد نماز جمعہ ہسپتال لے جائے گئے اور وہیں ۳۱/ جولائی ۲۰۰۱ء بروز شنبہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

محمد انس

(۱۹۳۱ء-۱۹۹۸ء)

مولانا محمد انس بن عبدالغفار

مقام: واٹ گنج، پوسٹ: پپرا کوٹھی، ضلع مشرقی چمپارن، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۱ء (واٹ گنج)

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان زیادہ پڑھا لکھا تو نہیں تھا، لیکن دین میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے دینی امور اور شرعی مسائل سے واقف تھے۔ آپ کا خاندان موضع کوٹپور (مشرقی چمپارن) میں آباد تھا۔ انگریزوں کے زمانہ میں آپ کے پردادا شیخ مصاحب علی پہلے شخص ہیں جو ہجرت کر کے واٹ گنج میں آباد ہوئے۔ یہاں اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائی۔ ایسے ہی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ پھر پپرا ڈاسکول، پپرا کوٹھی بیسک اسکول، مدرسہ بحر العلوم موتیہاری میں داخلہ لے کر وہاں کے اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ دار التکمیل مظفر پور میں بھی داخلہ لیا اور جملہ علوم وفنون کی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر ۱۹۵۳ء میں احمدیہ سلفیہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے داخلہ لیا اور دار العلوم احمدیہ سلفیہ سے ۱۹۵۴ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

اساتذہ:

مولانا شفیع احمد سلفی (دوستیا) مولانا عبید الرحمٰن عاقل رحمانی (پیغمبر پور) زبیر احمد رحمانی

املوی، عبدالجبار کھنڈیلوی، فضل الرحمٰن سلفی، صوفی عبدالرحمٰن (رجورا)

دعوت وارشاد:

فراغت کے بعد آپ نے دعوت وتبلیغ کو اپنا مشن بنایا۔ شہر موتیہاری، گھوڑاصحن، ڈھاکہ اور سیتامڑھی ومظفر پور کے علاقوں میں دعوت وتبلیغ کی۔ آپ ایک تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی تھے۔ اس پیشہ سے وابستہ رہتے ہوئے بھی دینی ودعوتی مشن سے جڑے رہے۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث مشرقی چمپارن کے ناظم بھی رہے۔ ۱۹۷۳ء میں مدرسہ انجمن اسلامیہ موتیہاری میں تدریسی فرائض بھی انجام دیئے۔ اصلاح معاشرہ کی غرض سے اپنی بستی میں ایک انجمن بنام "تنظیم المسلمین" تشکیل دی اور بیت المال کا نظام قائم کیا۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں چند ایک کے نام مندرج ہیں: ماسٹر عبدالعزیز شمسی (واٹ گنج) ڈاکٹر عبدالخبیر (چمپارن) مولانا خورشید عالم، ڈاکٹر شفیع اللہ (چمپارن) پروفیسر وصی اختر (چمپارن)

اخلاق وعادات:

آپ بڑے کریم النفس، متواضع، باوقار اور حلیم وبردبار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذکاوت، ذہانت اور معاملہ فہمی کی عظیم دولت سے نوازا تھا۔ بڑے عابد وزاہد، صاحب تقویٰ تھے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے ایک تنظیم بنام "تنظیم المسلمین" بنائی اور بیت المال قائم کیا۔ اس سے غریبوں، مسکینوں اور پریشان حال لوگوں کے مسائل حل کئے جاتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی جاتی تھی۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لیے زمین کی خرید بھی کی، لیکن اسی دوران ۴رنومبر ۱۹۹۸ء مطابق ۱۴۱۹ھ کو بعد نماز

فجر اجل کا بلاوا آگیا اور مولائے حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی دینی، دعوتی اور اصلاحی کوششوں کو یاد کر کے لوگ آج بھی انہیں دعائیں دیتے ہیں۔

محمد بشیر الاعظمی

مولانا محمد بشیر اللہ بن مولانا عبد الغنی بن ملا حسام الدین بن جمال الدین

محلہ: قاضی داموں پورہ، شہر مئو، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۱ء (محلہ قاضی داموں پورہ)

خاندانی پس منظر:

آپ کا خانوادہ علم و عرفان کا مخزن تھا، اس لیے شہر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آباء و اجداد اصل باشندہ موضع نسو پور کے تھے، اچھی خاصی زمین کے مالک تھے۔ مشرف بہ اسلام ہو کر مئو آکر آباد ہو گئے۔ دادا ملا حسام الدین اعلام اہل الحدیث میں سے تھے۔ دریائے علم و فضل تھے۔ آج بھی اہل مئو کو آپ پر ناز ہے۔ والد گرامی مولانا عبد الغنی فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ جامعہ فیض عام میں تدریس و تعلیم سے وابستہ تھے۔ آپ کا گھر اور خانوادہ علم دین سے مزین اور تہذیب سے مرصع تھا۔ ایسے ماحول میں آپ پیدا ہوئے۔

تعلیمی مراحل:

قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں والد گرامی سے پڑھیں، پھر جامعہ فیض عام میں جماعت اولیٰ میں داخلہ لیا اور اس دور کے اساتذہ علم و فن سے جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۳۵۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۵۷ھ کے اجلاس عام کے موقعہ پر مناظر اسلام مولانا امرتسری تشریف لائے تو انہوں نے سر پر دستار فضیلت باندھی اور تحفۃ الاحوذی (شرح ترمذی) انعام میں دی۔ اس کے بعد آپ نے بنارس کا رخ کیا اور وہاں مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں داخلہ لے کر مولانا ابو القاسم سیف بنارسی سے صحیحین پڑھ کر

ان سے بھی سند اجازہ حاصل کی۔

اساتذہ:

والد گرامی مولانا عبدالغنی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا عبدالرحیم رحمانی (سونیا باڑا) حکیم مولانا عصمت اللہ رحمانی، مولانا محمد شفیع رحمانی (پٹھان ٹولہ) مولانا عبداللہ شائق، دادا مولانا احمد وغیرہم۔

تعلیم وتدریس:

فراغت کے بعد ١٣٥٧ھ میں مدرسہ محمدیہ کھیدو پورہ مئو سے تدریس کی بسم اللہ کی۔ کچھ عرصہ کے بعد فیض عام میں مدرس ہوگئے، پھر مسلم انٹر کالج کے اردو ٹیچر مقرر ہوئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد دوبارہ فیض عام میں آگئے۔ ٢٥ سال تک مادر علمی میں درس وتدریس اور امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ پھر بوجوہ ١٩٧٠ء میں مٹیا برج کلکتہ چلے گئے اور وہاں بھی درس وتدریس اور امامت وخطابت سے وابستہ ہوگئے۔ مسجد کے سامنے کے تالاب کو خرید کر چیئرمین نگر پالیکا سے درخواست کرکے اسی مٹی سے پٹوایا۔ آپ وہاں ''شرق العلوم'' بنگال کے نام سے اقامتی ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ کے مدرسہ دارالہدیٰ کلکتہ چلے آنے کے بعد اس جگہ سینکڑوں دوکانیں تعمیر کرکے کرایہ وصول کیا جارہا ہے۔

آپ رمضان المبارک میں درس حدیث دینے کے لیے جھوم پور اڑیسہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی ''مصباح العلوم'' نام کا ایک اقامتی ادارہ قائم کیا، جو بحمد اللہ آج بھی موجود ہے۔

دعوت وتبلیغ:

آپ نے بحیثیت داعی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ملک کے تمام صوبوں کے اہم شہروں کا تبلیغی دورہ کیا۔ مسائل حدیث میں انتہائی جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے کئی ایک علمی دینی، تحقیقی اور جوابی کتابیں لکھیں جو چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

(١) جلوۂ رمضان بر تجلی شعبان (٢) محرم الحرام غمی کا مہینہ یا خوشی کا (٣) تفسیر وسیلہ

(۴) تقویۃ الحدیث بجواب انکار الحدیث (۵) جوابات منکرین (۶) نصرۃ القاری بجواہر البخاری (۷) تحفۃ العیدین وغیرہ۔

تلامذہ:

آپ نے اپنے شاگردوں کا ایک طویل سلسلہ چھوڑا ہے، جس میں بطور خاص حافظ محمد سلیمان میرٹھی، مولانا محمد حنیف ندوی، حافظ نصر اللہ، مولانا عبد الرب بلیاوی، مولانا جرجیس سلفی، مولانا محمد ارشد بلرام پوری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

وفات:

۳۰/اگست ۲۰۰۳ء مطابق ۲/رجب المرجب ۱۴۲۴ء بروز ہفتہ ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے احمد مجتبیٰ سلفی نے پڑھائی اور آبائی قبرستان چنتو تالاب میں سپرد خاک ہوئے۔

محمد مصطفیٰ سعیدی، محمد مرتضیٰ محمدی، احمد مجتبیٰ سلفی اور محمد مقتدیٰ عمری آپ کے صاحب زادگان ہیں، بحمد اللہ سبھی دولت علم سے مالا مال ہیں۔

بلال احمد رحمانی

(۱۹۰۷ء تا ۱۹۹۱ء)

الحاج مولانا بلال احمد رحمانی بن الحاج محمد یوسف بن دلجان

ساکن: پوڑ آباد، جھابوا (موجودہ یوسف ٹولہ) ضلع کٹیہار، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۷ء (پوڑ آباد، جھابوا)

خاندانی پس منظر:

آپ کے پورے خاندان میں صرف مولانا مبارک حسین (عرف امام صاحب) واحد شخص تھے جو تعلیم یافتہ تھے۔ یہ اور ان کے علاوہ دو تین بزرگوں نے مل کر پورے ٹاپو کی

شیر شاہ آبادی قوم کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کی اور پوری زندگی ان کی صلاح وفلاح میں لگا دی۔ یہ انہیں چند بزرگوں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس علاقہ میں تعلیم دین عام ہے۔اور لوگوں کا منہج وعقیدہ کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی اور ثانونی تعلیم کہاں حاصل کی یہ معلوم نہ ہوسکا۔البتہ عربی کی اعلیٰ تعلیم غیر منقسم ہندوستان کی مشہور ریاست ''بنارس'' کے قصبہ مئو کے مشہور زمانہ تعلیمی ادارہ ''مدرسہ رحمانیہ مئو'' میں حاصل کی۔اور یہیں سے فارغ ہوئے۔اب یہ مدرسہ ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ ''مدرسہ عالیہ'' قائم ہے۔آپ کے اساتذہ کے نام بھی نامعلوم ہیں۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم پٹیروا سے تدریس کی بسم اللہ کی۔آپ نے یہاں ۱۹۷۵ء تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔یہاں سے مستعفی ہوکر مدرسہ رحمانیہ بھگوان پور چلے گئے اور یہاں اپنی وفات سے ایک سال قبل تک تعلیم وتدریس سے وابستہ رہے۔اس دوران سینکڑوں طالبان علوم آپ سے مستفید ہوئے۔ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مکھیا بلال احمد مظہری، مولانا محمد امجد مظہری، مولانا ریاض الدین مظہری، نسیم اختر مظہری، شمیم اختر فلاحی، نعیم اختر عمری، محمد منظور ندوی، ماسٹر ابوذر کمال عمری وغیرہم۔آپ کے یہ شاگردان کرام آپ کے دعوت وفکر کے امین وعلمبردار ہیں۔

دعوت وارشاد:

تدریسی وتعلیمی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ دعوت واصلاح کے فریضہ سے بھی غافل نہیں رہے۔مسلم غیر مسلم سبھی تک دین کا پیغام پہنچاتے رہے۔سینکڑوں لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہوکر بدعات وخرافات اور تعزیہ داری وقبر پرستی سے تائب ہوئے۔پورے ٹاپو کے لوگ دینی امور میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور شریعت کے مسائل معلوم کرتے۔

آپ کی ناقابل فراموش خدمت یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء کے بعد پورے علاقہ کے متفقہ طور پر منڈل (قاضی) بنے تو تاحیات لوگوں کے آپسی تنازعہ کو حل کیا اور ہمیشہ کتاب وسنت کی روشنی میں فتوے دیئے جسے لوگوں نے بخوشی تسلیم بھی کیا۔ اس اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر کبھی اپنے دامن کو داغدار نہ ہونے دیا، کبھی بھی تعصب اور طرف داری سے کام نہ لیا۔

آپ نے اپنے برادر بزرگ مولانا مبارک حسین امام وخطیب جامع مسجد بھگوان پور کی نیابت کی اور جامع مسجد وعیدگاہ میں امامت وخطابت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ خود ہی مسجد کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کرتے، ساتھ ہی جگہ جگہ دعوتی واصلاحی پروگرام کرتے۔ جب تقریر فرماتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ اتنے بارعب وجلال تھے کہ آپ کے سامنے کوئی بیڑی، حقہ پینے اور تمباکو کھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

وفات:

علاقہ ٹاپو کے عوام وخواص کا یہ محبوب قائد اور رہنما قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کرتا ہوا یکم اگست ۱۹۹۱ء بروز جمعرات اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ تدفین جامع مسجد کے سامنے کی زمین میں عمل میں آئی۔ ۱۹۹۷ء میں جب مسجد کی توسیع عمل میں آئی تو علماء کے مشورہ سے قبروں کو وہاں سے اٹھا کر آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

محمد تسلیم رحمانی

مولانا محمد تسلیم رحمانی بن بہادر خاں بن بیچو خاں

ساکن: بھکورہر، ضلع سیتامڑھی (بہار)

خاندانی حالات:

آپ کا خاندان شروع سے علم اور علماء پرور رہا، شرافت اور وجاہت آپ کے خاندان کی پہچان رہی، بزرگوں کی روایت کے مطابق آپ کے جدامجد میں سے کوئی عالمگیر بادشاہ کے

جاگیرداروں میں سے بھی تھے۔ خاندان کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے، قریب کے ملک نیپال سے ہندوستان اور ہندوستان سے نیپال غلہ جات کی درآمد اور برآمد کا کاروبار ہوتا تھا، چنانچہ اقتصادی حالت تشفی بخش تھی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گاؤں ہی میں اپنے والد محترم کی زیرنگرانی حاصل کی، آگے کی تعلیم کے لیے والد صاحب کے مشورے سے قریب کے ملک نیپال کے راج پور شہر چلے گئے، جہاں چند سال قیام کر کے مولوی محمد سجاد حسین کے زیر سایہ متوسطہ تک کی تعلیم مکمل کی۔ فن نحو وصرف میں جب کامل درک ہو گیا تو آپ ثانویہ کی تعلیم کی غرض سے قدیم ادارہ ''مدرسہ احمدیہ آرہ'' چلے آئے اور وہاں بانی مدرسہ مولانا عبدالوہاب آرویؒ کی نگرانی اور علمی فضا میں ایک عرصہ تک اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ وہاں سے پھر کوچ کیا، اور مرکز علوم وفنون شہر مئو (یوپی) پہنچے اور ''مدرسہ اسلامیہ فیض عام'' میں ماہر اساتذہ اور مربین کرام سے کامل استفادہ کر کے عالمیت کی سند حاصل کی۔

دستار فضیلت:

یہ وہ دور تھا جب کہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے تعلیمی معیار کی پورے ہندوستان میں دھوم مچی تھی، چنانچہ انہوں نے ''دار الحدیث رحمانیہ دہلی'' میں داخلہ لیا اور مکمل دو سال یہاں کے روحانی وعلمی ماحول میں رہ کر دستار فضیلت کے حقدار قرار پائے۔ مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ نے اپنے دست سے مولانا رحمانی کے سر پر دستار فضیلت سجائی اور انعام میں ایک مترجم قرآن دیا، جو اب تک ان کے بڑے صاحبزادے مولانا امان اللہ فیضی کے پاس موجود ہے۔

تصنیف وتالیف:

ابتدا سے آپ کی طبیعت دعوت وارشاد اور درس وتدریس کی جانب مائل تھی، اس لیے

فراغت کے فورا بعد انہیں امور کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے، تصنیف وتالیف کی طرف مطلق توجہ نہ کی، اس لیے اس میدان میں ان کا کوئی کارنامہ نہ رہا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کے فتاوے کو جمع کیا جاتا تو غالب گمان ہے کہ کوئی علمی سرمایہ ترتیب پا جاتا مگر اس کی توفیق کسی کو نہ ملی اور ان کے سارے تحریری فتاوے یونہی ضائع ہو گئے۔

درس وتدریس:

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ آپ کا ہمیشہ سے درس وتدریس کی طرف میلان تھا چنانچہ فراغت کے بعد اپنے گاؤں کے قریب مدرسہ احمدیہ سلفیہ بیراگنیا، سے منسلک ہو کر درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، آپ درس کے ساتھ طلبہ کے اخلاق وکردار پر بھی کامل توجہ دیتے۔ ان کو اوامر کی بجا آوری اور نواہی ومنکرات سے اجتناب کی تلقین کرتے۔ مدت دراز تک اسی ادارے سے جڑ کر اعزازی طور پر طلبہ عزیز کے سینے میں کتاب وسنت کا دیا جلائے رکھا۔

طبیعت جب ایک جگہ کے قیام سے اکتا سی گئی تو کچھ مہینوں کے لیے بہار سے لگے اڑیسہ چلے گئے، اور وہاں بھی علماء وطلبہ کی ذہنی وروحانی بالیدگی کا سبب رہے۔ آپ جہاں بھی رہے اپنے علمی وقار کو مجروح نہ ہونے دیا، اور جو کتاب بھی آپ کے زیر تدریس ہوتی اس کو مکمل تیاری اور محنت سے پڑھاتے، بچوں کے اعتراضات اور سوالات سنتے اور اس کا تشفی بخش جواب دیتے۔

تلامذہ:

شفیع احمد سلفی (دوستیا) حکیم معاذ سلفی (اموا) محمد داود سلفی (اموا) عبدالخالق سلفی (اموا) محمد خلیل (اموا) مولانا امان اللہ فیضی، حافظ سمیع اللہ اصلاحی، جناب حاجی بشیر وغیرہم۔

دعوت وتبلیغ:

آپ کا دوسرا محبوب مشغلہ ابلاغ دعوت تھا، لہذا آپ کے رگ وریشہ میں جذبہ دعوت وعزیمت کارفرما تھا، آپ جہاں بھی ہوتے لوگوں کو قرآن وحدیث کی باتیں بتلاتے، کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتے دیکھتے اسی وقت برادرانہ لب ولہجہ میں حق کی وصیت کرتے اور منکر سے روکتے، جب کبھی بھی اہل علاقہ کسی دعوتی ودینی تقریب میں شرکت کی پیشکش کرتے بلا کسی تردد وانکار کے تشریف لے جاتے، اور اپنی کوشش بھر اصلاح کی کوشش فرماتے۔ آپ کی دعوت اس قدر ثمر آور ہوئی کہ آپ کی پوری بستی ایک بار پھر کتاب وسنت کی آئینہ دار بن گئی، ان کے اندر سے ساری بدعقیدگیاں اور اوہام وخرافات کی خرابیاں کافور ہوگئیں، یہ آپ کی دعوت کی برکت ہی ہے کہ اس علاقے کی پٹھان بستیوں میں سے آپ کی تنہا ایسی پٹھان بستی ہے جو سب کی سب اہل حدیث ہے۔ اور آپ کی وفات پر ایک لمبا وقفہ گزر جانے کے بعد آج تک کتاب پر مضبوطی سے عامل ہے۔

مولانا بہ طور مفتی وقاضی:

آپ صرف ایک اعلیٰ درجے کے مولوی اور داعی ہی نہیں تھے، بلکہ آپ کی حیثیت اپنے گاؤں اور علاقے کے لیے اسلامی جج اور قاضی کی تھی، مسلمانوں کو جب بھی کوئی دینی مسئلہ درپیش آتا فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور کتاب وسنت کے مطابق حل طلب کرتے، کوئی مسئلے کی وضاحت زبانی طور پر چاہتا تو آپ یہ بھی کرتے اور اگر کوئی تحریری شکل میں فتوی طلب کرتا تو بھی آپ مفصل جواب قلم اور کاغذ کے حوالے سے لکھ دیا کرتے تھے۔

آپ اپنے گاؤں کے متفقہ قاضی تھے، گاؤں والے اپنے ہر قسم کے نزاعات اور اختلافات میں آپ کو فیصل بناتے، آپ کا جو بھی فیصلہ ہوتا وہ فریقین کو منظور ہوتا تھا، آپ کا فیصلہ اتنا درست ہوتا کہ کسی کو چوں چرا کی گنجائش نہ ہوتی۔ آپ اپنے گاؤں کے تاحیات دینی ودنیاوی رہنمار ہے۔

سید تقریظ احمد سہسوانی

(۱۹۰۲ء-۱۹۷۱ء)

مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی بن مولانا سید محمد اسحاق

ساکن: قاضی محلہ، سہسوان، ضلع: بدایوں، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۲ء

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان شاہ اسماعیل شہیدؒ کے زمانہ ہی سے مسلک کتاب وسنت پر عامل رہا ہے۔ آپ کے دادا انگریز کے دور میں حولدار تھے، آپ کی دینداری اور ایمان وعمل سے متاثر ہوکر تحصیلدار بنادیا تا کہ ایک دیندار آدمی افسروں کوسلوٹ مارنا جیسا نیچا کام نہ کرے۔ آپ کے آباء واجداد امروہہ کے رہنے والے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں سہسوان آکر آباد ہوئے۔ آپ کے اجداد میں مولانا عبدالشکور قاضی القضاہ گزرے ہیں۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ وہاں سے مراد آباد پہنچے جہاں آپ کے برادر مسجد ملا قاسم میں پیش امام تھے، انہیں کے پاس رہ کرایک پنڈت جی سے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے دہلی آئے اور مولانا محمد جونا گڈھی کے قائم کردہ مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ'' مسجد اہل حدیث اجمیری گیٹ میں داخلہ لے کر مولانا سے عربی کی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ حدیث وتفسیر کی تعلیم مدرسہ سعیدیہ پل بنگش میں مولانا شرف الدین محدث دہلوی سے پڑھ کر کے سند اجازہ حاصل کی۔

طبیہ کالج قرول باغ میں حکیم اجمل خاں سے علم الجراحت کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن

طبابت کا پیشہ کبھی نہیں اپنایا۔ جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے اپنے استاد مولانا محمد جونا گڑھیؒ، ان کے مکتبہ محمدی اور ان کے پندرہ روزہ ''اخبار محمدی'' کی خدمت میں لگ گئے اور مولانا کی وفات تک خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد مولانا کی وصیت کے مطابق ۱۹۴۷ء تک آپ نے مولانا کے مکتبہ محمدی اور اخبار محمدی کو سنبھالا۔ اور بڑی محنت اور جانفشانی سے اخبار نکالتے رہے، خود ہی اس کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۴۷ء کے فساد میں سب کچھ بند ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہنگامہ ٹھنڈا ہوا تو مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ سے دارالحدیث رحمانیہ کے ایک کمرہ میں بیٹھ کر بچوں کو تعلیم دینے لگے تا کہ مدرسہ پر قبضہ برقرار رہے۔ لیکن جماعت کی عدم توجہی سے سب کچھ چھن جانے کے بعد آپ بیکار ہو گئے۔

۱۹۵۰ء میں حافظ حمید اللہ کے مشورہ سے دوبارہ اخبار اہل حدیث کا اجراء کیا اور ۱۹۶۵ء تک آپ اس کے مدیر مسئول رہے۔ اس دوران آپ روزانہ فجر کے بعد پیدل چل کر مدرسہ ریاض العلوم جامع مسجد آتے اور تدریسی فریضہ انجام دیتے۔ دو بجے کے بعد واپس جا کر اخبار اہل حدیث کا کام کرتے۔ یہ سلسلہ مسلسل ۱۵ سال تک جاری رہا۔ اس دوران ریاض العلوم میں آپ نے مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابوں کا درس دیا۔ ۱۹۶۶ء میں جب کمزوری بڑھ گئی اور آنکھ کی بینائی کمزور ہو گئی تو اخبار اہل حدیث کی ذمہ داری مولانا مختار احمد ندوی نے سنبھالی اور آپ وطن مالوف سہسوان چلے گئے اور وہیں ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۷ر شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ کو انتقال فرمایا اور سہسوان کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

آپ کا اصل میدان تعلیم وتدریس تھا، پھر بھی تعلیم وتدریس کے ساتھ صحافت سے جڑے رہے۔ آپ نیک طبیعت اور بڑے بااخلاق تھے۔ آریہ سماج کے مشہور مناظر پنڈت رام چندر جی اکثر آپ کے پاس دفتر اہل حدیث باڑا ہندو راؤ میں آتے اور گھنٹوں آپ سے گفتگو کرتے۔ آپ کی اپنی کوئی تصنیف وتالیف نہیں ہے۔ آپ سے تین نرینہ اولاد ہوئے۔ دو کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ سید عبدالقدوس اطہر نقوی آپ کی نشانی باحیات ہیں۔

ثناء اللہ رحمانی

مولانا ثناء اللہ رحمانی بن نصر اللہ

ساکن: بونڈیہار، پوسٹ: سکھوئیاں، ضلع بلرام پور یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۷ء

تعلیمی مراحل:

درجات پرائمری، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں مولانا محمد یسین اور مولانا محمد عباس سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۵ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں کے مشہور اساتذہ میں مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبید اللہ عنبر پیغمبر پوری (دربھنگہ، بہار) مفتی عبد العزیز عمری کے نام قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کرشنا نگر نیپال میں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۰ء تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ دوران تدریس ہی ٹی بی کے مریض ہو گئے۔ مدرسہ سے گھر آئے اور صاحب فراش ہو گئے۔ چند ماہ کے بعد جون ۱۹۶۰ء میں انتقال کر گئے۔

آپ کے ہم عصروں میں مولانا عبد السلام رحمانی، ڈاکٹر عبد الباری (ڈومریا گنج) ڈاکٹر رضی الدین (اٹوا) کی زبانی معلوم ہوا کہ مرحوم بڑے ذہین و فطین تھے۔ بڑے ہی بھلے مانس اور سنجیدہ طبیعت کے تھے۔

حافظ ثناء اللہ

(۱۹۰۰ء-۱۹۸۲ء)

مولانا حافظ ثناء اللہ بن محمد اسحاق

محلہ ڈومن پورا پچھم۔ مئوناتھ بھنجن یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۰ (تخمینا)

آپ کی جائے پیدائش قصبہ گھوسی ہے۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد والدہ نے محلہ ڈومن پورا کے ایک اہلحدیث بنام محمد احمد سے نکاح ثانی کرلیا۔ اور انہیں بھی ساتھ لے آئیں۔ یہیں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔ گھوسی میں آپ کا خاندان زمیندار اور صاحب جائیداد تھا، لیکن بریلوی مسلک ہونے کے ناطے وہاں کبھی نہ گئے اور ترکہ کو قربان کردیا۔

مئو کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ از خود اللہ کی توفیق سے قرآن مجید حفظ کیا اور ۴۰ سال تک محلہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت کا فریضہ انجام دیا، بوقت ضرورت خطبۂ جمعہ بھی دیتے تھے۔ نماز تراویح بھی برابر پڑھاتے تھے۔ مدرسہ عالیہ میں درجۂ حفظ میں کچھ عرصہ تک مدرس بھی رہے۔ جماعتی جلسوں اور کانفرنسوں میں پابندی سے شرکت کرتے۔ محلہ و بیرون محلہ میں آپ کا ایک مقام اور وقار تھا۔ اکابر علماء اہلحدیث سے گہرے مراسم تھے۔ آپ مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی (سابق صدر المدرسین جامعہ فیض عام، مئو) کے دادا جان ہیں۔

۲۰/نومبر ۱۹۸۲ء مطابق ۳/صفر المظفر ۱۴۰۳ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ثناء اللہ رحمانی

مولانا ثناء اللہ رحمانی بن رستم بن تراب علی

ساکن: ٹوپاٹانڑ، جام تاڑا، جھارکھنڈ۔

موصوف تعلیم کی تکمیل کرنے کے بعد امامت و خطابت اور دعوت و تبلیغ سے جڑ گئے اور تاحیات اسی خدمت سے وابستہ رہے آپ نے کہاں کہاں تعلیم حاصل کی، اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ آپ کی دعوت و تبلیغ سے مقامات ٹرنڈا، گوراڈیہہ، جگواڈیہہ، جدوڈیہہ، آشاڈیہہ وغیرہ مقامات جو حنفی المشرب تھے اور شرک و بدعات میں ڈوبے ہوئے تھے، سبھوں نے توبہ کرلی اور مسلک اہلحدیث سے وابستہ ہوگئے۔ خطبۂ جمعہ اور خطبہ عیدین

آپ ہی دیتے تھے۔

آج دنیا میں نہیں رہے لیکن آپ کی عزت واحترام آج بھی دلوں میں باقی ہے اور آپ کی خدمات کو لوگ یاد کرتے ہیں۔ تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا۔

نام نیکاں زندہ رکھنے کے لیے اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

ثناء اللہ ٹوپا ٹانڑوی

(۱۹۲۶ء-۲۰۰۰ء)

مولانا ثناء اللہ بن محمد رستم بن نیاز علی بن مدھو میاں بن دکھی میاں ٹوپا ٹانڑوی

مقام: ٹوپا ٹانڑ۔

پیدائش: ۱۹۲۶ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے ماہر تھے اس اعتبار سے علم وتعلیم خاندانی وراثت میں ملی۔ مولانا وحافظ ابوالفلاح عابد حسین گنگوہی سرزمین گنگوہ سے آکر ان ہی کے خاندان میں رہ گئے اور بعد میں چل کر خاندان کا ایک فرد بن گئے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر اپنے گاؤں ہی کے مکتب میں کچھ ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ اسلامیہ مدھو پور میں داخلہ لیا اور چوتھی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جامعہ شمس الہدیٰ دلال پور میں پڑھا اور اس کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور عربی کی پانچویں جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی آپ اسی کلاس میں تھے کہ ہندوپاکستان کی تقسیم کا اندوہناک واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں دہلی کا یہ سلفی

ادارہ اجڑ گیا اور مولانا کا تعلیمی سلسلہ یہیں سے بند ہوگیا۔

اساتذہ کرام:

آپ کے اساتذہ میں حافظ ابو الفلاح عابد حسین گنگوہی اور والد ماجد کے علاوہ اس وقت کے مدرسہ اسلامیہ مدھو پور، جامعہ شمس الہدی دلالپور اور دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے اساتذہ شامل ہیں۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

آپ نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے لوٹنے کے بعد مختلف جگہوں میں تدریسی ودعوتی خدمات انجام دیں۔ اور جب مولانا وحافظ عابد حسین گنگوہی کا انتقال ہوگیا تو ان کے بنائے ہوئے مدرسہ دار الفلاح ٹوپاٹانڑ میں مدرس ہو گئے اور تاحیات تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ گاؤں کی مسجد میں خطبۂ جمعہ اور عیدین کا خطبہ تازندگی دیا۔ آپ ایک کامیاب داعی تھے۔ علاقائی زبان میں تقریر کرنے کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں مولانا شفاء اللہ فیضی، مولانا عبداللہ مدنی، مولانا نصیر الدین عمری، مولانا زین العابدین مفتاحی، مولانا شفیق احمد اثری، مولانا محمد طیب مظاہری، مولانا قاری یونس اثری اور مولانا خلیل الرحمٰن فیضی وغیرہم ہیں۔

وفات:

آپ کا انتقال بروز سنیچر ۲۲/ جولائی ۲۰۰۰ء مطابق ۱۹/ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ ہوا۔ اس وقت آپ آسنسول ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ وہاں سے گھر لائے گئے اور اپنے آبائی قبرستان ”ٹوپاٹانڑ“ میں دفن کیے گئے۔

جلال الدین رحمانی

جلال الدین نام اور کنیت ابوالفضل ہے۔ ابوالفضل جلال الدین بن الحاج احسان اللہ
تاریخ پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۴ء موضع موتی پور، نوگڑھ ضلع سدھارتھ نگر۔ یوپی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالسلام موتی پور میں حاصل کی۔ پرائمری نصاب کی تکمیل مکتب اسلامیہ مہدیاں میں کی۔ پھر عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم ششہنیاں میں داخلہ لیا، وہاں سے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور، پھر وہاں سے مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا۔ فضیلت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس میں داخلہ لیا اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند اجازہ حاصل کی۔

اساتذہ:

جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ میں: مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا فضل الرحمٰن عمری، مئوی، مولانا عبدالعزیز عمری مئوی، مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعہ دارالعلوم بنارس) سے بھرپور استفادہ کیا اور فضیلت کی سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبۂ تخصص فی الادب میں داخلہ لیا، لیکن وہاں کی فضا اور ماحول کو اپنے مخالف پا کر دوماہ کے بعد ہی اسے خیر باد کہہ دیا۔ پھر دوبارہ دارالحدیث رحمانیہ آگئے اور مولانا نذیر احمد املوی سے کتب درسیہ کے علاوہ مقامات ہمدانی، مناظرہ رشیدیہ اور اقلیدس کو پڑھا۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

فراغت کے بعد سہسوان ضلع بدایوں کے قریب ایک موضع ''بھوانی پور کھلی'' کے مدرسہ

میں تدریسی خدمت انجام دی۔ وہاں چاروں طرف بریلویت، پیر پرستی اور قبر پرستی کا ماحول تھا۔ لیکن اس ماحول میں بحمد اللہ حکمت اور موعظت سے کام لے کر تدریس کے ساتھ دعوتی سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔

آٹھ ماہ کے بعد وطن موتی پور آئے تو دار الہدی یوسف ''شیو پتی نگر'' کے تعلیمی و تنظیمی امور سے جڑ گئے۔ یہاں چار سال رہے۔ پھر طب یونانی کا پانچ سالہ کورس (B.U.M.S.) طبیہ کالج علیگڑھ سے مکمل کیا اور موضع ہی کے مدرسہ ''دار العلوم'' موتی پور میں بحیثیت ناظم مدرسہ و مدرس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف تھے اور علیحدہ ایک حجرے میں دوائیں رکھ کر طبابت سے جڑ کر خدمت خلق انجام دیتے تھے۔

مفتی حبیب الرحمٰن فیضی

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن بن احسان اللہ بن مولانا احمد بن ملا حسام الدین

مقام: مئوناتھ بھنجن یوپی۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے دادا مولانا احمد اور پردادا ملا حسام الدین مئو کے اساطین علماء میں سے تھے۔ چنانچہ مولانا عبد اللہ شائق نے اہل حدیث کانفرنس مئو (منعقدہ فروری ۱۹۲۷ء) کے خطبۂ استقبالیہ میں فرمایا تھا کہ ملا حسام الدین صاحب جماعت اہل حدیث مئو کے اول اول بانی ہیں۔ دونوں ہی نے بڑی دل جمعی، محنت و لگن اور جذبۂ خلوص کے ساتھ تعلیم و تبلیغ اور احیاء سنت میں منہمک و مشغول ہو کر مسلک کتاب و سنت کی آبیاری کی اور مئو میں ایک جماعت قائم کی۔ خاندان میں علوم دینیہ کا ماحول تھا۔ اسی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے اور آپ کے برادر صغیر مولانا فیض الرحمٰن فیضی (دونوں) نے اپنے دادا مرحوم

مولانا احمد اور دیگر اساتذہ فن سے علوم عقلیہ ونقلیہ کا علم حاصل کیا۔ والد گرامی جامعہ فیض عام کے مدرس تھے اس لیے فیض عام ہی میں اول تا آخر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ قرآن مجید ناظرہ اور اردو کی کتابیں قاری خلیل الرحمٰن سے پڑھیں اور فارسی مولانا نور محمد، منشی عبدالکریم اور اپنے دادا مولانا احمد سے پڑھی۔

جماعت اولی سے ثانیہ تک کی کتب نیز کبریٰ، اردو، منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، نورالانوار، ہدایہ اخرین وغیرہ مولانا عبدالرحمٰن مئوی سے پڑھیں۔ مولانا محمد شفیع سے مشکوۃ، تفسیر جلالین اور مولانا محمد صاحب باڑہ قاسم پورہ سے بلوغ المرام، قدوری، اور مولانا عبداللہ شائق سے القراۃ الرشیدہ، دیوان متنبی، تلخیص المفتاح، نزہۃ النظر، رسالۃ جرجانی، مقامات حریری، توضیح تلویح پڑھیں۔ اپنے دادا مولانا احمد سے خارجی وقت میں زنجانی اور الفیہ ابن مالک وغیرہ پڑھیں۔ اور مدرسہ میں ان سے شرح جامی، سلم العلوم، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، سراجی، اقلیدس، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، صحیح بخاری، ومسلم پڑھ کر ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ھ میں فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۳۹ء سے مدرسہ فیض عام میں اعزازی طور پر ۲۰ سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر ۱۹۵۷ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے بسلامت واپسی کے بعد مستقل طور پر پورے وقت تدریسی فریضہ انجام دیا۔ دریں اثناء ۱۹۷۹ء۔ ۱۹۸۰ء میں (چند سال کے وقفہ کے بعد) مسلم شریف اور بخاری شریف کا ۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۲ء تک درس دیا۔ مشیت الٰہی سے جنوری ۱۹۹۲ء میں آپریشن ہوا جس کے بعد سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ لیکن افتاء کا کام پھر بھی جاری رہا۔ پھر صحت عود کر آنے کے بعد تدریس سے جڑ گئے اور ۱۹۹۴ء تک دوبارہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر ۱۹۹۴ء سے مولانا کے ارشد شاگرد (مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب) نے بخاری کا درس دینا شروع کیا۔ اس طرح آپ نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۹۲ء تک جملہ ۵۳ سال تک درس دیا۔ فللہ الحمد علی ذلک۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے درس میں بخاری و مسلم کے پڑھنے والوں اور فراغت حاصل کرنے والوں کی تعداد ریکارڈ کے مطابق سات سو ہے اور صحیحین کے علاوہ دیگر کتابوں کے پڑھنے والے آپ کے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔

مناصب وعہدے:

اولاً مدرسہ فیض عام کے ایک عام رکن کی حیثیت سے منتخب کئے گئے۔ پھر صلاحیت دیکھ کر نائب ناظم بنادئے گئے۔ پھر صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ ۱۹۸۲ء میں مولانا محمد احمد (ناظم صاحب) کے انتقال فرما جانے کے بعد فیض عام کے ناظم اعلی اور مسلم کالج کے مینجر مقرر کئے گئے۔ مدرسہ نسواں کے بھی آپ ناظم اعلی تھے۔

تدریسی وتعمیری خدمات:

لڑکیوں کی دینی وعصری تعلیم کے لیے ۱۹۹۱ء میں درجات عربیہ کا افتتاح کیا۔ جس میں آج الحمدللہ فراغت تک کی تعلیم ہو رہی ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کے زمانہ میں جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا انتظام تھا۔

آپ نے اپنے دور نظامت میں سابق ناظم اعلی کے کاموں کو آگے بڑھایا۔ چوک پر دوکانوں کا اضافہ کیا، مدرسہ فیض عام کی اوپری منزل کو تعمیر کرایا۔ ہاسٹل کو دومنزلہ پختہ بنوایا۔ مدرسہ کے سامنے والی زمین پر سات کمرے بنوائے۔ ایک مکان خریدا جس میں انٹر تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس سے متصل ایک اور زمین خرید کی۔ جامع مسجد فیض عام کی تعمیر وتوسیع کی۔ آپ کے زمانہ نظامت میں مدرسہ کی دوکانوں سے سالانہ آمدنی تین لاکھ ہوگئی۔

بالآخر مئو کا یہ روشن وتابندہ ستارہ ۱۸ر رجب ۱۴۱۷ھ مطابق ۳۰ر نومبر ۱۹۹۶ء بروز شنبہ علی الصباح غروب ہوگیا۔ نماز جنازہ آپ کے برادر خورد مولانا مفتی فیض الرحمٰن نے محلہ

چھتن پورا ناتھوا ملی کے وسیع میدان میں پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه۔

تصانیف:

نماز کی پہلی کتاب۔ نماز کی دوسری کتاب۔ فتاوی کے ۷-۸ رجسٹر جو مسودہ کی شکل میں ہیں۔

چونکہ مولانا کو درس وتدریس اور افتاء ہی نے مہلت نہ دی اس لیے تصنیف وتالیف کی فرصت آپ کو میسر نہیں آسکی۔

ہشام الدین قاسمی سلفی

(۱۹۶۰ء-۲۰۰۶ء)

مقام گھاری گھاٹ، بنکٹوا، ضلع گونڈہ اتر پردیش۔

تاریخ پیدائش: یکم اپریل ۱۹۶۰ء۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم سے لے کر عربی چہارم تک مدرسہ سراج العلوم میں حاصل کی۔ بعد ازاں اعلی تعلیم کے حصول کے لیے دار العلوم دیو بند میں داخلہ لے کر سند فضیلت حاصل کی۔ انتقال سے تین سال قبل آپ نے قرآن پاک حفظ کیا تھا اور تین سال سے متواتر رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن سنا رہے تھے۔

تعلیمی مراحل طے کر لینے کے بعد عروس البلاد ممبئی کے شعبہ فقہ وفتاویٰ میں سابق امیر مرکزی جمعیت، اور مدیر جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں مولانا مختار احمد ندوی کی سرپرستی میں رہے۔ پھر یہاں سے اٹھ کر چند سال صوبہ مہاراشٹر کے ایک گاؤں داور واڑی (اورنگ آباد) اور ناندیڑ میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد شہر آکوٹ ضلع آکولہ

مہاراشٹر کے دھاولی بیس کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت اور جامعہ محمدیہ للبنات آکوٹ میں درس حدیث وتفسیر اور فقہ وفتاوی کے لیے منتخب ہوئے۔ آپ نے یہاں ۲۰ سال تک خدمت انجام دی۔ قوم مسلم کے مابین پائی جانے والی فقر وافلاس، غربت وتنگدستی کے خاتمہ کے لیے محمدیہ بیت المال کو کافی مستحکم کیا۔

تصانیف:

آپ نے کئی کتب اور رسائل مرتب کیے۔

(۱) مسنون دعائیں، مطبوعہ
(۲) قبر پرستی اسلام کی نظر میں، مطبوعہ
(۳) آئینہ رکعت تراویح، مطبوعہ
(۴) آئینہ نماز
(۵) حج وعمرہ کا سچا رہبر، مطبوعہ
(۶) آئینہ عید قربان، مطبوعہ

آسان تجوید، اثبات رفع الیدین، آئینہ صدائے حق، اظہار حق، آئینہ راہ نجات، (مکالمہ) زیر طبع ہیں۔

۱۷/ مارچ ۲۰۰۶ء جمعہ کے دن دل کا دورہ پڑا۔ فوری طور پر اکولہ ہسپتال پہنچانے کا معقول انتظام کیا گیا۔ لیکن راہ ہی میں انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت عمر ۴۶ سال کی تھی۔ دوسرے دن شہر آکوٹ کے معروف قبرستان ملک تجار میں دفن کیے گئے۔

حافظ حمید اللہ دہلوی

(وفات: ۱۹۵۰ء)

(نائب ناظم وفنانشیل سکریٹری)

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے نائب ناظم اور فنانشیل سکریٹری حافظ حمید اللہ بن حافظ عبد اللہ دہلوی کی جماعتی خدمات سے سبھی لوگ واقف ہیں۔ آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی از قیام تا وفات پرورش وپرداخت کی اور اسے

خون جگر سے سینچا۔ آپ کانفرنس کے اخراجات کا معتد بہ حصہ اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے۔ بے شمار جماعتی مکاتب و مدارس آپ کے مالی تعاون سے چلتے تھے۔ ہزاروں غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو ماہانہ و سالانہ وظیفہ دیتے تھے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلباء کی ہر طرح مالی تعاون کرنے کے علاوہ انہیں گراں قدر کتابیں خرید کر دیتے تھے۔ حدیث وتفسیر کی لاتعداد کتب آپ نے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کی طرف سے عوام میں مفت تقسیم کروائیں۔ آج بھی احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) میں ''حمیدیہ برقی پریس'' آپ کے صدقۂ جاریہ کا نمونہ موجود ہے۔ کانفرنس کی طرف سے درجنوں دعاۃ پورے ملک میں دورہ کر کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے اور انہیں اپنی طرف سے ماہانہ وظیفہ دیتے تھے۔ جس علاقہ میں تبلیغ واصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی وہاں دینی اجتماعات اور کانفرنسیں کراتے اور ان کے اخراجات کا معتد بہ حصہ خود برداشت کرتے۔

آپ کے جود وسخا کا سیل رواں ہندوستان کے علاوہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک وسیع تھا۔ ملک عبدالعزیز کے برسر اقتدار آنے کے بعد وہاں کے عوام کا تعاون کرتے ہوئے ایک جہاز چاولوں کی کھیپ بھجوائی تھی اور ساتھ ہی نقد رقم بھی ارسال کی تھی۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے زیر سایہ ایک قطعہ اراضی خرید کر اس جگہ ''دارالحدیث'' نام کا ایک ادارہ قائم کیا جس کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے۔ مسجد نبوی کی حالیہ توسیع کے بعد وہ اراضی مسجد نبوی میں شامل ہو چکی ہیں اور اس کی جگہ شاہ نے الگ قطعہ اراضی پر ایک عالی شان بلڈنگ تعمیر کروا کر اسی نام کا مدرسہ قائم کر دیا ہے۔ یہ مدرسہ اس وقت جامعہ اسلامیہ سے ملحق ہے۔ حافظ صاحب نے اس ادارہ کا منصرم ومنتظم، حافظ مولانا احمد دہلوی کو بنا کر مدینہ بھیجا تھا۔ آج بھی مولانا کا خانوادہ ہی اس ادارہ کا منتظم ومنصرم ہے۔

آپ نے میوات میں درجنوں مساجد ومدارس تعمیر کروائے اور ان میں کام کرنے والوں کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ آج میوات میں کتاب وسنت کی تعلیم وتبلیغ اور مسلک عمل بالحدیث کے جو آثار پائے جاتے ہیں اس میں حاتم جماعت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کا

بہت بڑا حصہ ہے۔ میوات کی درس گاہ دارالعلوم شکراوہ جواب تک میوات میں منارہ نور کا کام دے رہی ہے، اس کا قیام صرف آپ ہی کے مالی تعاون سے عمل میں آیا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حافظ حمید اللہ صاحب کے والد محترم جناب حافظ عبداللہ صاحب مسلکاً حنفی تھے اور باڑے کی مسجد باغیچہ کے سامنے والی کے متولی تھے۔ آپ نے سلفی مسلک اختیار کرلیا تو احناف نے آپ پر قاتلانہ حملہ کردیا۔ جس سے آپ شدید طور پر زخمی ہوگئے۔ اس کا بیٹے حمید اللہ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے مسلک کتاب وسنت پر عمل اوراس کی تبلیغ وترویج کو اپنا وظیفہ بنالیا۔ چنانچہ وفات تک آپ کا یہ عمل جاری رہا۔

آپ نے مدرسہ حمیدیہ نام کا ایک جماعتی ادارہ قائم کیا جس میں ۱۹۴۷ تک باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی۔

دارالحدیث رحمانیہ کے قیام کے بعد وہاں کی لائبریری کے لیے مخطوطات اور ایسی نادرونایاب کتابیں دیں جن میں سے ایک ایک کتاب کی قیمت اس زمانہ میں ایک ایک ہزار تھی۔

اس لائبریری کا مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک مرتبہ معائنہ کیا تو فرمایا: اگر یہ ذاتی لائبریری نہ ہوتی تو اپنی لائبریری کو بھی اسی میں ضم کردیتا۔ کیوں یہاں بڑی نادرونایاب کتب ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ جب مملکت سعودیہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے، تو اس موقعہ پر مملکت کے لیے غلہ جات اور رقم کی کمی ہوگئی۔ جناب حافظ حمید اللہ صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو ایک اسٹیمر غلہ لے کر خود وہاں گئے اور شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی نے مال اپنے ہاتھوں سے اتارا تھا۔

مملکت فتح ہوجانے کے بعد شاہ نے حافظ صاحب کو ایک جبہ اور قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ پیش کیا۔ قرآن مجید آج بھی حافظ یحییٰ صاحب (امیر جمعیت) کے پاس موجود ہے۔ اس نسخہ کا کچھ حصہ سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی اس کی سنہری چمک جوں کی توں برقرار ہے۔

حافظ حمید اللہ صاحب جب شاہ کے دور حکومت میں حج کے لیے گئے تو شاہ نے آپ کو شاہی مہمان کا درجہ دیا اور کھانے پینے کا انتظام اپنے محل خاص سے کیا۔

۱۹۳۶ء میں جب شاہ عبدالعزیز دہلی آئے تو حافظ حمید اللہ صاحب بھی ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ شاہ نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اس موقعہ پر ترجمانی کے فرائض عبدالوہاب آف علی جان والوں نے انجام دیئے تھے۔ جماعت کے موجودہ امیر حافظ محمد یحییٰ صاحب دہلوی آپ ہی کے خلف الرشید ہیں۔

آپ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے تاحیات نائب ناظم اور فنانشیل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ افسوس! ۲۷؍دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۱۷؍ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کی رات کو یہ گوہر نایاب اور در بے بہا ہم سے ہمیشہ ہمیش کے لیے گم ہوگیا۔ جود وسخا کا یہ سرچشمہ خشک ہوگیا اور سخاوت وفیاضی کا یہ سیل رواں ہمیشہ کے لیے تھم گیا۔ رہ گئیں تو بس اُن کی یادیں!!

اللہم اغفرلہ وارحمہ

آپ کے انتقال پر مولانا مجاز صاحب اعظمی نے یہ تاریخی مصرعہ کہا تھا:

عجب انداز سے آغوش رحمت میں لیا حق نے
کہا ہاتف نے ان کو "گلشنِ عشرت" دیا حق نے

۱۳۷۰ھ

خلیل الرحمٰن سلفی

(۱۹۳۲ء-۲۰۰۱)

مولانا خلیل الرحمٰن سلفی

موضع: بابوان بسمتیہ، ضلع ارریہ، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۲ء۔

تعلیم و تربیت:

موصوف بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم قاعدہ بغدادی اور قرآن مجید ناظرہ گھر ہی میں اپنی والدہ بی بی آمنہ سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کی راہ میں غربت حائل تھی، علم کی چاہ میں بیتاب ہوئے تو اپنے رفیق مولانا محمد حسین (صالح) کے ساتھ خفیہ منصوبہ بنایا اور دونوں ایک رات گھر سے نکل پڑے۔ راستہ میں رکتے آرام کرتے مالدہ (بنگال) پہنچے اور مدرسہ مظہر العلوم میں داخلہ لیا۔ وہاں سے متوسطہ تک کی تعلیم حاصل کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ میں بھی کچھ عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ لے کر ۱۹۵۵ء میں اول پوزیشن سے فضیلت میں کامیابی حاصل کی۔

تدریس:

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۵۵ء سے مدرسہ دار الہدی بابوان (احمدیہ سلفیہ کی شاخ) میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ پھر ۱۹۶۱ء میں دار العلوم احمدیہ سلفیہ چلے گئے اور وہاں ''حدیث'' کے استاذ رہے۔

موضع بسمتیہ میں ایک ہائی اسکول کا قیام آپ کی کوششوں سے عمل میں آیا تو آپ اس کے فاؤنڈر اور صدر رہے۔

سیاسی خدمات:

۷۵-۱۹۷۴ء میں ایمر جنسی کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں سات ماہ بھاگل پور سینٹرل جیل میں رہے۔ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۹ء بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کے ممبر رہے۔ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء آل بہار شیر شاہ آبادی ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۵ء ''الکریم ایجوکیشنل ٹرسٹ'' کے تحت کٹیہار میڈیکل کالج کے گورننگ باڈی کے ممبر کی حیثیت سے اس کے قیام اور منظوری میں بھر پور کردار ادا کیا۔

معروف ومشہور ہیں۔

آپ ایک سیاسی وسماجی اور رفاہی اور دینی ریفارمر کی حیثیت سے معروف ومشہور ہیں۔

آپ نے کافی عرصہ تک بسمتیہ اور بابوان کی عیدگاہوں اور جامع مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ ایک بے باک مقرر اور خطیب تھے۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ مختلف جسمانی عوارض کے شکار ہوئے۔ بلڈ پریشر ہائی ہوا۔ پھر گردوں نے بھی کام کرنا بند کر دیا۔

آخر ۱۹ جنوری ۲۰۰۱ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محترم کثیر العیال تھے۔ پانچ بیٹے اور سات بیٹیاں پسماندگان میں چھوڑے۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن شامی (جو اس وقت امریکہ میں ہیں اور مولانا محمد جوناگڑھی کے داماد ہیں) آپ ہی کے صاحب زادے ہیں۔

محمد داؤد راز

(۱۹۰۸ء-۱۹۸۱ء)

مولانا محمد داؤد راز بن عبداللہ

موضع: رہپوہ، تحصیل فیروز پور جھرکہ، ضلع گڑگاؤں، ہریانہ (میوات)

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۸ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

موضع رہپوہ میں دو گوت کے لوگ آباد ہیں (۱) گوروال (۲) بالوت۔ آپ کا تعلق "باگوروال" گوت (خاندان) سے ہے۔ اس موضع کی نصف بسویداری آپ ہی کے خاندان پر منقسم ہے۔ اس گاؤں میں مسلک اہل حدیث مولانا عبدالرزاق (متوفی ۲۶ر جون ۱۹۷۳ء) کے دادا احمد خان پٹواری کی معرفت رائج ہوا۔ جو قصبہ پہاڑی، ضلع بھرتپور میں ملازم تھے۔ اور انہوں نے قاضی عبدالرحیم ساکن موضع پہاڑی کی دعوت وتبلیغ اور ترغیب سے مسلک عمل بالحدیث کو اختیار کیا۔ قاضی عبدالرحیم تحریک دعوت وجہاد سے متاثر تھے۔

تعلیمی وتربیتی مراحل:

آپ نے قاعدہ، قرآن مجید ناظرہ اور پرائمری مکتب کی تعلیم قصبہ پنگواں کے اسکول میں حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے شوق میں ۱۳۲۶ھ میں دہلی کا سفر کیا اور مدرسہ حمیدیہ (صدر بازار) میں میاں جی الحاج عبداللہ میواتی اور مولانا محمد سلیمان بنگالی (لال گولہ والے) سے اکتساب علم کیا۔ پھر مدرسہ دارالکتب والسنہ (صدر بازار) میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالوہاب صدری سے صرف، نحو، بلوغ المرام وغیرہ دیگر علوم وفنون کو پڑھ کر تحصیل علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ سنن اربعہ حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی اور مولانا عبدالجبار (سوکھپوری، میواتی) سے، صحیحین کا درس مولانا عبدالوہاب صدری سے لیا اور ۱۳۴۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

آخری سند اجازہ مولانا عبدالحق ہاشمی بہاولپوری سے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے سامنے حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

درس وتدریس:

جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد سے مدرسہ ''اشاعت القرآن والحدیث'' (سوکھپور، میوات) سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا، یہ مدرسہ آپ کے استاد مولانا عبدالجبار سوکھپوری کا قائم کردہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاد محترم کے ساتھ کئی سال تک مفوضہ خدمات کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے مولانا عبدالجبار مبلغ وداعی مقرر ہوئے تو آپ بھی مولانا کے شریک سفر وہم رکاب ہو گئے اور دونوں نے مل کر علاقہ میوات کے علاوہ دیگر صوبہ جات کے شہروں ممبئی، بنگلور، مدراس، جبل پور وغیرہ میں دعوت وتبلیغ کے فریضہ کی انجام دہی کے ساتھ کانفرنس کے لئے مالی تعاون بھی اکٹھا کیا۔

شوال ۱۳۵۰ھ میں قصبہ شکراوا (ضلع گڑگاؤں) میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ہریانہ

کی جانب سے زیر صدارت مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری دوروزہ عظیم الشان اجلاس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک طویل منظوم استقبالیہ قصیدہ پیش کیا۔

الجامعۃ السلفیہ میوات کے قیام کے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ وہاں کے تعلیمی وتدریسی خدمات پر مامور ہوئے اور ۱۹۴۷ء تک اس مدرسہ سے وابستہ رہے۔ اس دوران آپ نے ''اصلاح المسلمین'' کے نام سے نظم میں ایک کتاب تحریر کی۔ اور اخبار ''آفتاب میوات'' آپ نے اپنے قلم سے خوش خط لکھ کر شائع کیا۔

ممبئی میں قیام:

جماعت اہلحدیث ممبئی کے ذمہ داران کی درخواست اور اپنے استاذ مولانا عبدالجبار کے حکم کے بموجب آپ نے مسجد اہل حدیث مومن پورا میں امامت وخطابت کا فریضہ ۱۹۵۸ء تک انجام دیا نیز شہر ومضافات میں خوب دینی ودعوتی دورے کئے۔ اپنے ممبئی کے ۱۲ سالہ دور قیام میں بے نظیر تصنیفی وتالیفی کام کیا۔ ''فتاوی ثنائیہ (۲ جلدیں) اور ''منتخب حواشی ثنائی ترجمہ والا قرآن'' یہ دوران قیام مسجد اہل حدیث مدنپورہ ہی کی تالیفی شاہکار اور عظیم الشان کارنامہ ہیں۔

افسوس کہ بعض گھریلو پریشانیوں کے باعث ۱۹۵۸ء میں آپ نے ممبئی کو بادل ناخواستہ خیر باد کہا۔

دہلی میں قیام:

ممبئی سے واپسی اور گھریلو مسائل سے نجات پانے کے بعد دہلی آکر مسجد اہل حدیث اجمیری گیٹ (گلی شاہ تارا) کو آپ نے اپنا جائے قیام بنایا۔ (معلوم ہو کہ یہی وہ مسجد ہے جہاں مولانا محمد جوناگڑھیؒ نے برسوں قیام کر کے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ نیز دوسری کتابیں لکھیں تھیں) اسی مسجد میں رہ کر آپ نے ادارہ ''نورالایمان'' نام کا ایک مکتبہ قائم کیا اور

''نورالایمان'' نام کا ایک ماہنامہ رسالہ بھی جاری کیا۔ بخاری شریف کا اردو میں ترجمہ اور تشریح کر کے علیحدہ علیحدہ تیس پاروں کی شکل میں شائع کیا۔ مسلم شریف بھی اردو میں ترجمہ وتشریح کے ساتھ تین جلدوں میں زیر طبع تھی لیکن پریس والوں کی عدم توجہی اور لاپرواہی سے ۲ جلدیں ضائع ہوگئیں صرف پہلی جلد ہی بمشکل شائع ہوسکی۔

یہاں رہ کر مولانا محترم نے اپنے بیٹے نذیر احمد رازی کے ساتھ مل کر مکتبہ ''نورالایمان'' کو خوب توسیع دی، اس مکتبہ سے اپنی کتابوں کو تو شائع ہی کیا اور دیگر جماعتی علماء خصوصا مولانا صادق سیالکوٹی کی جملہ کتب کو بھی اپنے مکتبہ سے شائع کیا اور چند سالوں کے بعد ایک بڑا تجارتی مکتبہ بن گیا۔

جمعیۃ علماء سے وابستگی:

جمعیت علماء ہند کے بانی اور محرک مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ہیں، مولانا داؤد راز، مولانا حکیم عبدالشکور اور شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار، مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالوہاب آروی وغیرھم باقاعدہ اس جمعیت کے اساسی رکن تھے۔ اس کے جلسوں اور میٹنگوں میں شریک ہوئے اور عملی طور پر اس کے لیے اقدام کرتے تھے۔ یہ علمائے اہلحدیث کی نہیں، بلکہ دیوبندی علماء کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اپنے گروہی عصبیت اور تنگ نظری کی وجہ سے کسی اہلحدیث عالم کو کلیدی عہدے پر نہیں آنے دیا۔ مآل کار یہ سطور لکھے جانے تک ذمہ داران جمعیت علماء خود ہی خوانگی جھگڑوں میں الجھ کر اسکی لوٹیا ڈبونے پر آمادہ ہیں۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی نظامت:

مولانا محترم ایک مخلص، سادہ لوح اور پاک طبیعت کے مالک تھے۔ تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ آپ کا وظیفہ تھا، اس لیے مناصب اور عہدوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ لیکن مولانا عبدالجلیل رحمانی کے نظامت سے مستعفی ہوجانے کے بعد ذمہ داران جماعت

کے دباؤ کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اکتوبر ۱۹۶۰ء میں چند ماہ کے لیے کارگزار، پھر مستقل ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کے دور نظامت میں ترجمان کا معیار بلند ہوا، افراد جماعت کے حوصلے بلند ہوئے اور جماعت میں نئی جان آئی۔ مولانا عبدالوہاب آروی کے مستعفی ہو جانے کے بعد کچھ مدت تک کے لیے کارگزار صدر بھی رہے۔

اصلاح دستور کمیٹی میں شمولیت:

آل انڈیا اہلحدیث کمیٹی کے صدر مولانا عبدالوہاب آروی نے نومبر ۱۹۶۱ء میں، دستور جمعیت میں حسب حال حذف واضافہ اور مناسب تبدیلی کے لیے پانچ ارکان پر مشتمل ''سب کمیٹی''، تشکیل دی جس کے ایک رکن رکین آپ بھی تھے۔ اس طرح مرکزی دارالعلوم بنارس کی تعمیری، تعلیمی کمیٹی کے بھی ممبر رہے اور ادارہ کے مالی تعاون کے لیے خود سفر کیا۔

ماہنامہ نور الایمان کا اجراء:

آپ نے ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۶ء میں ایک ماہنامہ بنام ''نور الایمان'' کا مسجد اہلحدیث اجمیری سے اجراء کیا، جسمیں بخاری شریف کا اردو ترجمہ کے علاوہ فتاوی نذیریہ سے ماخوذ فتاوے اور جماعتی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ یہ ماہنامہ آپ کی وفات تک پابندی سے شائع ہوتا رہا۔

سفر آخرت:

پیرانہ سالی اور اس پر رات دن کی مسلسل محنت اور دعوتی اسفار کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے۔ عرق النساء کے بھی مریض تھے۔ اسی درمیان فالج کا حملہ ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور ۲؍دسمبر ۱۹۸۱ء مطابق ۳؍صفر ۱۴۰۲ھ بروز چہار شنبہ عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔ نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار (سوکھپوری، میواتی) نے پڑھائی۔

پسماندگان میں ۳ لڑکے، لڑکیاں اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑے۔

تصنیفات:

(۱) ثنائی ترجمہ اور منتخب حواشی والا قرآن مجید

(۲) ترجمہ ثنائی والا بارہ سورہ شریفہ (۳) بخاری شریف مترجم مع شرح (کامل)

(۴) مسلم شریف مترجم مع شرح (صرف پہلی جلد شائع ہو سکی، باقی کا مسودہ ضائع ہو گیا)

(۵) خالص اسلام (۶) فتاویٰ ثنائیہ (۲ جلدیں)

(۷) حج بیت اللہ شریف (۸) مقدس مجموعہ

(۹) تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلحدیث

(۱۰) تحریک اسلامی کا پس منظر (۱۱) حقائق مودودیت

(۱۲) ارباب دیوبند اور اہلحدیث (۱۳) خطبات نبوی

(۱۴) حیات ثنائی (۱۵) اصلاح المسلمین (منظوم)

(۱۶) پیام زندگی (منظوم) (۱۷) چمن اسلام کا پانچواں حصہ

(۱۸) سلسہ نور الایمان کا اردو قاعدہ سے لیکر پانچویں تک

(۱۹) فتاویٰ نذیریہ کے عربی وفارسی فتاویٰ کا اردو ترجمہ

ان کے علاوہ تاریخ اہلحدیث ہند بھی لکھنا چاہتے تھے اس کے لیے جماعتی آرگن ''ترجمان'' (۱۵/۱ اکتوبر ۱۹۶۰ء) میں اعلان بھی شائع کیا تھا، لیکن و کان امر اللہ قدرا مقدورا۔

محمد داود سلفی

(۱۹۳۲ء-۱۹۹۲ء)

مولانا محمد داود سلفی بن حافظ محمد محمود بن مولانا لیاقت حسین

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۲ء (تخمینا)

خاندانی پس منظر:

آپ کے دادا مولانا لیاقت حسین مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان ہی سے علوم وفنون کی تکمیل کرنے کے بعد دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوئے اور تاحیات اسی سے جڑے رہے۔ عقیدہ ومنہج میں بڑے کھرے اور سخت تھے۔ چنانچہ مولانا لیاقت حسین صاحب کو ابتداء میں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ آپ کے والد نے آپ کو گھر سے نکال دیا۔ بعد میں ان پر بھی بیٹے کا رنگ چڑھا اور دونوں ایک دوسرے کے دست وبازو ہوگئے۔ کھل کر مسلک کتاب وسنت کی تبلیغ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ کی کئی کئی بستیاں اہل حدیث ہوگئیں۔ مشرقی چمپارن میں ڈھاکہ، لہسینا، دوستیا، بریوا، چندن وارا، مڑلی اور مضافات کے گاؤں کے گاؤں اہل حدیث ہوگئے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ احمدیہ بیراگنیاں میں داخلہ لے کر ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی۔ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ لے کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے ۱۹۵۶ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

اساتذہ:

مولانا عبدالسلام موتی پوری، مولانا محمد تسلیم رحمانی، مولانا صداقت حسین قاسمی، مولانا عین الحق سلفی، مولانا ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبیدالرحمان عاقل رحمانی، مولانا عین الحق سلفی وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۵۶ء سے دعوت تبلیغ اور تدریس وتعلیم کا آغاز، اپنے دادا کے قائم کئے ہوئے ادارہ مدرسہ احمدیہ بیراگنیاں سے کیا۔ پھر ۱۹۶۰ء میں اس ادارہ کے ناظم اعلیٰ

بنائے گئے۔ آپ کے دور نظامت میں مدرسہ نے تعمیری و تعلیمی میدانوں میں بڑی ترقی کی چنانچہ آج یہاں ثانویہ تک کی تعلیم بحسن وخوبی انجام پارہی ہے۔

۱۰ر جولائی ۱۹۹۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اللہ اغفرلہ وارحمہ۔

دیندار خاں محمدی

مولانا محمد دیندار خاں محمدی

مقام: رہپوہ، تحصیل ہتھیں، ضلع فرید آباد (میوات) ہریانہ۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۰ء۔

آپ نے یتیمی کی حالت میں ہوش سنبھالا۔ ایک سال کی عمر میں ماں اور ۳ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پڑھنے کی عمر کو پہنچے تو دار العلوم شکراوا میں میانجی مہر اللہ اور مولانا داؤد راز سے تعلیم حاصل کی۔ موصوف کے اندر دعوت وتبلیغ اور اشاعت دین کا بے پناہ جذبہ تھا۔ اس لیے عمر کا اکثر حصہ اسی خدمت میں گزارا۔ ملک کے تقریبا تمام صوبوں کا بارہا دورہ کیا اور خطبات جمعہ نیز دعوت وتبلیغ اور پند ونصائح سے لوگوں کو فیض پہنچایا۔ بڑے بے لوث، نڈر اور بے باک انسان تھے۔ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہتے اور خالص کتاب وسنت کی تلقین کرتے۔ خطابت کا زبردست ملکہ اللہ نے عطا کیا تھا کسی بھی موضوع پر گھنٹوں خطاب کرتے۔ انداز خطابت بڑا دلکش اور دلنشیں ہوتا تھا۔ جب خطاب کرنے لگتے تو سماں بندھ جاتا۔ بیشمار لوگوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہوکر کفر وشرک اور بدعات سے توبہ کر کے مسلک عمل بالحدیث کو اختیار کیا۔ کتاب وسنت کی نشر واشاعت کے لیے ایک ادارہ بنام ''احیا الاسلام'' قائم کیا تھا۔ جہاں سے ہر سال موقع ومحل کی مناسبت سے پمفلٹ، کتابچے اور اشتہارات شائع کر کے مفت تقسیم کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر دوسرے اداروں کی کتابیں خرید کر ضرورتمندوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ہندوستان کے اندر شہروں اور

دیہاتوں میں کن کن مقامات تک جا کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ارادہ سے کشمیر پہنچے وہاں دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ دریں اثناء کشمیر ہی میں دماغ کی نس پھٹ گئی۔ کافی علاج و معالجہ ہوا۔ وطن واپس لائے گئے۔ کافی دنوں تک صاحب فراش رہ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ذکر اللہ خاں ذاکر ندوی

(۱۹۲۹ء-۲۰۰۶ء)

مولانا ذکر اللہ بن مولانا عبدالغفور بن جعفر خاں پٹھان (ایرانی النسل) ہیں۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۷ھ۔ آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور قصبہ بسکوہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فیض یافتہ جلیل القدر عالم دین تھے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا عبدالغفور سے گھر پر حاصل کی۔ پھر بسکوہر کے ہی مکتب اسلامیہ میں داخل ہو کر پانچ پارہ حفظ قرآن کیا۔ لیکن مستقل دردسر کے مریض ہونے کے ناطے ڈاکٹروں نے حفظ سے منع کر دیا۔ والد گرامی اس وقت جامعہ سراج العلوم میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دے رہے تھے، اس لیے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں فضیلت میں داخلہ لیا اور فضیلت کا ۳ سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۵۰ء میں فارغ ہوئے۔

قابل ذکر اساتذہ:

ماسٹر تعلق دار خاں آدم پوری۔ بونڈیہار کے اساتذہ میں: (۱) مولانا عبدالغفور

بسکوہری (والد گرامی، م ۱۹۸۷ء) مولانا محمد اقبال رحمانی (م ۱۹۸۲ء) مولانا محمد عباس نذیری، حکیم مولانا محمد یسین (بونڈیہار) ندوۃ العلماء کے اساتذہ میں ''مولانا حبیب الرحمٰن ازہری (۱۹۸۳ء۔ ۱۳۷۰) سید ابوالحسن علی ندوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد بسکوہری میں اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ میں دو سال تک مفت تعلیم دی۔ پھر مدرسہ بحر العلوم انتری بازار میں چھ ماہ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ مدرسہ اتحاد ملت اٹوا بازار میں (مولانا زین العابدین ریاضی کے سفر حج کے موقع پر) کچھ عرصہ تک تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر تدریس سے یکسر قطع تعلق کر کے دعوتی، تبلیغی اور تالیفی و تصنیفی کاموں میں مصروف و منہمک ہو گئے۔

دعوتی و تبلیغی خدمات:

مقامی، ضلعی، صوبائی اور ملکی سطح کی جماعتی کانفرنسوں و پروگراموں میں ہر جا و ہر مقام شرکت کر کے منظوم خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ بوقت ضرورت اجلاس عام میں اچھی تقریر بھی کرتے تھے۔ منظوم خطبۂ استقبالیہ اور آپ لازم و ملزوم تھے۔

جماعتی خدمات:

بستی گونڈہ کی مشترکہ جمعیت اہل حدیث کے مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ کے تاریخی اجلاس میں موصوف کے والد گرامی نے عربی میں جو قصیدہ پیش کیا تھا۔ اس کا ترجمہ منظوم شکل میں آپ نے اسی اجلاس میں پیش کیا تھا۔ تاحیات جماعتی پروگراموں میں استقبالیہ نظم پیش کرتے رہے۔

تصنیفی خدمات:

تصنیف و تالیف کا ذوق زمانۂ طالب علمی سے رہا، چنانچہ مختلف رسائل و مجلات میں

مقالے لکھے۔ تالیفات کی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱) معلم روزہ (اردو) صفحات: ۱۶، مطبوع ۱۹۷۷ء

(۲) معاشی مشکلات کا اسلامی حل (اردو) صفحات: ۳۲، مطبوع ۱۳۶۸ھ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دور طالب علمی میں علمائے معاشیات کے لکچرس کو سن کر اس موضوع پر لکھا تھا اور دور طالب علمی ہی میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی تھی۔ اس رسالہ میں امیری و غریبی کو ختم کرنے کے لیے جمہوریت، اشتراکیت، شوشلزم اور کمیونزم کے طریقہ کار کو رد کر کے بدلائل یہ ثابت کیا کہ اس کا حل صرف اسلام میں ہے۔

(۳) جہاد وقت (اردو) صفحات: ۲۰۔

(۴) صلاح الدین اعظم (اردو، منظوم) صفحات: ۱۰۴، مطبوع ۱۹۷۴ء

(۵) فاروق نامہ (اول تا پنجم) مطبوع ۱۹۷۴ء

(۶) آیات غم منظوم (اردو) صفحات: ۱۶

اس میں سرپنچ عبدالغفور بجوا، ضلع گونڈہ کی اہلیہ اور بیٹی آمنہ کے انتقال پر ان کے نیک اوصاف کا ذکر جمیل بڑے ہی خوبصورت اور والہانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

(۷) دعوت عمل (اردو) صفحات: ۲۰ مطبوع

یہ مقالہ فضیلت سے ایک سال قبل لکھا گیا تھا۔ اس میں لوگوں کو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۸) پیام ذاکر۔ اردو منظوم صفحات: ۴۵۔

اس رسالہ میں حمد و نعت، جامعہ سلفیہ بنارس کا ذکر جمیل اور دوسری دینی و اصلاحی نظمیں ہیں۔

(۹) نوائے ذاکر، اردو صفحات: ۳۰۔

اس میں مختلف دینی اجلاس کے موقع پر کہی گئی دینی و اصلاحی نظمیں ہیں۔

(۱۰) ذکر الادیب: والد گرامی مولانا عبدالغفور بسکوہری کی سوانح حیات پر مشتمل کتابچہ۔ جو مطبوع ہے لیکن کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

وفات:

۴ فروری ۲۰۰۶ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، جائے پیدائش بسکوہر میں وفات پائی۔ دوسرے دن ۵ر فروری بروز جمعہ مولانا سید عبدالاول فیضی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

رضاءاللہ مبارکپوری

(۱۹۵۳ء-۲۰۰۳ء)

ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری رحمہ اللہ ضلع اعظم گڑھ کے مشہور و معروف قصبہ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ آپ عالم اسلام کے مشہور محدث وفقیہ شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی) کے خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔ صغرسنی ہی سے نجابت، متانت، سنجیدگی اور رزانت کے آثار نمایاں تھے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی ادارہ "مدرسہ عربیہ دارالتعلیم" میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے کھل جانے کے بعد اس ادارہ میں صرف چوتھی جماعت ہی تک تعلیم ہوتی تھی اس لئے جامعہ رحمانیہ کا کورس مکمل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں وہاں سے عالمیت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد مراکش کے مشہور عالم دین ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ مراکش میں ان کی خدمت میں تقریباً ۲ سال رہ کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ عقیدہ وسنت اور عربی زبان وادب میں پختگی پیدا کی، نیز لکھنے پڑھنے اور بولنے میں مہارت تامہ حاصل کی۔ وہیں سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے لیے رختِ سفر باندھا اور کلیۃ الحدیث

سے ۱۹۸۰ء میں لیسانس (.B.A) کی ڈگری حاصل کی۔ پھر شعبۂ عقیدہ میں داخلہ لے کر ماجستر (.M.A) اور دکتورہ (.P.H.D) کی ڈگری حاصل کی۔

مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد وطن لوٹ کر جامعہ سلفیہ بنارس میں شعبۂ تدریس وتصنیف سے وابستہ ہو گئے اور آخری دم تک جامعہ ہی سے وابستہ رہے۔

قابل ذکر اساتذۂ کرام:

آپ کے اساتذہ میں: مولانا قرۃ العین ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عابد حسن رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالسلام مدنی، مولانا عبدالحنان فیضی، اور مولانا رئیس احمد ندوی قابل ذکر ہیں۔ جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ میں: شیخ حماد محمد انصاری، شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ عمر محمد فلاتہ، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی اور ڈاکٹر عبدالفتاح سلامہ آپ کے مشفق اساتذہ میں ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد ہے جو ہند و بیرون ہند میں دینی، دعوتی اور تدریسی مجال کار میں مصروف عمل ہیں۔

آپ بیک وقت صحافت اور خطابت دونوں کے شہسوار تھے، عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ علم حدیث اور فقہ پر بڑی گہری نظر تھی۔ آپ نے علمی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف اور بحث وتحقیق میں گزارا۔ فضل وتقویٰ ، خاندانی وجاہت اور گوناگوں صلاحیتوں کے سبب آپ کا شمار جماعت کے چند چیدہ وچنیدہ شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ سنجیدگی، متانت، صبر وتحمل، انکساری، تواضع اور خاکساری کا مجسم پیکر تھے۔

آپ کی متعدد تصانیف اردو اور عربی دونوں زبانوں میں مطبوع ہیں۔ ان کے علاوہ مجلّہ ''صوۃ الامہ'' ''محدث'' ''جریدہ ترجمان'' ''اشاعۃ السنہ'' میں شائع ہونے والے علمی وتحقیقی مقالے آپ کے علم کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ ماضی قریب میں جب ہندوستان میں علماء سوء

نے سنت کی مخالفت کا فتنہ کھڑا کیا اور سلفیت پر یلغار اور انحراف عن السنہ کا بازار گرم کیا، تو اس فتنے کا قلع قمع کرنے اور اس کا سر بُرید کرنے کے لیے آپ نے اپنا قلم وقف کر دیا تھا۔

تصنیفات و تالیفات:

(۱) تحقیق و تعلیق علی کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لابن النجاد (عربی مطبوع)

(۲) تحقیق و تعلیق کتاب العظمة لابی الشیخ الاصفهانی (پانچ جلدیں)

(۳) تحقیق و تعلیق علی السنن الواردة فی الفتن واشراط الساعة لابی عمر والدانی (۳ جلدیں)

(۴) تحقیق و تعلیق کتاب الاحوال لابن ابی الدنیا (مطبوع)

(۵) الایمان بالیوم الآخر (اردو مطبوع)

(۶) تعارف الجامعة السلفیہ (اردو مطبوع)

(۷) المسائل الخاصة للنساء (اردو)

(۸) خوض الانتخابات للدخول فی البرلمانات فی الحکومات المعاصرة (اردو)

(۹) خطرات یوم القیامة (اردو)

(۱۰) مذکرة فی الحدیث النبوی ﷺ (اردو، غیر مطبوع)

(۱۱) بئس ما فعل اخو العشیرة (عربی، غیر مطبوع)

(۱۲) ترجمة وجهتان متضادتان فی محمد بن عبدالوهاب "للشیخ محفوظ الرحمن الفیضی" (اردو، غیر مطبوع)

(۱۳) ترجمة کتاب الجنائز للعلامة عبدالرحمن مبارکپوری

(۱۴) الشبیه للنساء المؤمنات (باللغة العربیة)

(۱۵) سلفیت کا تعارف اور اس کے متعلق شبہات کا ازالہ (اردو، مطبوع)

آپ ترجمہ وتالیف کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت ساری ذمہ داریاں نبھارہے تھے۔ چنانچہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الجامعہ تھے، سعودی جامعات کے فضلائے ہندونیپال کے صدر، فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے رکن اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر کے عہدے پر فائز تھے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ہند ممبئ عظمیٰ کی طرف سے منعقدہ ''دین رحمت کانفرنس'' میں ۳۰/مارچ ۲۰۰۳ء کو ''قضاء وقدر'' کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے یہ جملہ بھی کہا'' میں ابھی تقریر کررہا ہوں لیکن کون جانتا ہے کہ تقریر کے بعد میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں؟ '' (مرتب کتاب ہذا بھی اس اجلاس عام میں شریک تھا) خطابت مکمل کرنے کے بعد اسٹیج پر بیٹھ گئے۔ کچھ تکان محسوس کی تو ہوٹل کامران کے لیے روانہ ہوگئے۔ لیکن راستہ میں طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور قریب کے فوزیہ اسپتال میں داخل کردئے گئے، لیکن دل کے دورے سے جانبر نہ ہوسکے اور اس طرح ۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مطابق ۳۰/مارچ ۲۰۰۳ء بروز اتوار ڈھائی بجے قضاء وقدر نے آپ کو ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سلادی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

رضاء اللہ دربھنگوی

(۱۲۹۱فصلی-۱۳۶۰ھ)

مولانا رضاء اللہ بن بچہ بابو بن بخش

مقام: بلکٹوا، علاقہ وتھانہ: دیودھا، سب ڈویژن مدھوبنی، ضلع دربھنگہ، بہار

(موجودہ پتہ: مقام بلکٹوا، پوسٹ: بیر پور، تھانہ باسوپٹی، ضلع: مدھوبنی بہار)

پیدائش: رمضان المبارک ۱۲۹۱ فصلی۔

مولانا رضاء اللہ کے والد گرامی بچہ بابو نے ان کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ بچپن میں خود ہی گود میں لے جا کر مدرسہ میں چھوڑ آتے اور پھر شام کو واپس لے آتے۔ آپ کے استاد منشی واعظ الدین کو اہا کے تھے جو گاؤں کے پڑوس میں ہے۔ مولانا عبدالنور آروی ایک عالم دین گاؤں میں آئے اور بچہ بابو سے انہیں آرہ بھیجنے کی گزارش کی، چنانچہ بھیج دیا۔ کم عمری تھی لیکن تعلیم وتحقیق کا جذبہ تھا اس لیے رضاء اللہ صاحب بھی بخوشی راضی ہو گئے اور رخت سفر باندھ لیا۔

آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ ۳۰ سال بعد کافیہ کا کوئی سوال پوچھا تو برجستہ کافیہ کی عبارت پڑھ کر سنادی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دعوت وتبلیغ کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ کثیر تعداد میں مسجدیں بنوائیں۔ اس سلسلے میں لوگوں نے رکاوٹیں ڈالیں لیکن آپ ثابت قدم رہے۔ آپ اتنے امانت دار تھے کہ لوگ اپنی زمین ان کے نام لکھوا دیتے، پھر جب واپس مانگتے تو آپ انہیں واپس کر دیتے۔ ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۶۰ھ کو انتقال کیا۔ ساڑھے تین بجے شب وفات پائی۔ اس وقت بھی آپ ہوش میں تھے۔ جنازہ کی نماز مولانا محمد اسحاق آروی نے پڑھائی۔ پورے علاقہ کے لوگ جنازہ کی نماز میں شامل ہوئے۔

ان کے کاموں کو سراہتے ہوئے اس زمانہ کے ایک نامور وکیل نے کہا تھا: ''انہوں نے تو اپنے زمانہ میں پیغمبری کی ہے۔''

اس دور میں جبکہ سڑکیں نہیں تھیں، آمد ورفت کے ذرائع مفقود تھے، کسی بھی قسم کی سہولت نہیں تھی، تنہا دور دراز علاقوں میں خاص کر احناف بستیوں کا دورہ کر کے کتاب وسنت کا سب کو شیدائی بنایا۔ اور الحمد للہ جہاں گئے ہمیشہ وہاں مسجد میں خود ہی امامت فرمائی۔

آپ بڑے بے باک اور بے لوث تھے۔ ایک مرتبہ ایک مقام بہاری (مدھوبنی) میں ہندوؤں نے ایک مسجد جلادی۔ غیر مسلموں کا دبدبہ تھا، لوگ بیان دینے سے گھبراتے تھے کہ

ہم قتل کر دیئے جائیں گے۔لیکن آپ نے کورٹ میں بیان دیا اور سب کو سزا دلوائی۔

آج ان علاقوں میں کتاب وسنت کے شیدائی جو نظر آرہے ہیں یہ آپ کی کوششوں کا ثمرہ ہیں۔آپ جیسے تھے ماشاءاللہ آپ کے صاحب زدگان مولانا عین الحق سلفی (مفتی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ) اور دوسرے مولانا محمد شمس الحق سلفی (شیخ الحدیث مدرسہ فیض عام مئو، مرشد آباد، دارالعلوم بنارس) رحمہما اللہ بھی اپنے والد کا پرتو تھے۔اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ان دونوں صاحبان نے تمام کسر پوری کردی۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم وعافھم واعف عنھم.

محمد رفیق شمسی

مولانا محمد رفیق شمسی نواہریؒ

آپ ضلع ''دیوگھر'' جھارکھنڈ کی مشہور اہلحدیث بستی ''نواہر'' میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:

آپ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے فارغ تھے۔

تدریس:

پوری عمر آپ نے مدرسہ اسلامیہ حاجی گلی، مدھوپور، جھارکھنڈ میں گزاردی۔

دعوتی خدمات:

آپ کو تدریسی وتبلیغی فریضہ کی انجام دہی کا بہترین ملکہ حاصل تھا۔آپ کے شاگردان کا حلقہ بے حد وسیع ہے۔قدیم زمانے میں وفات پائی ہے۔اس کے باوجود آج بھی علاقہ میں ان کا نام زندہ ہے اور ان کے شاگرد جگہ بہ جگہ پائے جاتے ہیں۔آپ کے اندر جہاں علمی صلاحیت تھی وہیں عملی اور تبلیغی نمونہ بھی تھے۔

ریاض احمد سعیدی

(۱۸۹۷ء-۲۰۰۷ء)

مولانا ریاض احمد سعیدی بن محمد یوسف بن بھوالی

مقام: جھمکا، مغربی چمپارن، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۸۹۷ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

علمی اعتبار سے آپ کے خاندان میں جہالت تھی۔ افراد خاندان کاشتکاری اور جانوروں کی چوبانی سے جڑے تھے۔ اس دور میں اطراف واکناف اور قرب وجوار کی بستیوں میں دینی علوم کا معمولی چرچا تھا اور مذہبی علوم کے حصول میں بھی معمولی دلچسپی تھی۔ اگر کسی کو اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کا بڑا شوق ہوتا تو کسی مکتب میں معمولی تعلیم دلا دیتے اور بس۔ ایسے ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے مکتب کی ابتدائی تعلیم جھمکا ہی کے مکتب ''چشمۂ رحمت'' میں حاصل کی، جسے مولانا عبدالہادی نے قائم کیا تھا۔ وہاں آپ نے ماسٹر بدھارتی لال سے ہندی، انگریزی اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مزید حصول علم کے شوق میں دہلی کا رخ کیا اور مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لے کر وہاں کے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ایک سال مدرسہ دارالحدیث سعیدیہ (پل بنگش، دہلی) میں داخلہ لے کر مولانا شرف الدین دہلوی سے اکتساب فیض کیا اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

تدریس:

دہلی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آکر اپنے ہی گاؤں جھمکا میں مدرسہ

چشمہ رحمت سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور لمبے عرصہ تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر مدرسہ دارالسلام سکٹا میں آ گئے۔ اس مدرسہ میں آپ کے ساتھ مولانا ابوالخیر بھی مدرس کی حیثیت سے تھے۔

دعوت وارشاد:

آپ درس وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی جڑے رہے۔ چنانچہ آپ کی دعوتی کوششوں سے علاقہ میں دینی شعور پیدا ہوا۔ آج اس خطہ میں دینی مدارس ومکاتب کا جو لامتناہی سلسلہ نظر آ رہا ہے اور علماء کی ایک کثیر تعداد علمی، دینی، دعوتی اور تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں میں نظر آ رہی ہے، یہ آپ کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

آخری ایام میں آپ نے معاشی تنگی سے مجبور ہو کر سرکاری اسکول میں ملازمت اختیار کر لی اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد گھر ہی پر رہنے لگے۔ لیکن علاقہ میں اپنی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ وعظ ونصیحت کی محفلیں منعقد کرتے اور لوگوں کو پند ونصائح برابر کرتے رہے۔

آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے ان میں مولانا عظیم اللہ (ادھیکریا) مولانا ہدایت اللہ (بریوا) مجید اعظم (پتیلار) نجم الہدیٰ انجم (جھمکا) شیخ احمد مجتبیٰ (پورینہ) مولانا محمد حنیف فیضی (گوری پور) مولانا نیاز احمد (جھمکا) مولانا محمود عالم عمری، قاری منظر الہدیٰ سعیدی (پرسا) وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ مولانا نیاز احمد جھمکاوی آپ کے فرزند ہیں جو مدرسہ منظر العلوم پرسا کے پرنسپل ہیں۔

آپ نے ۱۱۰ سال کی عمر میں ۱۳ر مارچ ۲۰۰۷ء بروز شنبہ جھمکا میں وفات پائی۔

محمد زماں رحمانی

(۱۹۱۵ء-۱۹۷۸ء)

مولانا محمد زماں رحمانی بن نبی احمد

ساکن: انتری بازار، شہرت گڑھ، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۵ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

علمی اعتبار سے خاندان پڑھا لکھا نہ تھا، والد نبی احمد معمولی پڑھے لکھے دیہاتی تھے۔ موضع انتری بازار کے تین بزرگوں نے اپنے بچوں کو علم دین سکھانے کے لیے مولانا عابد علی (ساکن مہوا) کو دعوت دی ان میں ایک آپ کے والد بھی تھے۔ مولانا عابد علی رحمہ اللہ نے بھی بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔ وہاں تشریف لے گئے اور مدرسہ بحر العلوم کی بنیاد رکھکر تعلیمی وتدریسی سلسلہ شروع کیا۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا عابد علی سے مدرسہ بحر العلوم میں حاصل کی۔ اس مدرسہ میں اس دور میں عربی کی اونچی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ نے اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب کی تعلیم کی تکمیل کرنے کے بعد مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں داخلہ لیا اور عربی ششم کا امتحان پاس کیا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

اہم اساتذۂ کرام میں: مولانا عابد علی رحمانی، مولانا عبد الرحمٰن بجواوی، مولانا عبد الغفور بسکوہری، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی، فلسفہ کے استاذ مولانا اصحاب اللہ (عرف بابا سرحدی) وغیرہم شامل ہیں۔

تدریس وتعلیم:

دار الحدیث رحمانیہ سے فراغت کے بعد جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں کافی عرصہ تک

درس دیا، پھر مدرسہ بحر العلوم انتری بازار میں بھی سات سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ابتداء میں تعلیم گاؤں کی جامع مسجد میں دی جاتی تھی۔ آپ نے مدرسہ کے لیے الگ سے جگہ خرید کر مسجد میں جاری مدرسہ کو وہاں منتقل کر دیا، نیز پاس ہی ایک مسجد بھی بنوادی۔ دار العلوم ششہنیاں میں بھی تین سال تک تدریس وتعلیم اور دعوت وارشاد سے جڑے رہے۔ پھر دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر آ گئے اور وہاں ۱۹۷۵ء تک رہے۔ درمیان میں ایک سال کلگرہا بھی بحیثیت مدرس رہے۔

آپ نے پوری عمر درس وتدریس میں بسر کی اور تقریبا ۴۶ سال تک گونڈہ، بستی، سدھارتھ نگر اور بلرام پور کے طلباء کو علمی فیض پہنچاتے رہے۔ چنانچہ ان علاقوں میں آپ کے شاگردوں کا جال بچھا ہوا ہے اور سبھی اپنے مجال کار میں مصروف تدریس وتبلیغ ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد حسن رحمانی (اوزہوا) مولانا عبدالقیوم رحمانی (دودھونیاں بزرگ) مولانا عبدالصبور رحمانی (اکرہرا) مولانا محمد اقبال رحمانی (کونڈو) مولانا عبدالرحمٰن (نکتھر دیوریا) مولانا عبدالمبین منظرؔ (سمرا) مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عبدالحمید شفیقی (انتری بازار) اور صاحب زادے مولانا عبدالحنان فیضی قابل ذکر ہیں۔

آپ کے تدریس وتبلیغ کا انداز بڑا پیارا تھا۔ اسی لیے طلباء آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ کی نرینہ اولاد میں مولانا عبدالحنان فیضی ہیں جو جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں شیخ الحدیث کے منصب پر طویل مدت سے فائز ہیں۔

آپ کا انتقال ۱۶/اپریل ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ مولانا خلیل رحمانی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

محمد زین العابدین سعیدی

(۱۹۲۰ء تا ۱۹۸۲ء)

ساکن: گوشپور پٹی، پوسٹ: بلبھدر پور، ضلع: سپول (بہار)

تاریخ پیدائش: ۷ر ستمبر ۱۹۲۰ء

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالہدیٰ بلائیماری، مالدہ مغربی بنگال میں پائی۔ مولانا منیر الدین استاذ تھے۔ پھر مدرسہ مظہر العلوم پیٹروا سپول میں مولانا عبدالعلیم مرشد آبادی اور مولانا مہر اللہ وغیرہم سے جماعت سادسہ تک تعلیم حاصل کی۔ بنارس میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے تکمیل حدیث کرکے فضیلت کی سند حاصل کی۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک مدرسہ اسلامیہ گوشپور پٹی (چلململیہ) میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس وتدریس اور خطابت وامامت کے فرائض انجام دیئے۔ اور بڑی جانفشانی سے طلبہ کو معیاری تعلیم سے آراستہ کیا۔ پھر مدرسہ دارالہدی بلائماری میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۹ء تک مدرس اول کے عہدہ پر فائز رہے۔

قابل ذکر اساتذہ میں مولانا محمد منیر الدین بنارسی، مولانا عبدالعلیم مرشد آبادی، مولانا مہر اللہ اور علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آپ نے تعلیمی، تدریسی اور انتظامی خدمات کے علاوہ مختلف جامع مساجد میں تاحیات خطابت وامامت فرمائی۔ آپ جماعت اہل حدیث کے رکن اور سرگرم خطیب ومقرر بھی تھے۔

آخری عمر میں درس وتدریس کی خدمات سے سبکدوش ہوگئے۔ اور ۲۴ر فروری ۱۹۸۲ء میں رحلت فرمائی۔

محمد سالم سلفی

(۱۹۱۷ء تا ۲۰۰۶ء)

مولانا محمد سالم سلفی بن محی الدین

ساکن: مولانگر، ضلع سیتامڑھی، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۷ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

آپ کے خاندان میں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا۔ آپ کے والد معمولی پڑھے لکھے تھے اور قرآن مجید وغیرہ تلاوت کر لیتے تھے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی پھر مولانا عبدالستار صاحب سے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں داخلہ لے کر ۱۹۳۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم کے اساتذہ میں مولانا عبدالغفور جیراج پوری، مولانا محمد اسحاق آروی اور مولانا محمد عثمان ازہری قابل ذکر ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد ایک سال تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں اعزازی طور پر تدریسی فریضہ انجام دیا۔ وہاں سے چندولی ہائی اسکول چلے گئے۔ یہاں بھی کچھ عرصہ مدرس رہے۔ اپنے والد کی تنہا اولاد تھے۔ زمین وجائداد کافی تھی، اس لیے ملازمت کو خیر باد کہہ کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں مولانا عبدالستار صاحب کے ضعیف ہو جانے کے بعد جمعہ وعیدین کی امامت وخطابت آپ کرتے رہے۔ پھر جب خود بھی کمزور ہو گئے تو مذکورہ ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے۔

بڑے ہی شریف النفس اور ذکی وذہین تھے۔ دیہات میں زندگی گزارنے کی وجہ سے کوئی قابل قدر تنظیمی خدمات کا موقعہ نہ ملا۔ فراغت کے بعد بستی میں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ اپنے ہم عصر علماء کے ساتھ شروع کیا اور اس تعلق سے کافی محنت کی۔ آج بھی لوگ آپ کی خدمات کو یاد کر کے دعائیں دیتے ہیں۔ ۱۱ر نومبر ۲۰۰۶ء کو انتقال کیا۔

سراج الدین خان سعیدی

(۱۹۲۴ء تا ۲۰۰۷ء)

مولانا سراج الدین خاں سعیدی بن محمد سلطان خان

ساکن: بارہ، محلّہ: کوٹ، ضلع غازی پور، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ء

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ہوئی اور اس کے بعد مولانا ارادت حسین سعیدی ان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کے مدرسہ سعیدیہ پل بنگش اپنے ساتھ لائے اور اسی مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ان کے استاد مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی تھے۔ مولانا فراغت کے بعد ۵ر جولائی ۱۹۴۶ء کو گھر کے لیے روانہ ہوئے اور ۶ر جولائی کو گھر پہنچے اور ۱۱ر جولائی ۱۹۴۶ء میں فراغت کی خوشی میں گاؤں میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا ارادت حسین نے کی۔ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور گاؤں کے لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔

کارنامے:

ان کا سب سے بڑا کارنامہ وخدمت قرآن کی تعلیم، حروف کے صحیح مخارج کی ادائیگی کے ساتھ بچوں کو پڑھایا۔ فراغت کے بعد سے اپنی بیٹھک پر ڈیلی سو بچوں کو قرآن بلا معاوضہ علی الصباح اسکول جانے سے پہلے پڑھاتے تھے۔ کبھی کسی دن بھی غیر حاضر نہیں رہے۔ پوری زندگی میں صرف ایک دن غیر حاضر رہے۔ جس کا ان کو بہت ملال بھی تھا۔ آخری عمر تک ان کا بچوں کو پڑھانا معمول تھا۔ ۱۹۹۲ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ان کا خاندان بہت بڑا ہے۔

علالت:

۱۴ر جون ۲۰۰۷ء کو دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور حملہ بہت شدید تھا۔ علاج ومعالجہ ایک

ہفتہ تک بنارس اسپتال میں چلتا رہا۔ اور آخر تک ہوش نہیں آیا اور بنارس میں اسپتال ہی میں انتقال ہوا اور لاش بنارس سے لائی گئی۔ تدفین بارہ میں اپنے قبرستان میں ہوئی اور نماز جنازہ ان کے صاحبزادے مولانا ارشد سراج الدین مکی نے پڑھائی۔

انتقال:

۲۱/جون ۲۰۰۷ء بروز جمعرات اور تدفین ۲۲/جون ۲۰۰۷ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ عمل میں آئی۔

محمد سعود

مولانا محمد سعود بن حافظ محمد بن مولانا لیاقت حسین بن مولانا محمد سعادت حسین

مقام: امواٹولہ شیخ، پوسٹ: امواؤ، وایا: پڑہی بازار، ضلع سیتامڑھی (بہار)

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۹ء (تخمیناً)

تعلیم:

ابتدائی تعلیم گھر کے دروازے پر حاصل کی، والد حافظ محمود نے گھر ہی پر مدرسہ قائم کیا ہوا تھا اور ایک استاد رکھا ہوا تھا جس کی تنخواہ وہ خود دیتے تھے اور تمام بچے گاؤں کے پڑھتے تھے۔ پھر بیراگنیا مدرسہ میں داخلہ لیا اور ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تعلیم مکمل کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ چلے گئے اور وہاں مولوی عالم تک کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا تسلیم الدین خان رحمانی (بھکورہر) مولانا عبدالغفار (پٹنہ) ہیں۔

دوران تعلیم ہی والد نے اپنی خدمت کے لیے واپس بلا لیا اور اپنے ساتھ رکھنے لگے، چنانچہ مزید تعلیم ان ہی کے زیر تربیت حاصل کی، والد جہاں جاتے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ بعد میں گاؤں ہی کے مدرسہ میں پڑھانے لگے۔ جب بزرگ ہوئے تو ساری ذمہ

داری مولانا مسعود کو سونپ دی چنانچہ بچوں کو پڑھانا، پنجوقتہ نماز پڑھانا، جمعہ کا خطبہ دینا، مضافات میں دعوت وتبلیغ کرنا وغیرہ تمام فرائض انجام دیتے تھے۔ گھر پر کپڑے کی چھوٹی موٹی دکان تھی جو روزی روٹی کا ذریعہ تھی۔ آپ بیراگنیا مدرسہ سے بھی متعلق رہے۔ برابر مدرسہ کا دورہ کرتے اور مشورہ سے نوازتے تھے۔ آپ کی دینی خدمات میں تدریسی ودعوتی پہلو قابل ذکر ہے۔ عرصہ دو سال سے صاحب فراش رہ کر ۶ر فروری ۲۰۰۸ء کو انتقال کر گئے۔

محمد سہراب خان فیضی

(۱۹۳۰ء تا ۱۹۷۹ء)

مولانا ابوالحارث محمد سہراب خان فیضی بن محمد عثمان خان

ساکن: بارہ، محلہ: کوٹ، ضلع غازی پور، یوپی

مولانا کی ابتدائی تعلیم بارہ مدرسہ اصلاحیہ میں ہوئی اور مولانا زین العابدین چکواوی ان کے استاد تھے۔

مولانا ارادت حسین ان کو بھی دہلی (مسجد ومدرسہ سعیدیہ پل بنگش) میں داخلہ کرایا۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا ابوالقاسم محدث سیف بنارسی کے مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں داخلہ لیا۔ سیف بنارسی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد مدرسہ فیض عام مئو چلے گئے اور وہیں سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی۔

مولانا کے ہم جماعت ساتھیوں میں مولانا مختار احمد ندوی تھے۔

مولانا ایک اچھے عالم باعمل اور اچھے خطیب کے ساتھ ساتھ بارہ گاؤں میں بہت ہی مقبول شخصیت تھی اور جہاں بھی رہے عوام الناس میں کافی مقبول رہے۔ کلکتہ کی لال مسجد میں کافی دنوں تک خطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اور کلکتہ ہی میں ان پر برین ہمبرج ہوا اور اسی میں ۶ر فروری ۱۹۷۹ء کو اللہ کے پیارے ہوگئے۔ لاش کلکتہ سے آبائی وطن لائی گئی اور وہیں

آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اعزازی طور پر درس وتدریس کا خدمت انجام دیتے رہے۔ رفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

مولانا نے مولانا عبدالحمید اثری، مولانا عبدالحمید ثانی، مولانا محمد یونس صاحب مومن کو فیض عام میں لے کر جا کر داخلہ کرایا اور ناظم فیض عام مولانا محمد احمد غازی پوری طلباء کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ ایسی سرزمین کے رہنے والے ہیں جہاں سے مجاہدین کا قافلہ گزرا اور شہیدین کا قیام رہا ہے اور سرزمین بارہ ہے۔

حکیم محمد سلیمان

(۱۹۰۶ء-۱۹۷۶ء)

مولانا حکیم محمد سلیمان بن محمد سرفراز خاں۔

موضع گلرہا، پوسٹ بدل پور، ضلع بلرام پور۔

تاریخ پیدائش ۱۹۰۶ء

تعلیمی مراحل:

تعلیم کی بسم اللہ گھر سے کی۔ مکتبی تعلیم مہراج گنج بازار کے مکتب میں حاصل کی۔ ثانویہ کی تعلیم کی تکمیل مدرسہ احمدیہ بلرام پور سے کی۔ پھر دارالہدیٰ یوسف پور میں داخل ہوئے اور یہاں کافی عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی جا کر مختلف مدارس میں داخل ہو کر استفادہ کیا۔ علم طب کے حصول کی طرف مائل ہوئے اور اس کی بھی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ آپ مفردات میں بڑا ملکہ رکھتے تھے۔

درس وتدریس:

ایم۔ پی۔ پی کالج بلرام پور میں شعبہ فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے

بعد استعفیٰ دے کر قصبہ تلسی پور میں تجارت سے جڑ گئے۔ یہ پیشہ بھی راس نہ آیا تو اس سے الگ ہو کر کاشتکاری میں لگ گئے۔ ۱۹۵۶ء میں حج بیت اللہ ادا کیا۔

تاسیس مدرسہ قاسم العلوم:

۱۹۵۸ء میں آپ کی کوششوں سے مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے استاد مولانا محمد عمر سلفی نامزد ہوئے اور ریٹائرڈ ہونے تک تدریسی خدمت پر مامور رہے۔ (ان کا تذکرہ اپنے مقام پر آئے گا)

وفات:

۱۹۷۴ء میں فالج کا پہلا حملہ ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں دوسرا اور جون ۱۹۷۶ء میں تیسرے حملہ میں جانبر نہ ہو سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدمات:

(۱) تدریسی خدمات: آپ نے کسی عربی ادارہ میں درس وتدریس کا فریضہ انجام نہیں دیا، صرف اس وقت کے عصری اسکول بلرام پور کالج میں اردو وفارسی کی تعلیم دی۔

(۲) تبلیغی خدمات: آپ نے تذکیر ونصیحت اور احیاء کتاب وسنت کا سلسلہ جاری رکھا۔ قرب وجوار کے مواضعات میں دعوت وتبلیغ کے لیے برابر گشت پر نکلتے تھے۔

(۳) تعلیمی خدمات: تعلیم کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہے۔ مدرسہ زینت العلوم سمرہن کی ہمیشہ دامے، درمے تعاون کرتے رہے۔ مدرسہ قاسم العلوم کے قیام کے بعد اس کی تعمیر وترقی میں آخری دم تک کوشاں رہے۔

(۴) جماعتی خدمات: افراد جماعت کو باہم مربوط رکھنے کے لیے ہمیشہ کوشش کی۔ جمعیت اہل حدیث سے آخری عمر تک مربوط رہے۔ نوگڑھ کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر علاقہ کی طرف سے خدمت کے لئے پیش پیش رہے۔ علاقہ کا دورہ کر کے چندہ کی

وصولی کی اور اجلاس میں شرکت کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا۔ ۱۹۶۸ء کی ریاستی کانفرنس تلسی پور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء (غالباً) میں مولانا امرتسری تلسی پور آئے تو گاؤں سے ایک وفد لے کر حاضر ہوئے۔

(۵) <u>مقامی جمعیت اہل حدیث کا قیام</u>: علاقہ میں جمعیت اہل حدیث کی تنظیم بنائی اور علاقہ کے افراد کو اس سے جوڑا۔ اس تنظیم سے مسلک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ کتاب وسنت کا احیاء ہوا، رسوم ورواج ختم ہوئے اور سنت کی بالا دستی قائم ہوئی۔

(۶) <u>تنظیم اصلاح المسلمین</u>: اس نام کی تنظیم قائم کی جس کے سربراہ تین بزرگ تھے ان میں ایک آپ بھی تھے۔ چند افراد مکلّف تھے جو گشت کرتے اور لوگوں کو مسجد کی طرف بلاتے۔ جو نہ آتے ان پر سماجی دباؤ ڈالا جاتا۔ ان کو درے بھی مارے جاتے۔ یہ تنظیم بڑی کامیاب رہی اور اس سے عوام کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اس تنظیم کے قائد مولانا اظہر مسلمؒ تھے۔

(۷) <u>تعلیم بالغان</u>: آپ کی عادت تھی کہ بعد نماز خصوصاً بعد نماز عشاء لوگوں کو جمع کر کے ضروری باتوں کی تعلیم دیتے۔ مختلف دینی مسائل پر لوگ مسائل پوچھتے اور آپ جواب دیتے۔ عوام الناس کو جماعت سے جوڑنے کے لیے باہم رائے مشورے ہوتے۔

(۸) <u>مدرسہ قاسم العلوم گلرہا</u>: اس کا سنگ بنیاد آپ نے اپنے ہاتھوں سے رکھا اور تا عمر اس کے صدر رہے اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ آپ ہی کی حیات میں جماعت رابعہ تک تعلیم ہونے لگی۔ آج الحمدللہ شعبۂ تحتانیہ، فوقانیہ اور عالیہ تینوں شعبوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اقامتی طلباء کے خورد ونوش کا منجانب مدرسہ معقول انتظام ہے۔ الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل، نیز منشی کامل وغیرہ کے امتحانات دئے جاتے ہیں۔ نیز جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کے امتحانات ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا اظہر بہاری، مولانا شکر اللہ اور مولانا حکیم محمد سلیمان کی خدمات اور ان سب کی مساعی اور ان تھک کوششوں کا ثمرہ ہے کہ ترائی علاقہ سے کفر وشرک، بدعات ورسوم

، تعزیہ داری، قبر پرستی، نیاز فاتحہ اور چہلم کا خاتمہ ہوا۔ دینی تعلیم کی طرف عوام کا رجحان بڑھا۔ دینی مدارس قائم ہوئے۔ آج بھی الحمد للہ! مسلک اہل حدیث اس ترائی کے علاقہ میں دن بدن پھل پھول رہا ہے۔ (تذکرۂ اسلاف)

حافظ شریف احمد جھمکاوی

(۱۲۷۹ھ تا ۱۳۴۰ھ)

حافظ شریف احمد بن عبدالکریم بن عبدالہادی۔

آپ صاحب ''دیوان گلشن ہدایت'' مولانا عبدالکریم مسلم کے دوسرے فرزند ہیں۔ ۱۲۷۰ھ میں جھمکا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اس دور کے حساب سے گھر پر حاصل کی۔ چنانچہ اردو، عربی، فارسی وغیرہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ، کانپور اور دہلی کا تعلیمی سفر کیا اور وہاں کے مدارس میں داخلہ لے کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی، مگر اداروں کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ شہر دہلی میں اس دور میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی علمیت اور فقاہت کا بڑا شہرہ تھا چنانچہ آپ کے درس میں شامل ہوکر احادیث کی کتابوں کی تعلیم حاصل کی اور جملہ علوم وفنون سے مستفید ہوکر وطن مالوف لوٹ کر والد صاحب کے مشن سے جڑ گئے۔

آپ کا پورا گھرانہ ہی انگریز مخالف تھا۔ اسی پاداش میں بہت سے لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ لیکن پھر بھی ان مجاہدوں نے اپنی سرگرمیاں ہر جاومکان جاری رکھیں۔ انہیں میں ایک آپ بھی تھے۔ جب پکڑے جانے کا خدشہ ہوا تو نیپال میں اقامت گزیں ہوگئے اور وہاں بھی دعوتی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ پھر سیدھے خراسان پہنچے اور وہاں بھی کافی عرصہ تک جہادی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ وہاں سے واپس آکر نیپال کے معروف قصبہ ''بھوری پیر گنج'' میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہوگئے اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری

رکھا۔ چنانچہ کلیا رنگپور، بھوانی پور، بریوا، بڑیا، رام پور، بیلوا وغیرہ میں اپنی کوششیں جاری رکھیں اور اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوئے۔ نیپال کے تر ہر علاقہ میں آپ کی بڑی عزت تھی۔ وہیں بیمار ہوئے اور ۱۳۴۰ھ میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور بیر گنج کے محلہ بھوری میں مدفون ہوئے۔

آپ صاحب اولاد تھے۔ حافظ خلیل الرحمٰن، مولانا عبدالوحید اور مولانا جمیل الرحمٰن آپ کے فرزند تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے دور کے باکمال فرد تھے۔

شفاء اللہ فیضی

(۱۹۵۴ء-۱۹۹۷ء)

مولانا شفاء اللہ فیضی بن محمد سلطان بن عبدالعزیز بن جان محمد بن بودھومیاں

مقام: جدوڈیہہ، ضلع جامتاڑا جھارکھنڈ۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۵۴ء۔

خاندانی پس منظر:

مولانا کے اجداد انگریزی دور حکومت میں لکھنؤ سے آ کر ساحل بڑا کر (ندی) میں آباد ہوئے۔ پھر بودھومیاں نے نقل مکانی اختیار کی اور ڈابھا کیند میں بودو باش اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے تین گاؤں (ڈابھا کیند، پھلجھریا اور جدوڈیہہ) میں اپنی اولاد کے لیے جائداد بنائی اور زمین خریدی۔ آج اس خاندان میں ایک درجن سے زائد علماء ہیں جو دینی واصلاحی کاموں میں مصروف ہیں۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالفلاح ٹوپاٹانڑہ میں ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک حاصل

کی۔ پھر جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۴ء تک تعلیم حاصل کی۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لینے کا شوق ہوا۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس آئے جہاں ۱۹۷۶ء تک تعلیم پائی مگر فراغت جامعہ اسلامیہ فیض عام سے ۱۹۷۷ء میں حاصل کی۔

مشاہیر اساتذہ:

مولانا ثناء اللہ ٹوپاٹانڑوی، مولانا احمد حسین ریاضی، جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو: مولانا محمد احمد ناظم صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن فیضی، مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مولانا وقاری عبدالسبحان مئوی، مولانا مختار احمد فیضی، مولانا محمد حنیف مدنی۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے اساتذہ میں: مولانا شمس الحق سلفی بہاری، مولانا ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی، شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبدالسلام مدنی۔

دعوتی وتدریسی خدمات:

جامعہ اسلامیہ فیض عام سے فراغت کے بعد مولانا اپنے وطن مالوف تشریف لائے اور ڈابھا کیند کی جامع مسجد میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ علاقے میں دورہ کر کے دعوت وتبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۷۷ء میں جامعہ محمدیہ ڈابھا کیند کا وجود عمل میں آیا تو اس کے ایک سال بعد ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ ڈابھا کیند کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے پھر ۱۹۹۴ء میں بیماری کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔ جب تک نظامت سے جڑے رہے اس کو ترقی دینے کی بھرپور کوشش کی۔ بیماری کے دنوں میں علاج ومعالجہ کے دوران مستقل مدرسہ ہی میں رہے اور یہاں کینسر کے مرض میں ۷/نومبر ۱۹۹۷ء کو انتقال کیا۔ اور آبائی قبرستان جدوڈیہہ میں دفن کئے گئے۔

آپ نے پوری زندگی نظامت جیسی اہم ذمہ داری کو نبھانے کے ساتھ چند کتابیں پڑھائیں۔ جمعہ کے خطبات کے علاوہ جلسہ عام میں اور مضافات میں دورہ کر کے لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس جامعہ کو ترقی دینے میں آپ نے اپنی زندگی

وقف کردی۔ جامعہ سے لگاؤ اور محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہونے کے بعد بھی قیام مدرسہ ہی پر رہا۔ اور وفات بھی مدرسہ ہی میں ہوئی۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے چند خصوصی تلامذہ میں مولانا ہود اشرف فیضی، مولانا عطاء اللہ ندوی، محمد جرجیس کریمی، عبدالسلام مدنی، کلیم انور مدنی، محمد مصطفیٰ اصلاحی اور اشفاق سجاد خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ تاریخ وفات: ۷/نومبر ۱۹۹۷ء

حکیم محمد شفیع

مولوی حکیم محمد شفیع بن مولانا حافظ عبدالرحیم بن حاجی بہادر مبارکپوری، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے بھائی ہیں۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد حافظ عبدالرحیم سے پڑھ کر اپنے بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے بقیہ کتابیں پڑھیں اور ان ہی سے طب وحکمت کی پوری تعلیم حاصل کرکے مطب جاری کیا اور قصبہ کے کامیاب ومشہور اطباء میں شمار ہوئے۔ (ماخوذ)

شفیع احمد سلفی

مولانا شفیع احمد سلفی بن مولوی ایوب بن الحاج غلام الرحمٰن

مقام: دوستیا، پوسٹ: گورھنوا، تھانہ: کنڈواچین پور، ضلع مشرقی چمپارن (بہار)

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۵ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان تعلیم یافتہ اور متمول تھا، جد امجد حاجی غلام الرحمٰن کا شمار علاقہ کے مشہور ومعروف لوگوں میں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی وجاہت مال وثروت کے ساتھ

ساتھ تقویٰ و دینداری کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔

اس علاقہ میں توحید وسنت کی باد بہاری مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے تبلیغی دوروں سے آئی، شرک وبدعت کے طلسم ٹوٹے اور مسلک اہل حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ مولانا رحیم آبادی کے ہمراہ ایک بڑا قافلہ بھی ہوتا تھا، جب یہ قافلۂ موحدین اس بستی میں اترتا تھا تو حاجی غلام الرحمٰن صاحب اس قافلہ کی ضیافت کیا کرتے تھے اسی طرح آپ کے والد ماجد مولوی ایوب صاحب جو فارسی کے ماہر تھے، تلاوت قرآن اور اذکار اور اوراد کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے یہ بھی علاقہ کے محبوب ومستند رہنما تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی بستی کی امامت وخطابت کا فریضہ انجام دینے علاقہ میں عمل بالحدیث کی دعوت عام کرنے اور باہمی جھگڑوں کو سلجھانے میں لگادی۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ احمدیہ بیراگنیاں (جو علاقہ کا واحد معیاری مدرسہ تھا) میں مولانا تسلیم الدین خاں رحمانی سے خصوصی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پھر مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ گئے اور مولانا صداقت حسین قاسمی کے زیر تربیت ونگرانی رہے، ۱۹۴۴ء میں آپ کی فراغت دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے ہوئی۔ یہاں آپ کے اساتذۂ کرام مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا محمد اسحاق آروی، مولانا عین الحق سلفی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبیداللہ عنبر پیغمبر پوری، مولانا عبدالغفور جیراجپوری تھے۔ ان میں جس استاذ سے آپ نے سب سے زیادہ استفادہ کیا وہ ہیں مولانا مصلح الدین اعظمی۔ جن کے آپ چہیتے شاگرد تھے اور جن کی کی تربیت ونگرانی نے آپ کو ''خطیب جماعت'' بنادیا۔

درس وتدریس:

آپ بڑے غیور وخوددار شخص تھے، تملق وچاپلوسی (جو بعض علماء کرام کا خاص شیوہ ہے)

سے احتراز کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ زیادہ دنوں تک اس پیشہ سے منسلک نہ رہ سکے، چند سالوں تک آپ نے مدرسہ دارالتکمیل مظفرپور اور مدرسہ بحرالعلوم موتیہاری (جسے آپ ہی نے قائم کیا تھا) میں تدریسی خدمت انجام دیا اور پھر طبابت کو آزاد پیشہ کی حیثیت سے اختیار کیا اور بیراگنیاں شہر میں عرصۂ دراز تک علاج و معالجہ میں مشغول رہے۔

تلامذہ:

مذکورہ بالا دونوں مدرسے میں آپ سے درج ذیل لوگوں نے استفادہ کیا۔

ڈاکٹر حبیب المرسلین شیدا سلفی، مولانا واعظ الحق ندوی، مولانا محمد قاسم لہسنیا، مولانا محمد انس سلفی واٹ گنج۔

علمی حیثیت:

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے فارغین میں بحیثیت خطیب آپ کا شمار ہوتا تھا اور آپ کے دور میں جب بھی مذاکرہ علمیہ کا جلسہ ہوتا تھا تو ابناء سلفیہ کی طرف سے آپ کی نمائندہ تقریر ہوا کرتی تھی، جماعت اہل حدیث کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جماعت میں اختلاف پیدا ہوا اور یہ جماعت دو دھڑے میں تقسیم ہوگئی۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور ''مؤتمر اہل حدیث'' جس کے ناظم مولانا عبدالحنان بہاری تھے ان کو اپنے مؤتمر اہل حدیث کے لیے ایک ایسے مبلغ کی ضرورت پڑی جو پورے ملک میں دورہ کرے اور دعوت وارشاد کا کام کرے، اس اہم عہدہ کے لیے معمار قوم ڈاکٹر سید فرید رحمہ اللہ نے آپ کا انتخاب کیا اور چند مہینوں تک آپ نے مبلغ کی حیثیت سے کام بھی کیا پھر بعد میں مصالحت ہوگئی اور جماعتی اختلاف ختم ہوگیا۔

اسی طرح اعیان جماعت نے جب یہ پاس کیا کہ کچھ نوجوان فضلاء حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی صحبت میں رہ کر فن مناظرہ سیکھیں تاکہ جماعت کی طرف سے دفاع کیا جائے تو اس کے لیے آپ کا بھی انتخاب ہوا تھا لیکن اسی دوران تقسیم ہند کا سانحہ پیش

آ گیا اور یہ پروگرام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔

دعوت وارشاد:

اگرچہ آپ کی زندگی کا بیشتر واہم حصہ علاج ومعالجہ میں گزر گیا لیکن اس دوران بھی آپ اپنے اس اہم فریضہ سے غافل نہیں رہے، وعظ وبیان خطبۂ جمعہ، خطبۂ عیدالاضحیٰ کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی وغیرہ کرتے رہے کچھ سالوں تک آپ مدرسہ احمدیہ بیراگنیاں کے نگران تعلیم بھی تھے، عربی طلباء کے لیے سوالات منتخب کرتے اور نمبرات بھی دیتے تھے، آپ اپنے علاقہ میں دینی مسائل میں مرجع تھے، علماء احناف پر آپ کا بڑا علمی رعب تھا، زندگی کے آخری دہائی میں چند سالوں تک مدرسہ کریمیہ ڈھاکہ کو سنوارنے اور المعہد الاسلامی چندن بارہ کو ترقی دے کر مدرسہ کی شکل دینے میں اپنی صلاحیتیں لگائیں لیکن مزاج میں چونکہ تحمل واستقلال کی کمی تھی، کسی صاحب ثروت کی بالادستی گوارہ نہ تھی اس لیے ان سے علیحدہ ہو گئے۔

جمعیت اہل حدیث سے تعلق:

۱۹۷۳ء میں جب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی مرکزی جمعیت کے صدر منتخب ہوئے تو انہوں نے صوبہ بہار کے اضلاع کی تشکیل فرمائی۔ چنانچہ آپ ضلعی جمعیت اہل حدیث مشرقی چمپارن کے صدر بنے اور علماء کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر پورے ضلع کا دورہ بھی کیا، ہر بستی میں ماہانہ اجتماع رکھا، افراد جماعت کو جمعیت سے جوڑنے اور الہدیٰ و ترجمان جاری کرانے کی کوشش کی، ان کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کیا، مشرقی چمپارن کا وہ دور جماعتی حیثیت سے بڑا زریں تھا، جو آج تک نہیں لوٹا اور جسے آج تک لوگ یاد کرتے ہیں، اس کاروان دعوت وبیداری میں آپ کے ہمراہ مولانا ہدایت اللہ سلفی، مولانا واعظ الحق ندوی، مولانا محمد قاسم محمدی اور ناظم جمعیت مولانا محمد انس سلفی شریک تھے اور یہ سارے لوگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اہل وعیال:

اللہ نے آپ کو پانچ نرینہ اولاد عطا کیا ان کی آپ نے بڑی اچھی تربیت فرمائی ان میں چار

عالم دین ہیں۔ آپ کے دو صاجزادے سلفی ومدنی ہیں اور دو تیمی ہیں اور ابھی دینی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔

انتقال:

آخری ایام میں کبرسنی کی وجہ سے دماغی توازن کمزور ہوگیا تھا۔ چنانچہ چند ماہ تک صاحب فراش رہ کر ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۴ء بروز جمعرات آبائی وطن میں دنیا فانی سے کوچ کیا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

شفیق اللہ سلفی

(۱۹۲۶-۱۹۸۰ء)

مولانا شفیق اللہ سلفی بن منشی ولی اللہ بن حافظ عبداللہ

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں اور مضافات کے مدارس میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں داخل ہوئے اور عربی کے جملہ علوم وفنون کی تحصیل کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۵۸ھ میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنا رخ بدل دیا اور سیاست میں داخل ہوگئے۔ اس پلیٹ فارم سے بڑے دینی، ملی، سماجی اور اصلاحی خدمات انجام دیئے۔ اس دور میں سیاست میں کوئی مادی منفعت نہ تھی، بلکہ سراسر گھاٹے کا سودا تھا، پھر بھی آپ اس سے جڑے رہے۔ اپنی تقریروں میں حکومت کی سخت نکتہ چینی کرتے۔ مصلحت کوشی اور مداہنت سے دور رہ کر حق پسندی کو اپنا شیوہ بنایا۔ آپ کا سیاسی تعلق کانگریس پارٹی سے تھا، بہار اسمبلی میں کانگریس کے ممبر رہے۔ ۱۹۷۷ء میں مدھوبنی پارلیمانی حلقہ سے امیدوار ہوئے لیکن ناکامیاب رہے۔ ۱۹۸۰ء میں دوبارہ کانگریس کے ٹکٹ پر امیدوار ہوئے اور کامیاب ہوئے۔

آپ صالح طبیعت کے تھے۔ نہایت خلیق، ملنسار اور متواضع تھے۔ مدرسہ اسلامیہ بھوارہ

مدھوبنی کے صدر بھی رہے۔ اپنی بساط بھر جب تک باحیات رہے ملک وملت کی خدمت کرتے رہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر عبدالقیوم انصاری سے بڑے قریبی روابط تھے۔

آپ کے آخری ایام زیادہ تر دہلی اور پٹنہ میں گزرے۔ ۱۷ رفروری ۱۹۸۰ء کو ۸ر بجے شب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

محمد شکر اللہ سعیدی

(۱۹۲۰ء تا ۲۰۰۷ء)

مولانا محمد شکر اللہ سعیدی (بنارس)

سن پیدائش: ۱۹۲۰ء بمقام بارہ، غازی پور

ابتدائی تعلیم مدرسہ اصلاحیہ بارہ میں مولانا زین العابدین چکواوی سے ہوئی۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک اصلاحیہ میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۳۰ء میں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۸ء تک وہیں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۳۸ء میں الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے اور ۱۹۴۱ء میں مسجد و مدرسہ سعیدیہ پل بنگش دہلی میں داخلہ لیا اور وہاں ایک سال پڑھنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں آندولن شروع ہوگیا، اس کے بعد گھر چلے گئے پھر کچھ دنوں گھر پر رہنے کے بعد مولانا محمد قاسم محدث سیف بنارسی، مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس آگئے اور وہاں دوسال تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار گیارہ بجے دن وفات پائے۔ تدفین آبائی وطن بارہ میں ہوئی۔ نماز جنازہ ان کے بھتیجے عبدالحق نعمت علی سلفی نے پڑھائی۔

شکر اللہ گونڈی

مولانا شکر اللہ خاں عرف برخوردار خاں بن مصاحب خاں بن دُلّا خاں بن ناہر

خاں۔آپ کی کنیت ''ابو عبد الرب'' ہے۔

پیدائش:

۱۹۱۵ء میں موضع سرہن کلاں، پوسٹ مجھنی، ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) میں پیدا ہوئے۔یہ موضع کواپور ریلوے اسٹیشن سے پورب جانب چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ایک میاں صاحب سے حاصل کی۔پھر پرائمری درجات تک تعلیم موضع مجھنی کے سرکاری اسکول میں حاصل کی۔گھر کے لوگ آگے کی تعلیم نہیں دلانا چاہتے تھے لیکن حصول علم کے شوق میں چپکے سے گھر سے فرار ہوکر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں داخلہ لیا اور تین سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔

سفر دہلی:

مزید اعلیٰ اسلامی تعلیم کے حصول کے لئے دہلی میں مدرسہ زبیدیہ میں داخلہ لیا۔یہاں بھی ۳ سال تک رہے۔پھر ۱۹۳۶ء میں مدرسہ میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے فضیلت کی سند حاصل کی۔بعد میں طب وحکمت کی تعلیم کی بھی تکمیل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام:

جامعہ سراج العلوم کے اساتذہ میں: مولانا محمد یونس، اور مولانا محمد یسین کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

زبیدیہ کے اساتذہ میں: مولانا عبید اللہ اناوی، مولانا محمد یونس پرتاپ گڑھی، مولانا بشیر احمد سہسوانی وغیرہم کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرکے جملہ علوم کی تکمیل کی۔

دوران تعلیم مدرسہ زبیدیہ، مہتمم ومتولی جناب عبد المتین صاحب آپ پر بہت مہربان تھے۔کھانا کپڑا اور جملہ اخراجات وہی مہیا کرتے تھے۔مدرسہ میاں صاحب، جس میں

داخلہ لینے کے بعد یہاں کے مہتمم محمد امین صاحب بھی آپ کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ چونکہ آپ بچپن ہی سے ذکی، سنجیدہ اور نیک طبیعت کے تھے اس لیے جہاں بھی گئے وہاں کے ذمہ داران اور اساتذہ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور کمال درجہ تک پہنچا دیا۔ و کان سیعھم مشکورا۔ سند فضیلت ۱۹۳۷ء میں حاصل کی۔

واپسی وطن:

گھر سے نکلے تو اولاً ۱۹۳۰ء میں بونڈ یہار گئے، وہیں سے دہلی روانہ ہو گئے اور ۱۹۳۷ء تک (گویا ے سال کی مدت تک) گھر سے دور رہے۔ آپ کو واپس لانے آپ کے چچا عبدالغنی دہلی گئے اور مولانا عبیداللہ اٹاوی سے گزارش کی تو انہوں نے انکار کیا۔ بلکہ اپنی مسند درس خالی کر دی اور اپنی بیٹی کا نکاح مولانا سے کرنے کو تیار ہو گئے۔ مگر ہزار منت سماجت کے بعد واپس جانے کی اجازت دی چنانچہ ۱۹۳۷ء میں آپ فضیلت کی سند لے کر وطن واپس آئے۔

دعوت و تبلیغ:

حصول علم دین کے بعد واپس آکر دعوت و تبلیغ کے مشن کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا جسے مولانا اظہر مسلم بہاری، مولانا اللہ بخش بسکوہری، قاری عبدالحق (بانسی) اور مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ (علاقہ سعد اللہ نگر بلرام پور) نے جاری کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے پہلا اقدام یہ کیا کہ اپنے خاندان، گاؤں اور اطراف واکناف کے لوگوں کے تعاون سے ۱۹۳۸ء میں ایک دعوتی و تبلیغی اجلاس کا اہتمام کیا جس میں ملک کے اکابر علماء اہل حدیث بالخصوص میاں صاحب کے شاگرد مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی شریک ہوئے۔ اور اجلاس کے بعد مولانا محمد یوسف شمس ہی کے ہاتھوں مدرسہ "زینت العلوم" کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو اس علاقہ میں اپنی نوعیت کا پہلا دینی ودعوتی اور تعلیمی وتربیتی مدرسہ تھا۔

مولانا مرحوم نے اس مدرسہ کو دعوت و تبلیغ اور دینی رجحانات کے فروغ کے لیے

مرکز بنایا۔اس مدرسہ سے جڑ کر مولانا مرحوم نے دو اہم امور انجام دیئے۔(۱) دعوت وتبلیغ کی ،پورے علاقہ کا دورہ کیا،شرک وبدعت اور سیئات کے خلاف ہمہ گیر مہم چلائی،علاقہ کی مساجد میں جمعہ جماعت کو قائم کرایا۔(۲) اس مدرسہ سے جڑے رہ کر تصنیفی وتالیفی امور انجام دیئے جن کی تعداد ۸ ہیں۔جو اس دور میں علاقہ کی صلاح و فلاح کے لیے نسخۂ کیمیا تھیں۔

خدمات پر اجمالی نظر:

(۱) تعلیمی خدمات: علاقہ میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا،اس لئے مدرسہ زینت العلوم کو قائم کیا علاقہ کے بچوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا۔اور تا حیات اس مدرسہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

(۲) تدریسی خدمات: فراغت کے بعد سے تا حیات اس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔عربی درجات کی جماعت رابعہ تک تعلیم کا معقول انتظام کیا۔کچھ مقیم طلباء بھی تھے جن کے کھانے پینے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے کرتے تھے۔

(۳) تبلیغی خدمات: یہی وہ خدمت ہے جو اظہر من الشمس ہے اور اسی کارنامہ کی وجہ سے علاقہ میں آج تک لوگوں کی زبانوں پر ذکر خیر ہے۔آپ نے علاقہ کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا موضع تک نہ چھوڑا۔یہ آپ کی دعوت وتبلیغ اور مساعی جمیلہ کی دین ہے کہ لوگ کفر وشرک سے توحید کی طرف مائل ہوئے۔نماز وروزہ کے پابند بنے۔دینی تعلیم کی طرف لوگوں کا رجحان ہوا۔بدعات وسیئات سے متنفر ہوئے۔زکوۃ وعشر کی ادائیگی کرنے لگے اور اس دور کی یاد تازہ ہوگئی جس دور میں مولانا اظہر،مولانا اللہ بخش وغیرھم باحیات تھے۔

(۴) اصلاح سماج: سماج اور معاشرہ میں صلاح وفلاح کی بھر پور کوشش کی،اتحاد واتفاق اور ایکتا بیدار کرنے کی کوشش کی۔نزاعی معاملات کے لیے خود چل کر جاتے اور فیصلہ کرتے ،لوگ بخوشی مان لیتے۔

تصنیفی خدمات:

آپ نے علاقہ کی برائیوں کو سامنے رکھ کر انہیں کو موضوع بنایا اور عوامی زبان میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ خالص دیہی علاقہ میں رہتے ہوئے جہاں علمی مصادر ومراجع بھی مفقود ہوں ایسی لازوال ولاجواب کتب کی تصنیف ایسی شاندار کامیابی ہے جو کسی اور عالم دین کو میسر نہیں۔

(۱) معیار اسلام (اردو) صفحات: ۱۳۲ مطبوع ۱۹۴۵ء

(۲) آئینہ اسلام (اردو) صفحات: ۸۸ مطبوع ۱۹۴۴ء

(۳) شمع اسلام (اردو) صفحات: ۲۰۰ مطبوع ۱۹۴۷ء دو حصوں میں۔

(۴) رہبر اسلام (اردو) صفحات: ۸۸ مطبوع ۱۹۵۰ء

(۵) ارکان اسلام (اردو) صفحات: ۳۲۴ مطبوع ۱۹۵۷ء

(۶) احکام اسلام (اردو) صفحات: ۴۵۸ مطبوع: ۱۹۵۹ء

(۷) انوار اسلام (اردو) صفحات: ۶۰۸ مطبوع: ۱۹۶۰ء

ان کتب کے علاوہ بھی بہت سے قابل ذکر کتابچے ہیں جنہیں چھپوا کر مولانا نے مختلف علاقہ جات میں مفت تقسیم کرایا اور ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی بھیجا۔ ان میں ’’تحفۂ عید الاضحیٰ‘‘، ’’تحفۂ حج بیت اللہ‘‘ ’’مسائل عشر وزکوۃ‘‘ ’’ترقیات مدرسہ زینت العلوم‘‘ وغیرھم کتابچے شامل ہیں۔

مولانا کی خواہش ’’عقائد اسلام‘‘ نام کی ایک کتاب لکھنے کی تھی، لیکن اجل نے مہلت نہ دی تو مولانا عبدالمبین صاحب منظر کو صاحب یہ کام سونپ دیا اور چھپوانے کے پورے اخراجات بھی دیئے۔ مولانا نے بھی حسب وصیت طبع کروا کر ملک کے طول وعرض میں مفت تقسیم کرایا۔

مناقب ومحاسن:

مولانا مرحوم باعمل، خداترس، منکسر المزاج، رقیق القلب، شریعت کے پابند اور با

حمیت انسان تھے۔ برائیوں کے انسداد کے لیے بہت سے مواقع پر عملی اقدام بھی کیا، تعزیہ رکھنے کے چبوتروں کو اکھاڑ پھینکا، تعزیہ پرستی سے روکا۔ ڈھول تاشہ بجانے سے منع کیا۔ تقلید شخصی کا خاتمہ کیا۔ بدعات ورسوم کا قلع قمع کیا۔ الحمدللہ آج تک موضع میں پھر اس کار بد کو کسی نے نہیں کیا۔

وفات:

آپ نے حج بیت اللہ کے لیے سفر کیا واپس آکر بیمار ہو گئے۔ یہ سلسلہ پورے ایک سال تک چلا۔ چھ ماہ تک تو صاحب فراش رہے۔ بالآخر ۱۹۶۵ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ وصیت کے مطابق مدرسہ ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے اکلوتے صاحب زادے مولانا عبدالرب گونڈی ہیں جو بفضلہٖ مولی والدگرامی کے نقش قدم پر سرگرم عمل ہیں۔ آپ کا ذکر آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

شکیل احمد اثری

(۱۹۶۶ء-۲۰۰۸ء)

مولانا شکیل احمد بن الحاج وکیل احمد

محلّہ: مودن پورا، مئو، یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۵/دسمبر ۱۹۶۶ء۔

خاندانی پس منظر:

مولانا مرحوم مئو کے ایک مشہور، دین پسند اور اہل علم گھرانہ کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے دادا الحاج فیض الرحمٰن (بے) علاقہ کے معروف بزرگ تھے۔ آپ کے والد الحاج وکیل احمد نیک طینت، شریف النفس، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور خالص دینی مزاج رکھتے ہیں۔ آپ کے چچا الحاج ابوالخیر ایک عرصہ تک جامعہ اثریہ دارالحدیث کے ممبر اور نائب ناظم رہے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے از ابتداء تا انتہاء جملہ علوم وفنون کی تعلیم جامعہ اثریہ دارالحدیث سے حاصل کی۔ وہاں سے پرائمری، منشی، عالمیت اور فضیلت کے علوم کی تکمیل کر کے ۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ مفتی عبدالعزیز اعظمی نے سند اجازہ عطا فرمائی۔

دوران تعلیم یہیں سے منشی کامل، مولوی اور عالم وفاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

۱۹۸۷ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی منظوری آئی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الحدیث الشریف کا چار سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۹۱ء مطابق ۱۴۱۱ھ میں بی اے کی سند حاصل کی اور وطن لوٹے۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں: مولانا مشتاق احمد شوق، مولانا محمد مصطفیٰ، مولانا فیض الرحمٰن فیض، مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری، مولانا مختار احمد اختر فیضی، مولانا محمد احمد اثری اور مولانا عبدالشکور اثری وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی مراحل:

جامعہ اثریہ سے فراغت کے بعد اسی ادارہ میں مدرس مقرر ہو گئے اور ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دی۔

مدینہ منورہ سے واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد جامعہ فیض عام مئو میں بحیثیت استاذ تقرری ہوئی اور اپنی حیات کے آخری دن تک اسی ادارہ میں درس وتدریس، تعلیم وتربیت اور تصنیف وتالیف سے وابستہ رہے۔

اخلاق وعادات:

موصوف بڑے ہی خوش طبع، باوقار اور زیرک انسان تھے۔ سب سے اہم چیز جو آپ کی

شخصیت کو ممتاز کرتی ہے وہ تھی آپ کی معاملہ فہمی، دوراندیشی، حکمت و دانائی اور عمر سے کہیں زیادہ تجربہ۔ آپ سے تعلق خاطر رکھنے والے آپ کی حکیمانہ باتوں اور مبنی بر تجربات مشوروں سے برابر مستفید ہوتے۔

آپ کے شاگرد رشید مولانا ابوطاہر فیضی (پورنیہ) جو حسنِ اتفاق سے آپ کے ترجمہ کی کمپوزنگ بھی کررہے ہیں، کے مطابق آپ جملہ علوم وفنون کی تدریس میں مہارت رکھتے تھے، لیکن علم الفرائض میں خصوصی دلچسپی تھی۔ اس فن پر آپکو زبردست ملکہ حاصل تھا۔ آپ جس مضمون کو پڑھاتے تو اس کے متعلق اہم کتابوں اور مصنفین کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالتے اور اسے نوٹ کراتے۔ دوران درس موضوع کی مناسبت سے مطالعہ کے لائق کتب کی طرف رہنمائی کرتے رہتے۔ آپ کے درس دینے کا انداز ایسا تھا کہ طلباء بڑی دلجمعی کے ساتھ سنتے۔ اختتام درس کے بعد طلباء سے ضرور پوچھتے، طلباء کو سمجھنے میں دشواری ہوتی تو دوبارہ اس کی توضیح کرتے۔ اللہ پاک نے آپ کو ہر مجال میں بھرپور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ درس وتدریس سے زیادہ لگاؤ اور شغف تھا، اسی لئے تصنیف وتالیف کے میدان میں کوئی قابل قدر خدمات نہ انجام دے سکے۔

آپ شوگر کے مریض تھے اس لیے صحت زیادہ متاثر تھی، لیکن پھر بھی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ آخری دن سوموار کو تمام گھنٹیاں پڑھائیں اور ہنسی خوشی گھر لوٹے۔ بعد نماز عشاء دل کا دورہ پڑا، فوراً حلیمہ اسپتال لے جائے گئے، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ۱۷/مارچ ۲۰۰۸ء پیر کی شب ۱۱ بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر آپ کے برادر مولانا شفیق احمد ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

پسماندگان میں بھرا پُرا خاندان ہے۔ والدین اور زوجہ باحیات ہیں۔ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ مرحوم آٹھ بھائی اور ۲ بہن تھے۔ ایک بھائی اور بہن کو چھوڑ کر سبھی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

شمس الحق سلفی

(۱۹۱۵ء تا ۱۹۸۶ء)

مولانا شمس الحق سلفی بن مولانا رضاء اللہ

ساکن بلکٹوا، ضلع مدھوبنی، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۳ھ

تعلیم وتربیت:

آپ نے اردو، فارسی اور قرآن مجید کی تعلیم گھر پر حاصل کی، کیوں کہ آپ کے والد نے گھر پر ایک استاد مقرر کر رکھا تھا جو گھر کے تمام بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جب ہوش سنبھالا تو مدرسہ محمدیہ (دیودھا) میں داخلہ لیا جہاں مولانا عبدالرب دیودھاوی سے عربی کتب کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ پھر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) میں داخلہ لے کر مولانا اصغر علی چھپراوی، مولانا عبدالغفور جیراج پوری، مولانا محمد اسحاق آروی اور مولانا محمد عثمان ازہری وغیرہم سے مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی اور ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں نصابی تعلیم سے فارغ ہوگئے۔

دعوت وتبلیغ:

فراغت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک علاقے میں دعوتی وتبلیغی دورے کیے۔ اس دوران پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان دینے دہلی آگئے اور اورینٹل کالج فتح پوری میں مولانا سعید اکبرآبادی وغیرہم سے استفادہ کر کے امتحان دیا۔ وہاں سے واپس آکر اپنے بھائی مولانا عین الحق سلفی کے ساتھ مل کر ترائی نیپال کے علاقے کا دعوتی واصلاحی دورہ کیا۔ جگہ جگہ مدارس قائم کرائے، مسجدیں بنوائیں۔ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس سلسلہ میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، بہت سے مواقع پر

ان کا بائیکاٹ ہوا، کئی مقدمے چلائے گئے۔ طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں، لیکن دونوں بھائی اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے مشن میں لگے رہے اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔

تدریس:

ایک مدت تک دعوتی سرگرمیوں کے بعد تدریس کی طرف آمادہ ہوئے اور ابتداء اپنے ہی مادر علمی سے کی۔ ماہ وسال کے آئینے میں آپ کی تدریسی خدمات کی تفصیل یوں ہے:

دار العلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۶ء

مدرسہ نجم الہدیٰ آم تلہ (مرشد آباد) ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۶ء

مدرسہ اسلامیہ صالح ڈانگہ (مرشد آباد) ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء

جامعہ فیض عام مئو (یوپی) ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۷ء

دوران تدریس حج بیت اللہ شریف۔

دار العلوم احمدیہ سلفیہ (دوسری بار) ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۹ء

مدرسہ دار الحدیث (بیل ڈانگہ، مرشد آباد) ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء

جامعہ سلفیہ دار العلوم بنارس ۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۳ء

دوسری بار حج بیت اللہ شریف ۱۹۸۴ء

جامعہ سلفیہ جنک پور:

اس عرصہ میں دونوں بھائیوں کا سب سے اہم کارنامہ نیپال کے شہر جنک پور میں ۱۹۶۶ء میں ''شمس الہدیٰ'' کی تاسیس ہے۔ یہ پہلا عربی مدرسہ تھا جو اس علاقہ میں کھولا گیا۔ بعد میں اس کا نام بدل کر ''جامعہ سلفیہ'' رکھ دیا گیا۔ یہ ایک اقامتی ادارہ تھا۔

وفات:

آپ جامعہ سلفیہ میں آخری ۲ سال شعبۂ تبلیغ سے منسلک رہے، اس دوران مسلسل سفر کرنا

پڑا جس سے صحت پر برا اثر پڑا۔ چنانچہ ایک سفر سے گھر واپسی کے دوران راستہ ہی میں فالج کا حملہ ہوا لیکن یہ حملہ معمولی تھا۔ پھر دوسرے دن دوبارہ حملہ ہوا جس سے گویائی بند ہوگئی۔ علاج ومعالجہ کے بعد کچھ حد تک شفایابی ہوئی اور خود بخود چلنے پھرنے کے لائق ہوگئے، دریں اثنا سینہ میں درد اٹھنے لگا، بالآخر اسی درد میں ۳ر جولائی ۱۹۸۶ء مطابق ۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ بروز پنجشنبہ پونے تین بجے بعد دوپہر ستر سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔

آپ نے پوری عمر درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں گزاری۔ فراغت کے بعد لگ بھگ ۵۰ سال تک بہار، بنگال اور یوپی کے مدارس میں بحیثیت شیخ الحدیث فریضہ انجام دیا۔ اس طویل عرصہ میں آپ سے ہزاروں طلباء مستفید ہوئے۔ اس وقت اکثر اہل حدیث اداروں میں آپ کے تلامذہ نظر آئیں گے، بلکہ بعض ادارے تو آپ کے تلامذہ ہی سے آباد ہیں۔

فتاویٰ نویسی:

آپ جہاں بھی رہے تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی یا فتاویٰ پر نظر ثانی اور ان پر تصدیق کا کام آپ ہی کے ذمہ رہا۔ آپ کے دئے گئے فتووں کو اکٹھا کیا جائے تو کئی سو فتوے اکٹھا ہو جائیں گے۔ فتاوی کے علاوہ آپ نے بہت کم لکھا، اس لیے باقاعدہ آپ کی کوئی تصنیف وتالیف نہیں ہے۔

آپ کی علمی صلاحیت اور تدریسی قابلیت کے اساتذہ وطلباء بھی معترف تھے۔ آپ جہاں بھی رہے خطبۂ جمعہ پابندی سے دیتے رہے۔ مختلف جلسوں میں شرکت کے لیے دور دور سے لوگ بلانے آتے تھے۔ آپ کے تقریر کرنے کا انداز بالکل ہی نرالا اور دلنشیں تھا۔ سیاسی طور پر آپ کانگریس کے حامی تھے، مولانا ابوالکلام آزاد سے بڑی عقیدت تھی۔

اولاد:

آپ نے پانچ نرینہ اولاد چھوڑی، زہیر انور، محمد عزیر، محمد عمیر، محمد زبیر، محمد نمیر۔ سبھی ماشاء اللہ دینی ودنیاوی علوم سے مالا مال ہیں اور اپنے اپنے مجال کار میں مصروف عمل ہیں۔

شمس الہدیٰ

مولانا شمس الہدیٰ بن مولانا عبدالرؤف بن حاجی علیم الدین

ساکن: عبداللہ پور، پوسٹ اگلوئی، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ۔

تاریخ پیدائش: ۱۵ر جنوری ۱۸۹۷ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد محترم معزز عالموں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کے دادا پردادا حج سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے مرحوم کا خاندان ''حاجی خاندان'' سے موسوم کیا جاتا تھا۔

تعلیمی لیاقت:

ابتدائی تعلیم مکتب سے لے کر درجہ ہشتم تک حاصل کرنے کے بعد عربی و فارسی کی کتب مختلف مدراس میں حاصل کی۔ مرحوم بہت ہی ذہین و فطین تھے۔ امتحان میں اول درجہ حاصل کرتے تھے۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا عبدالرؤف، مولا بخش، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا عبدالحنان عبداللہ پوری وغیرہم۔

قابل قدر خدمات:

علاقے میں علم دین کا چرچہ کم تھا، گاؤں کے اندر ابتداء مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کراتے تھے، اور گاؤں میں جا جا کر دینی مزاج پیدا فرماتے تھے۔ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ تقسیم ہند سے قبل ۱۹۴۰ء میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ اسلامیہ (جامعہ اسلامیہ سلفیہ)

عبداللہ پور کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کی شہرت چہار دانگ عالم میں ہے۔ آپ تاحیات اس مدرسہ کے سکریٹری و مربی و محسن کے طور پر خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ سماجی سیاسی ورفاہی مجال کار میں پیشوائی حاصل تھی۔ بزبان بنگلہ صحافت کا ذوق رکھتے تھے۔ مختلف مجلات میں مضامین رقم فرماتے تھے۔

قابل ذکر تلامذہ:

مولانا بنی اسرائیل مرحوم، مولانا سعید الرحمٰن ندوی، مولانا عبدالسلام، مولانا عبدالرؤف شمیم، مولانا ابوالقاسم گنگا پرساد، مولانا بحر عالم سلفی، مولانا اسحٰق مدنی وغیرہ۔

قابل قدر تنظیمی خدمات:

جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور کے مؤسس تھے۔ مولانا عبدالوہاب آروی کی سرکردگی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے اراکین میں شامل تھے۔ مولانا مصلح الدین اعظمی کے ہمراہ مختلف بدعات وخرافات کا قلع قمع فرمایا نیز جامعہ میں شعبۂ دعوت وتبلیغ قائم کر کے منظم انداز میں سلفی دعوت وفکر کی خوب خوب اشاعت کی۔ مرحوم سلفی تحریک کے قائدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

مزید تفصیلات:

جن لوگوں کی مرحوم کے ساتھ صحبت رہی وہ سب آپ کے ثنا خواں اور بہی خواہ تھے۔ مولانا مصلح الدین اعظمی رحمہ اللہ کے ساتھ بڑی اچھی رفاقت تھی۔ جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور میں تدریسی خدمت انجام دیتے وقت اکثر آپ سے رائے مشورے لیتے۔ اور جامعہ کی تعلیم وترقی نیز مختلف موضوعات پر گفت شنید کرتے۔ مرحوم کی سوانح بنام "صاحب گنجی علماء اہلحدیث اوران کے کارنامے" میں قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ بنگلہ زبان میں مولانا عبدالرؤف شمیم اور مولانا مبارک کریم چودھری کولکتوی نے "صوفی سماج اوران کے

کارنامے'' میں کیا ہے۔ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام نصیب فرمائیں

شہاب الدین دیوان

مولانا شہاب الدین بن منشی منیر الدین دیوان

ساکن: کوکیلا، پوسٹ: کوکیلا، تھانہ: آبھاپاپوری، ضلع: بونگائی گاؤں (آسام)

تاریخ پیدائش: سوسال قبل (۱۹۰۸ء) میں آپ کے والد محترم مَن مَن سنگھ ضلع میں پیدا ہوئے۔ جو آج کل بنگلہ دیش کا ایک ضلع ہے۔ سوسال سے آسام کے ایک ضلع جو بونگائی گاؤں کے نام سے مشہور ہے اپنے خاندان سمیت آباد ہیں۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم آپ نے سرباری، مَن مَن سنگھ پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ بعدازاں اسی جگہ ہائی اسکول کی تعلیم بھی مکمل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ نے کولکاتا کا سفر کیا اور یہاں وہاں کلکتہ عالیہ بورڈ میں دوسال تعلیم کی تکمیل کرکے ممتاز المحدثین (M.M.) کی سند حاصل کی۔ قابل ذکر اساتذہ میں مولانا طاہر حسین (کاچار، آسام) کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

(۱) مولانا جمال الدین سلفی پریسیڈنٹ جامعہ اسلامیہ سلفیہ (آسام) (۲) مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم ''اول سکریٹری'' صوبائی جمعیت اہلحدیث (آسام) (۳) مولانا عبدالودود دیوان ''سکریٹری دوم'' صوبائی جمعیت اہلحدیث (آسام)

قابل ذکر خدمات:

سب سے پہلے آپ بالا فاؤں ہائی اسکول میں ایک عربی استاد کی حیثیت سے داخل

ہوئے۔ اس ادارہ میں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۶ء تک خدمات انجام دی۔ ۱۹۷۶ء میں عربک کالج گونیال گوری بارپیٹا کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے اور تاحیات (۱۹۹۶ء تک) فائز رہے۔ ۱۹۸۸ء میں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے ایک باکمال مدرس ہونے پر ''نیشنل ایوارڈ'' حاصل کیا۔ ۱۹۷۶ء سے تاحیات (۱۹۹۶ء تک) امیر جمعیت اہل حدیث آسام کے عہدہ پر رہے۔

مشہور ادارہ جامعہ اسلامیہ سلفیہ ہونار پام بارپیٹا کی سنگ بنیاد آپ کے ہاتھ سے رکھی گئی۔ بیس سے زائد مکاتب ومدارس کی بنیاد آپ نے رکھی۔ آل آسام ٹیچرس ایسوی ایشن کے صدر کے عہدہ پر پانچ سال خدمت کی، اور اسی دوران چھیاسی (۸۶) مدارس مکمل سرکاری نامزد ہوئے۔ آل آسام مکاتب ومدارس کے سرکاری انسپکٹر کے عہدہ پر بھی ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۶ء تک فائز رہے۔

قرآن وحدیث کی تبلیغ کو عام کرنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں بیس سے زائد اہلحدیث کانفرنسیں کیں۔ مختلف اوقات میں مختلف گاؤں اور ان کے محلوں میں جا کر لوگوں کو اسلامی عقیدہ کی طرف دعوت کی، لوگوں کو بدعات وخرافات سے متنبہ کیا۔ اور خالص توحید کے راستہ کی طرف دعوت دی، مسلمانان آسام جو شرک وبدعات کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے ان میں سے بہتوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، اور سلفیت کا چراغ لوگوں کے گھروں میں روشن ہوا۔

آپ نے اسلامی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ آسام کے مشہور سیاست دانوں کے ساتھ بھی تعلقات قائم رکھا۔ آسام کے وقتی وزیر اعلیٰ بیگم انوارہ تیمور اور وزیر اعلیٰ ہیتے سور سیکایہ اور وزیر اعلیٰ آسام پرپھل کمار مہانتو اور وزیر تعلیم آسام کے ساتھ خوشگوار تعلقات تھے۔

۲۶/ مارچ ۱۹۹۶ء کو دنیائے فانی سے دار البقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔

(مرسلہ: سعد اللہ دیوان)

الحاج محمد صالح

(۱۸۸۳ء-۱۹۷۳ء)

سابق صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس الحاج مولانا عبدالغفار صاحب آف علی جان کے بڑے صاحب زادے تھے۔ ۱۸۸۳ء کے آس پاس پرانی دہلی میں پیدا ہوئے۔ پورا خانوادہ علم سے پُر اور عامل بالحدیث تھا۔ ایسے صالح معاشرہ میں آنکھیں کھولیں اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی (م ۱۹۴۳ء) و مولانا نواب ضمیر الدین مرزالوہارو (م ۱۹۴۳ء) کی سرپرستی میں اکتساب علم کیا۔ عامل بالحدیث ابتداء ہی سے تھے، چنانچہ آمین ورفع الیدین کرنے پر لوگوں کو چاندی کی ایک چونی انعام دیتے تھے۔ فخر الدین علی احمد، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، حکیم اجمل خاں، مولانا آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہم سے بڑے اچھے مراسم تھے۔ یہ حضرات کوٹھی علی جان (نئی سڑک) پر تشریف لاتے اور دینی، ملی اور سیاسی وسماجی وملکی معاملات پر باہم گفتگو کرتے۔ ہمارے صدر بھی شریک مجلس رہتے۔ آپ اور والد مولانا عبدالغفار صاحب دونوں ہی جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور خزانچی رہے۔ خواجہ محمد سلیم صاحب آپ ہی کے خلف الصدق تھے۔ جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بہت سے مدارس کی کفالت کرتے تھے۔ چوبیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، منعقدہ ۷/۸/۹/اپریل ۱۹۴۴ء دہلی میں صدارتی خطبہ آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ مولانا آروی کے دور صدارت میں آپ نائب صدر کی حیثیت سے بھی رہے۔ ۱۹۷۳ء میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ (آپ کے بھتیجے جناب محمد عمیر صاحب کی زبانی یہ حالات معلوم ہوئے)

۱۹۴۷ء کے فساد اور تقسیم ہند کے بعد جب ملک وملت کا شیرازہ بکھر گیا، جماعتی نظام درہم برہم ہوگیا، اس موقع پر حافظ حمید اللہ، حافظ محمد یحیٰی (موجودہ امیر جماعت) اور الحاج محمد صالح

انہیں تینوں صاحبان نے جماعت کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں منعقدہ اجلاس دہلی کے بعد سے ۱۸ر جولائی ۱۹۵۲ء میں مدرسہ ریاض العلوم میں پہلے سہ روزہ اجلاس عام کے انعقاد تک یہی بزرگان باصفا جماعت کی ہمہ جہت خدمت انجام دیتے رہے۔ ان ناگفتہ بہ و نادیدنی حالات میں ان حضرات کی جماعتی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

صداقت حسین دوستیاوی

(۱۹۱۲ء-۱۹۸۱ء)

مولانا صداقت حسین بن شیخ ریاضت حسین بن شیخ مصر علی

ساکن: دوستیا، پوسٹ: کنڈواچین پور، ضلع: مشرقی چمپارن، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۲ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق سے ملتا ہے۔ اس نسل کے چند بزرگ کچھ فلسطینی احباب کے ساتھ بادشاہ ناصر الدین محمود کے دور حکومت میں ہندوستان آئے اور صوبہ ہریانہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر کچھ لوگ وہاں سے انتقال مکانی کر کے ضلع مظفر پور (بہار) کے ایک گاؤں ہردل پور میں آباد ہوئے۔ پھر ہردل پور سے کچھ لوگ موضع بَنْہیا جا بسے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر دوستیا کو اپنا مسکن بنایا۔

موضع دوستیا:

یہ بستی تلہارا کوٹھی سے متصل مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کوٹھی پر انگریز افسران رہائش پذیر تھے جو اس علاقہ کو کنٹرول کرتے تھے۔ اس گاؤں کو شیخ دیان علی (عرف داہو) نے اپنے ایک عزیز ''دوست محمد'' کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس لیے ''دوستیا'' کہلایا۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر والد گرامی شیخ ریاضت حسین اور برادر کبیر شیخ محمد خلیل کی نگرانی میں ہوئی۔ پرائمری درجات کے اساتذہ میں مولانا محمد زکریا (دوستیا) مولانا شجاعت حسین (بھکورہر) کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ جن دنوں آپ ابتدائی تعلیم حاصل کررہے تھے، تلہاراکوٹھی کے ایک انگریز افسر کو چند نوجوانوں نے قتل کردیا، جس سے گاؤں کا ماحول پراگندہ ہوگیا۔ ان حالات میں آپ نے گاؤں کو خیر باد کہا اور پٹنہ، بنارس، دہلی ہوتے ہوئے دیوبند پہنچے اور وہاں داخلہ لے کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کرکے سند فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۹۳۳ء) مولانا محمد اعزاز علی امروہوی (متوفی ۱۹۵۲ء) قابل ذکر ہیں۔ مولانا کشمیری سے حدیث وتفسیر اور مولانا امروہوی سے ادب ومنطق وفلسفہ کا درس حاصل کیا۔

دیوبند سے فراغت حاصل کرکے وطن واپس آئے تو مولانا لیاقت حسین امواوی (امیر جماعت اہل حدیث علاقہ ترہت ونیپال) کے مشورہ سے آپ نے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ میں داخلہ لے کر مولانا کفایت حسین صادق پوری سے صحیحین کا باضابطہ درس لیا۔ استاد محترم نے کتابوں کا درس دینے کے ساتھ عقیدۂ توحید، اتباع سنت، جذبہ جہاد اور انابت الی اللہ کے رنگ میں اپنے شاگرد کو ایسا رنگا کہ تاحیات وہ رنگ نہ اترا۔ مولانا صداقت حسین نے بھی شوق جہاد کی تعلیم اسی درس گاہ سے حاصل کی۔

تدریسی مراحل:

<u>پہلا مرحلہ</u>: مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ سے فراغت کے بعد مدرسہ احمدیہ بیراگنیا سے تدریس کی بسم اللہ کی۔ اس مدرسہ کے مہتمم حافظ محمود بن شیخ لیاقت حسین تھے جو اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ مجاہدین کا دامے، درمے تعاون کرتے تھے۔ آپ اپنے گاؤں سے روزانہ پڑھانے آتے اور شام کو واپس چلے جاتے۔ گھر پر نوجوانوں کو جمع کرکے فن سپہ گری

اور بنوٹ وغیرہ کی تعلیم دیتے۔ یہ فن آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سیکھا تھا۔ پھر یہیں سے صوبہ سرحد جہاد کے محاذ پر چلے گئے۔ وہاں دو سال تک جہادی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر وطن واپس آگئے اور دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ) میں تدریسی سلسلہ سے جڑ گئے۔ دوران قیام احمدیہ سلفیہ جب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۲۳ر اگست ۱۹۴۱ء کو دربھنگہ تشریف لائے اور جماعت اسلامی کے قیام کے موضوع پر گفتگو کی تو اس موقعہ پر جملہ اساتذہ کی قیادت کرتے ہوئے، مولانا مودودی سے تفصیلی گفتگو آپ ہی نے کی جس کے دوران انہوں نے جماعت کے قیام کے مالہ وماعلیہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ ۱۹۴۳ء میں آپ دوبارہ صوبہ سرحد چلے گئے۔ اس دوران وہاں پشتو زبان سیکھی اور مجاہدین کے ساتھ رہ کر دینی وجہادی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔

دوسرا مرحلہ: ملک کی آزادی کے بعد صوبہ سرحد سے واپس آکر مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ سے وابستہ ہوگئے اور مولانا عبدالغفار آروی کے بعد آپ اس کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث بنے۔ اس دوران آپ نے شہر پٹنہ کے علاوہ مضافات میں دعوتی واصلاحی دورے کئے، اور لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دی۔

خرابی صحت کی وجہ سے ۱۹۷۵ء میں یہاں سے مستعفی ہوکر وطن مالوف (دوستیا) آگئے لیکن یہاں بھی دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کے سلسلہ کو جاری رکھا اور ایک دن کے لیے بھی اس فریضہ سے غافل نہیں رہے۔ ۱۹۷۶ء میں شیخ الحدیث مولانا عاقل رحمانی جب ایک حادثہ میں زخمی ہوکر صاحب فراش ہوگئے تو ان کی جگہ پر آپ نے دو سال تک احمدیہ سلفیہ میں صحیحین کا درس دیا۔ عاقل صاحب کی شفایابی کے بعد بھی آپ بخاری شریف جلد اول کا درس دیتے رہے۔

۱۹۷۶ء میں حج کی سعادت حاصل کی، وہاں سے واپسی کے بعد تیسری بار مدرسہ اصلاح المسلمین بلالئے گئے۔ وہیں پر آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور دو سال تک صاحب فراش رہ کر ۱۹۸۱ء میں انتقال کیا اور دوستیا کے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کے جنازہ

کی نماز مولانا شفیع احمد سلفی نے پڑھائی۔

تصنیف وتالیف:

مولانا نے اپنی تعلیمی وتدریسی، دعوتی واصلاحی پروگراموں میں مصروف رہتے ہوئے بھی بخاری شریف کا اردو میں ترجمہ مکمل کیا۔ لیکن افسوس کہ ان کے ایک شاگرد کے ہاتھوں گم ہوگیا۔ مسلم شریف کا اردو ترجمہ مکمل آپ کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر ابوالحیات اشرف کے پاس موجود ہے۔ دیوان حماسہ کا بھی اردو ترجمہ کیا تھا جو ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے دوستیا میں ایک مکتب اسلامیہ قائم کیا تھا جو ماشاء اللہ آج بھی موجود ہے اور اس میں چار اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اخلاق وکردار:

۱۸۳۱ء میں سید احمد اور شاہ اسماعیل کی شہادت کے بعد جب جماعت پر جمود وتعطل طاری ہوگیا تو آپ نے دوبارہ اس میں روح بیداری پھونکی، علمائے صادق پور اور مقامی جماعتوں کو مربوط کر کے دین اسلام کو نظام حیات کے طور پر قائم کرنے کی دوبارہ جدوجہد کی۔ اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ آپ نے تاحیات اخلاص کی زندگی گزاری، جہاں بھی رہے جرأت وبے باکی کا مجسمہ رہے۔ آپ کی پوری حیات جدوجہد اور اولوالعزمی سے عبارت تھی۔

عہدے ومناصب:

آپ نے درج ذیل مناصب پر رہ کر دینی خدمات انجام دی۔

۱- مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث رہے۔

۲- بہار مدرسہ اکزامنیشن بورڈ کے ممتحن رہے۔

۳- بہار کے سلفی مدارس کے نصاب تعلیم کمیٹی کے ممبر رہے۔

۴- جامعہ اسلامیہ سنابل اوکھلائی دہلی کے ممبر رہے۔

صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ

(۱۹۴۲ء-۲۰۰۶ء)

صفی الرحمٰن نام اور ابوہشام کنیت تھی۔ شجرۂ نسب یوں ہے۔ صفی الرحمٰن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ۔

آپ اتر پردیش (یوپی) کے ضلع اعظم گڑھ کے مشہور و معروف قصبہ مبارکپور کے قریب ایک گاؤں مسمّٰی بہ حسین آباد میں ۶ر جون ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔

خاندانی حالات:

حسین آباد گاؤں، قصبہ مبارکپور سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کے تمام باشندے مسلمان اور نوے فی صد سے زائد مسلک عمل بالکتاب والسنتہ سے وابستہ ہیں۔ اس گاؤں کی آبادی کا ایک تہائی حصہ مولانا کے جد اعلیٰ شیخ فقیر اللہ کے ہی خاندان سے ہے۔

آپ کا تعلق ایک علمی و دینی گھرانے سے تھا۔ چچا مولانا عبدالصمد رحمانی ایک جید عالم دین تھے۔ تحفۃ الاحوذی کی تالیف اور مقدمہ کی تیاری میں جن علماء نے حصہ لیا ان میں آپ کے چچا مولانا عبدالصمد رحمانی بھی تھے۔ آپ کے ایک اور چچا محمد یونس حافظ قرآن تھے اور قرب و جوار میں کافی مشہور تھے۔ آپ کا گھرانا کافی مشہور تھا۔ آپ کے والد محترم اگر چہ عالم دین نہ تھے، لیکن دینی امور کے نہایت پابند تھے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ قرآن پاک کے چند پارے چچا

اور پھر پھوپھی سے پڑھے، پھر پرائمری تعلیم کے لیے مدرسہ عربیہ دارالعلوم صوفی پورا مبارکپور میں داخلہ لیا۔ وہاں چھ سال گزار کر مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے نحو وصرف اور بعض دوسرے علوم کی تعلیم حاصل کی، مدت تعلیم دوسال تک رہی۔ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم میں دوسال کا عرصہ گزارنے کے بعد مدرسہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے عربی قواعد، تفسیر وعلوم قرآن، حدیث و مصطلح حدیث، فقہ واصول فقہ اور دیگر شرعی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی اور یہیں سے جنوری ۱۹۶۱ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ نے الہ آباد عربی وفارسی بورڈ کے امتحانات میں بھی حصہ لیا اور مولوی، عالم، فاضل ادب اور فاضل دینیات کے بھی امتحانات دیئے اور فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ نے جن اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) کے اسماء گرامی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

قابل ذکر تلامذہ:

چند ممتاز ونامور تلامذہ جو خود علمی، تحقیقی وتصنیفی وتالیفی اور دعوتی میدانوں میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

(۱) مولانا محمد عزیر شمس۔ مکہ مکرمہ

(۲) مولانا صلاح الدین مقبول احمد۔ کویت

(۳) مولانا عبدالقیوم محمد شفیع البستوی۔ شارجہ، امارات

(۴) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری، رئیس مرکز التوحید، کرشنانگر، نیپال

(۵) مولانا عبداللہ سعود سلفی، ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس

(۶) مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو

(۷) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۸) ڈاکٹر بدر الزماں نیپالی، رئیس جامعۃ التوحید بجوا، نیپال

(۹) مولانا شہاب اللہ مدنی، شارجہ

(۱۰) مولانا عبد الواحد مدنی، ناظم کلیۃ الصفا الشریعہ، ڈومریا گنج

(۱۱) مولانا رضاء اللہ عبد الکریم مدنی، استاذ مدرسہ نذیر حسین محدث دہلوی

(۱۲) مولانا عبد المنان سلفی، مدیر ماہنامہ ''السراج'' جھنڈا نگر

(۱۳) مولانا ابو المکرم عبد الجلیل سلفیؒ، فاؤنڈر و مؤسس مدرسہ زید بن ثابت سانتھا بازار، سنت کبیر نگر، یوپی۔

سلسلۂ تدریس:

مدرسہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد الہ آباد اور ناگپور کے مضافات میں دو سال تک درس و تدریس اور تقریر و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ فیض عام مئو سے منسلک ہو کر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ لیکن دو سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ حالات کے تئیں مجبور ہو کر جامعۃ الرشاد چلے گئے، یہاں ایک سال کا عرصہ گزارنے کے بعد فروری ۱۹۶۶ء میں جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو تشریف لے گئے اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ نائب صدر المدرسین کی حیثیت سے مدرسہ کے داخلی امور اور تعلیمی معاملات کو تین سال تک بحسن و خوبی انجام دیا۔ پھر جنوری ۱۹۶۹ء میں استعفیٰ دے کر مدرسہ فیض العلوم سیونی (مدھیہ پردیش) منتقل ہو گئے۔ وہاں درس و تدریس کے علاوہ مدرسہ کے تمام داخلی و خارجی معاملات کو بحیثیت صدر المدرسین بحسن و خوبی انجام دیا۔ یہاں آپ نے دعوتی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، سیونی کی جامع مسجد میں پابندی سے خطبۂ جمعہ دیا۔ سیونی میں آپ نے چار سال گزارے۔ پھر وہاں سے مستعفی ہو کر ۱۹۷۲ء کے اواخر میں دوبارہ مدرسہ دار التعلیم میں واپس آکر منصب تدریس و ادارت

سنبھالی۔ یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا۔

اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے اور مسلسل چودہ سال تک مختلف تعلیمی، تدریسی، تالیفی اور دعوتی خدمات انجام دیئے۔ ابتدائی دو سال کا عرصہ تصنیف وتالیف میں گزارا۔ ان ایام میں ''تذکرۂ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب'' فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری'' (مطبوع ۱۹۷۹) اور ''قادیانیت اپنے آئینے میں (مطبوع ۱۹۸۱) وغیرہ تالیف کیں۔

اسی دوران ۱۹۷۶ء میں ''الرحیق المختوم'' کی تالیف کی اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر انعامی مقابلہ میں حصہ لیا۔ اور پہلے انعام کے مستحق قرار پائے۔ آپ نے جامعہ میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ صحیح بخاری، تاریخ التشریع الاسلامی اور فقہ وغیرہ کی کتب کا درس دیتے تھے۔ صحیح بخاری کا درس کلاس کے بجائے جامعہ کی مسجد میں فجر کے بعد لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ دیتے۔

فروری ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کے اردو ماہنامہ ''محدث'' کا اجراء ہوا تو اس کی ادارت بھی آپ کے ذمہ سونپی گئی۔ آپ نے اس میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھے۔ آپ نے یہ ذمہ داری ۱۹۸۸ء تک نبھائی۔

قیام بنارس کے دوران ہی آپ نے بریلوی اور بدعتی علماء سے مناظرہ کیا جو مناظرۂ بجرڈیہہ کے نام سے مشہور رہے۔ یہ مناظرہ تین روز تک چلتا رہا، بالآخر بریلویوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور آپ فاتح کی حیثیت سے وہاں سے واپس لوٹے۔

آپ حج کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سابق وزیر اعلیٰ کے کہنے پر حج فارم کی قرعہ اندازی بھی کی۔ تقریباً پانچ سال تک آپ اس کے ممبر رہے۔

اگست ۱۹۸۸ء میں آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسلسل دس سال تک مختلف علمی ودعوتی کاموں میں گزارا۔ ''مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية'' میں آپ نے جو علمی امور انجام دیئے انکی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے۔

(۱) مرکز خدمة السنه والسیرة النبویة میں آپ نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی خاکے تیار کیے۔

(۲) حرمین شریفین کی انسائیکلو پیڈیا کے لیے آپ نے متعدد خاکوں کی تشکیل کی۔

(۳) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں احادیث اور معلومات جمع کیں۔ یہ حدیثیں اور معلومات آپ نے کتب تسعہ اور ابن سعد وغیرہ سے جمع کر کے ان کو ''مصنف'' کی ترتیب پر مرتب کیا۔

(۴) حرم مکی (مسجد حرام) کے انسائیکلو پیڈیا کے لیے مکمل معلومات جمع کیں۔

(۵) کتب ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل سے آپ نے سیرت کی حدیثوں کی فہرست بنائی۔

(۶) صحیحین (بخاری ومسلم) اور جامع ترمذی سے سیرت کی حدیثوں کو اکٹھا کیا اور سیرت کے موضوعات اور عناوین کے مطابق مرتب کیا۔ پھر ہر عنوان کے ذیلی عناوین بھی ڈالے۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کو آپ کے والدین سے آدم وحواء علیہما السلام تک تیار کیا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے نسب سے آدم وحواء علیہما السلام تک، پھر آپ کی والدہ ماجدہ کے نسب سے آدم وحواء علیہما السلام تک۔ پھر ان دونوں کے نسب نامہ میں جو والدین (ماں باپ) آتے ہیں ان کے نسب سے آدم وحوا تک۔

(۸) ''البشارة بمحمد صلی الله علیه وسلم عند البوذیین'' (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدھ مذہب کی کتابوں میں) اور اسی طرح ''البشارة بمحمد صلی الله علیه وسلم عند الفرس'' (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارسیوں کی کتابوں میں) کی تالیف کو تکمیلی شکل دی۔ ان کتب میں ان مذاہب سے اقتباسات نقل کر کے انکی نہایت نفیس انداز میں توضیح وتشریح کی ہے۔

(۹) ابن ہشام کی کتاب '' السیرة النبویة'' کے لیے آپ نے کمپیوٹر میں رموز ونمبرات کی ترتیب دی۔

(۱۰) مذکورہ امور کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے امور انجام دیئے جن میں متعدد

کتابوں کے بارے میں رپورٹ تیار کرنا، حرمین شریفین (حرم مکی، مسجد نبوی) اور سیرت کے موضوعات کے لیے کتابوں کی لسٹ تیار کرنا وغیرہ شامل ہے۔

۱۹۹۴ء میں مدینہ ہی میں آپ پر پہلی بار فالج کا حملہ ہوا۔ چنانچہ کنگ فہد ہاسپٹل میں تقریباً دس یوم تک علاج چلتا رہا۔ کچھ دنوں تک چھڑی کے سہارے چلتے رہے پھر مکمل صحت یاب ہو گئے۔ اور دوبارہ علمی، دینی و دعوتی کاموں میں مشغول ہو گئے۔

انہیں دنوں مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف (کنگ فہد قرآن کمپلیکس) کے لیے تفسیر عثمانی پر مفصل رپورٹ تیار کی اور ترجمہ و تفسیر میں موجود عقیدہ کی غلطیوں کی مکمل و مفصل نشاندہی کی۔ جس کے نتیجے میں اس کی طباعت و تقسیم بند کر کے موجودہ تفسیر ''احسن البیان'' کی طباعت و تقسیم شروع ہوئی۔

قیام مدینہ کے دوران کچھ کتابیں بھی تالیف کیں جن میں ''روضة الانوار'' اور اس کا اردو ترجمہ ''تجلیات نبوت'' منة المنعم بشرح صحيح مسلم۔ تفسیر عربی خط پر نظر ثانی ''ائمہ اربعہ کا عقیدہ'' اور ''مختصر اظہار الحق'' کا اردو ترجمہ وغیرہ شامل ہے۔

پھر جامعہ اسلامیہ سے مکتبہ دار السلام ریاض منتقل ہو گئے وہاں کئی کتابیں لکھیں اور بہت سی کتابوں پر نظر ثانی فرمائی۔ ''المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير' اور ریاض الصالحین پر تعلیق، تاریخ مکہ مکرمہ اور تاریخ مدینہ منورہ پر نظر ثانی وغیرہ شامل ہے۔

ریاض میں قیام کے دوران ۱۹ر جولائی ۱۹۹۸ء کو آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر منتخب ہوئے۔ لیکن بوجوہ ۳ر اگست ۲۰۰۰ء کو مستعفی ہو گئے۔

ریاض میں قیام کے دوران ہی ۲۰۰۱ء میں دوبارہ برین ہیمرج کا حملہ ہوا۔ فالج کا اثر آدھے دائیں حصہ پر واضح طور سے محسوس ہوتا تھا۔ چونکہ شوگر اور بلڈ پریشر کے بھی مریض تھے اس لیے دنوں دن لاغر و نحیف ہوتے ہو گئے۔ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ کو وطن مالوف واپس آگئے۔ تقریباً چھ ماہ قیام کے بعد دوبارہ مملکت سعودی عرب کے لیے روانگی کا پروگرام تھا کہ اسی اثناء.... ۲۹ جون ۲۰۰۶ بروز اتوار دوبارہ برین ہیمرج کا حملہ ہوا۔ کافی نازک حالت میں

بنارس کے ایک ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ بالآخر یکم دسمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ دوپہر پونے تین بجے اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.......

نماز جنازہ بروز شنبہ بعد نماز عصر آپ کے منجھلے صاحب زادے مولانا یاسر مدنی نے پڑھائی اور حسین آباد کے قبرستان میں مولانا عبدالصمد رحمانی اور حافظ محمد یونس کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

آپ نے اپنے پیچھے اردو اور عربی زبان میں بہت سی قیمتی تالیفات چھوڑی ہیں۔

تالیفات (زبان عربی)

(۱) الرحیق المختوم (۲) مختصر الرحیق المختوم

(۳) روضة الانوار فی سیرة النبی المختار صلی الله علیه وسلم

(۴) اتحاف الکرام بشرح بلوغ المرام

(۶) بهجة النظر فی مصطلح اهل الاثر

(۷) منة المنعم بشرح صحیح مسلم

(۸) تعلیق لطیف علی کتاب "ریاض الصالحین" للنووی

(۹) ابراز الحق والصواب فی مسالة السفور والحجاب

(۱۰) الحکم الاسلامی وتعدد الاحزاب السیاسیة

(۱۱) تطور الشعوب والدیانات فی الهند ومجال الدعوة الاسلامیة فیها

(۱۲) الفرقة الناجیة، خصائصها ومیزاتها فی ضوء الکتاب والسنة ومقارنتها مع الفرق الاخری

(۱۳) المعرض العلمی لجهود السلفیین فی شبه القارة الهندیة

(۱۴) البشارات بمحمد صلی الله علیه وسلم فی کتب الهندوس

(۱۵) البشارات بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم عند الزردشتیین
(۱۶) البشارات بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی کتب البوذیین والفرس
(۱۷) شرح کتاب ''ازھار العرب''
(۱۸) القادیانیۃ وبطل الاسلام الشیخ ثناء اللہ الامرتسریؒ
(۱۹) وإنک لعلی خلق عظیم (عمل اشراف)

تالیفات (بزبان اردو)

(۱) الرحیق المختوم (۲) تجلیات نبوت
(۳) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب
(۴) تاریخ آل سعود (۵) فتنۂ قادیانیت اور مولانا امرتسری
(۶) قادیانیت اپنے آئینے میں (۷) اسلام اور اہنسا
(۸) انکار حدیث حق یا باطل (۹) رزم حق و باطل
(۱۰) پیغمبر اسلام ہندو کتابوں میں
(۱۱) علمی نمائش (ہندوستان میں علماء اہلحدیث کی خدمات)
(۱۲) اہل تصوف کی کارستانیاں (۱۳) مختصر اظہار الحق (ترجمہ)
(۱۴) ائمہ اربعہ کا عقیدہ (ترجمہ)
(۱۵) مختصر سیرۃ الرسول از امام محمد بن عبدالوہاب (ترجمہ)
(۱۶) شفاء الصدور اور مسئلہ تعمیر قبور
(۱۷) شیخ محمد بن عبدالوہاب کا سلفی عقیدہ اور دنیائے اسلام پر اس کا اثر
(۱۸) رسالہ المصابیح فی مسئلۃ التراویح (امام سیوطی) کا اردو ترجمہ
(۱۹) چالیس حدیثیں (اربعین نوویہ) ترجمہ وشرح وتوضیح
(۲۰) محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں
(۲۱) ترجمہ اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام

(۲۲) مسائل حج (۲۳) احکام حج وعمرہ (ناقص)

(۲۴) مختصر تفسیر ابن کثیر (اردو)

(۲۵) قبے اور مزارات کی تعمیر، ایک شرعی جائزہ

(۲۶) شب وروز کے اذکار (ترجمہ)

(۲۷) ہماری ٹریجڈی اور اس کا حل (ترجمہ)

(۲۸) محدثین پر اعتراضات اور ان کے جوابات

(۲۹) تاریخ مکہ مکرمہ (نگرانی) (۳۰) تاریخ مدینہ منورہ (نگرانی)

ان کے علاوہ فروری ۱۹۸۲ء سے ستمبر ۱۹۸۸ء تک کے محدث کے شماروں میں ۵۵ بر محل، مختصر اور جامع اداریے ہیں۔ ؎

ورق تمام ہوا مدح، ابھی باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

حکیم محمد ظہور آروی

(نوٹ) یہ حکیم صاحب کی خودنوشت سوانح ہے جسے آپ نے اپنے دست خاص سے لکھ کر حکیم عبدالاحد صاحب سابق پرنسپل طبی کالج پٹنہ کو عنایت کیا تھا۔ حکیم صاحب ایک کنونیشن میں صدارت کے لیے مدعو کئے گئے تھے۔ آپ نے خطبہ صدارت پیش فرمایا تو آپ سے درخواست کی گئی کہ اپنی مختصر سوانح حیات بھی عنایت فرمائیں۔ آرہ سے آپ نے ۱۸ رستمبر ۱۹۶۱ء میں بذریعہ ڈاک یہ حالات بھیجے جسے بعینہ نقل کیا جارہا ہے۔

از آرہ ولی گنج، ۱۸ رستمبر ۱۹۶۱ء

جب میں سن شعور کو پہونچا تو مدرسہ احمدیہ آرہ جس کے بانی مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں قضا بھی کیا، میں داخل

ہوا۔ ابتدائی درسی کتابیں مختلف مدرسین مدرسہ سے پڑھتا رہا، عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبدالنور صاحب دربھنگوی جو مدرسہ کے مدرس دوم تھے ان سے پڑھی پھر انتہائی درسی کتابیں معقولات و منقولات اصول فقہ احادیث و تفسیر صحاح ستہ وغیرہ استاذنا جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب محدث غازی پوری سے پڑھی۔ بعد ادائیگی رسم دستار بندی چار ماہ آسنسول ایک برس چھپرہ موضع رائپور میں مدرسی کی۔ وہاں سے واپس آکر بہ مشورہ والد بزرگوار بخیال تحصیل علم طب دہلی چلا گیا، دہلی میں مدرسہ طبیہ جو بالفعل طبی کالج کے نام سے مشہور ہے کے جماعت دوم میں داخل ہوا اور دو برس تک مدرسہ میں پڑھتا رہا بعد فراغت مدرسہ استاذنا جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مطب میں نسخہ نویسی کی اور مسیح الملک مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے حمیات شیخ الرئیس بھی پڑھتا رہا۔ بعد حصول سند مکان (گھر) آیا اور مطب کیا، بفضلہ تعالیٰ روز اول ہی سے مطب میں مرجوعہ شروع ہوا اور آج تک بفضلہ تعالیٰ نہایت کامیابی کے ساتھ میں مطب کر رہا ہوں اور اس اثنا میں برابر فن طب پڑھانے کا بھی شوق تھا۔ ہمیشہ پانچ سات طلبہ ہمارے زیر تعلیم رہے اور اکثر فارغ التحصیل ہو کر اپنی اپنی جگہ صوبہ بہار کے اکثر شہروں میں نہایت کامیابی کے ساتھ اس فن کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس وقت بوجہ ضعف و نقاہت مطب اور عام مریضوں کی دیکھ بھال لخت جگر عزیزی مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب فاضل شمس الہدیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ ہاں خاص خاص مریضوں کو دیکھ لیتا ہوں ان سے چار لڑکے اور چھوٹے ہیں۔ ایک ڈاکٹر محمد ظفر امام (ایم بی بی ایس) دوسرے عبیداللہ صاحب ایم ایس سی کسٹم سپرنٹنڈنٹ، تیسرے بدرالزماں ایم ایس سی ایل ایل بی، چوتھے فضل احمد جو بالفعل سندری کالج میں انجینئرنگ پڑھ رہے ہیں یہ ان کا فورتھ ایر ہے۔ اس وقت ہماری عمر ۸۲ تا ۸۳ سال کی ہے۔ راقم الحروف محمد ظہور آروی

حکیم صاحب آرہ کے مشہور و معروف طبیب تھے نسخہ نویسی و تشخیص امراض میں مہارت

نامہ رکھتے تھے بڑی بالغ استعداد رکھتے تھے۔ طبی مضامین پر بڑا عبور تھا۔ جب تک زندہ رہے طبی کالج پٹنہ کے اکزامنر رہے۔ آپ نے ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔ (حکمائے بہار)

محمد ظہور رحمانی

مولانا محمد ظہور رحمانی بن محمد اصغر

موضع: رجورا، ضلع دربھنگہ، بہار

تاریخ ولادت: ۱۹۲۶ء (موضع گڑھیا، ننہال میں)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم اپنے ماموں کی نگرانی میں موضع اسراہا میں حاصل کی۔ پھر رجورا واپس آکر مولانا عبدالنور کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ابتدائی عربی وفارسی نیز گلستاں بوستاں تک پڑھنے کے بعد اونسی مڈل اسکول میں داخلہ لیا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کے لیے رخت سفر باندھا اور مدرسہ دار الہدیٰ (کشن گنج دہلی) میں داخلہ لے کر حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔ کچھ دنوں کے لیے پانی پت کے ایک مدرسہ میں داخل رہے، لیکن وہاں کا قیام وطعام نامناسب ہونے کے ناطے براہ دہلی میرٹھ چلے گئے اور وہاں مولانا عبدالعلی دربھنگوی کے مشورہ سے فارسی وعربی وغیرہ کی ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کرکے دوبارہ دہلی واپس آکر مدرسہ فیاضیہ میں داخلہ لیا اور حصولِ تعلیم شروع کردی اور ایک ہی سال میں پہلی اور دوسری جماعت کی تیاری کرکے دونوں کا امتحان دیا اور دونوں ہی میں اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد مدرسہ سبل السلام (پھاٹک حبش خاں) میں چند ماہ تک تعلیم حاصل کی، اسی دوران گھر کی یاد ستانے لگی اور وطن مالوف واپس جاکر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لے کر رمضان تک تعلیم حاصل کی۔ رمضان کے بعد تیسری مرتبہ دہلی پہنچ کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور مشاہیر وقت اساتذہ کے زیر تعلیم رہ کر تعلیم وتعلم اور خطابت

وتحریر میں ملکہ حاصل کیا۔ یہاں کے اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، شیخ الادب مولانا اصحاب الدین پشاوری، شیخ الفلسفہ عبدالعلیم سرحدی وغیرہم سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس طرح جامعہ رحمانیہ میں رہ کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اس دوران پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کا امتحان بھی دیا اور فرسٹ نمبر سے کامیاب ہوئے۔

تدریسی مراحل:

جامعہ رحمانیہ سے ۱۹۴۶ء میں فراغت کے بعد وطن واپس آکر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے ۱۶ / دسمبر ۱۹۴۷ء سے وابستہ ہوئے اور تدریسی فریضہ انجام دینے لگے۔ دریں اثناء پٹنہ سے فاضل حدیث کا ۱۹۴۸ء میں امتحان دیا اور پورے بہار میں اول آئے۔ سنہا کالج لہریا سرائے دربھنگہ سے ہومیو پیتھ کی تعلیم حاصل کرکے ایچ، ایم، پی کی ڈگری بھی حاصل کی۔

ملت کالج دربھنگہ کے قیام میں آپ کا بھرپور تعاون رہا۔ سرکاری منظوری دلانے میں بار بار پٹنہ کا دورہ کیا۔ مدرسہ اسلامیہ بھوارا کے پانچ سال تک صدر المدرسین رہے۔ ۱۹۶۱ء میں شاہ ایران (رضا شاہ پہلوی) جب دہلی آئے تو جماعت اہلحدیث ہند کی طرف سے تین اصحاب پر مشتمل وفد نے ان سے ملاقات کی، ان میں ایک آپ بھی شامل تھے۔

۱۴ / مئی ۱۹۹۳ء کو جدوجہد سے بھرپور زندگی گزار کر ۶۷ سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے، اللہم اغفرلہ وارحمہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیئاتہ آمین!

عابد علی رحمانی

مولانا عابد علی رحمانی بن شیر علی

ساکن انتری بازار، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۹۰ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان مشہور اہلحدیث موضع اونرہوا (پوسٹ دھوائی، ضلع بلرام پور) میں آباد تھا۔ یہیں آپ کی پیدائش ہوئی۔ یہاں سے آپ نے ہجرت کر کے مہوانامی موضع میں سکونت اختیار کی۔ جوانتری بازار اور کونڈرا کے پاس ہے۔ پھر وہاں سے انتری بازار منتقل ہو گئے اور وہیں کے ہو رہے۔

تعلیمی مراحل:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اونرہوا میں ہوئی۔ اس وقت اونرہوا میں میاں گوہر علی مدرس تھے جو مولانا اظہر مسلم بہاریؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ چنانچہ استاذ نے شاگرد کی بھی اچھی تعلیم وتربیت کی۔ یہاں کی تعلیم مکمل کر کے مولانا عابد علی دہلی چلے گئے اور وہاں دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لے کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ ۱۹۴۷ء کے فساد میں دہلی چھوڑ کر وطن واپس آ گئے پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لے کر وہاں کے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے دور میں آپ بھوپال بھی گئے اور وہاں کے اساتذہ وشیوخ سے استفادہ کیا اور واپسی میں ڈھیر ساری کتابیں بھی لائے۔

جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد تعلیم وتدریس کی طرف توجہ مرکوز کی۔ اسی اثناء میں جناب نبی احمد (مولانا محمد زماں رحمانی کے والد) داہو میاں اور قاسم علی خیاط۔ ان تینوں بزرگان نے آپ کو انتری بازار میں درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کی دعوت دی۔ جسے آپ نے قبول فرمایا اور ۳ سال تک خدمت انجام دی۔ آپ روزانہ اپنے موضع مہوا سے پیدل چل کر آتے اور شام کو واپس ہو جاتے۔ آپ کی پریشانی کے مدنظر مستقل رہائش کے لیے ذمہ داران نے باقاعدہ انتظام کر دیا تو آپ نے مہوا کو خیر باد کہہ کر انتری بازار کو مستقل مسکن بنالیا۔ دوران تعلیم آپ نے بحر العلوم نام کا ایک مکتب بھی قائم کیا۔

اللہ تعالی نے آپکو حج کی سعادت بھی عطا فرمائی۔ آپ بڑے اونچے پایہ کے عالم دین

تھے۔جس راستہ سے گزرتے تو لوگ چھپ جاتے، مبادا میری گرفت نہ ہو جائے۔ جہاں رہتے دعوت وتبلیغ سے غافل نہ رہتے۔آپ نے وقفہ وقفہ سے دار الہدی یوسف پور، مظہر العلوم اوسان کوئیاں، دار العلوم ششہنیاں، بحر العلوم انتری بازار وغیرہ مدارس میں تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مدرسہ بحر العلوم میں ان دنوں اونچے درجات تک کی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ گونڈہ، بستی اور نیپال کے طلباء سے مدرسہ بھرا رہتا تھا۔

مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا فتح محمد، مولانا سمیع اللہ، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا حبیب اللہ وغیرہم آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ کی شادی خانہ آبادی علاقہ کے سب سے متقی، پرہیز گار، دین دار اور عالم باعمل فرشتہ سیرت شخصیت حضرت مولانا ممتاز علی (کرتھی ڈیہہ) کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔جن سے ۴ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

آپ نے کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں پورا زور صرف کیا۔علاقہ کے بدعتیوں نے آپ کے تبلیغی پروگراموں میں رکاوٹ ڈالنے کی بارہا کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ علاقہ سے کفر وشرک، بدعات، ہندوانہ رسوم اور تعزیہ داری وقبر پرستی کے خاتمہ میں اپنی بھر پور صلاحیتوں کا استعمال کیا۔منکا علاقہ میں مسلک کتاب وسنت کے عاملین آج جو نظر آرہے ہیں یہ سب آپ بزرگوں کی انتھک مخلصانہ جہود ومساعی کا نتیجہ ہیں۔ اللہ پاک موصوف کو غریق رحمت کرے۔آمین۔

عابد حسین

حافظ ومولانا ابوالفلاح عابد حسین گنگوہی ٹوپاٹانڑوی بن محمد خواجہ

مقیم:ٹوپاٹانڑ۔جام تاڑا جھارکھنڈ۔

آپ صوبہ اتر پردیش کے مشہور ومعروف مقام گنگوہ میں پیدا ہوئے۔تعلیم کی تکمیل

سہارنپور اور دیوبند کے مدرسوں سے کی۔ تلاش معاش میں ضلع جام تاڑا کے مشہور گاؤں ٹوپاٹانڑ پہنچے اور وہاں کے مکتب میں بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ حنفی المسلک تھے لیکن بعد میں مسلک اہلحدیث کو قبول کرلیا اور تاحیات اسی کی تبلیغ وترویج میں لگے رہے۔ گاؤں ہی کے ایک نیک بخت مسمیٰ تراب علی نے اپنی زمین وجائداد میں حصہ دے کر اپنے بھائی کی طرح انہیں رکھا۔ مولانا عابد حسین نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ٹوپاٹانڑ اور عابد نگر میں "مدرسہ الفلاح" نام کے دو مکتبی مدرسہ قائم کیے جن میں آج بھی مکتب کی تعلیم ہورہی ہے۔ آپ نے کثیر تلامذہ چھوڑے اور دعوت وتبلیغ سے علاقہ کی بستیوں سے بدعات اور مروجہ رسوم ورواج کو ختم کیا۔ وطن سے آنے کے بعد دوبارہ واپس نہیں گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ آج بھی آپ کی یادگار دونوں مدرسے اور ان کے نام وقف کی ہوئی سیکڑوں کٹھے زمین موجود ہیں۔

۲۸ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا اور ٹوپاٹانڑ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

عبداللہ بسکوہری

(۱۹۲۵ء-۱۹۹۷ء)

مولانا عبداللہ بن مولانا عبدالغفور بسکوہری

مقام وپوسٹ: بسکوہر بازار۔ ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۵ء (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم بسکوہر ہی میں اپنے والد گرامی اور میاں عبدالستار سے حاصل کی۔ پھر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں داخلہ لیا اور یہاں کے اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ جامعہ رحمانیہ بنارس میں چند سال تک زیر تعلیم رہے۔ آخر میں جامعہ الٰہیات کانپور سے جملہ علوم

وفنون کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد چند سال تک جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تعلیم دی، پھر موضع دھنورا میں پڑھایا۔ مدرسہ فیض محمدی میں بھی تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مدرسہ محمدیہ بسکوہر اور مدرسہ اتحاد ملت بیناں عیدگاہ سے بھی بہت دنوں تک وابستہ رہے۔ سب سے لمبی مدت مدرسہ محمدیہ چیونٹھوا میں پڑھایا۔

آپ نے پابندی کے ساتھ بسکوہر و مضافات میں خطبۂ جمعہ دیا۔ چنانچہ تلکوک پور چینٹھوا، جیتاپور، حاجی ڈیہہ وغیرہ میں خطبات جمعہ کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اس علاقہ سے رسوم و رواج اور بدعات وغیرہ کے ختم کرنے میں موصوف کی مساعی اور کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۹۹۷ء میں آبائی وطن بسکوہر بازار میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ مولانا ذکر اللہ خاں ذاکر ندوی کے منجھلے بھائی ہیں۔

عبداللہ املوی

مولوی عبداللہ بن شیخ عبدالشکور، املو مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا حاجی احمد صاحب ساکن کٹرا نہایت بزرگ اور باخدا انسان تھے اور اپنے اس نواسے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ مولوی عبداللہ نے ابتدائی تعلیم املو میں حاصل کر کے مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں نحو و صرف پڑھا۔ پھر مدرسہ فیض عام مئو میں داخل ہوئے اور آخر میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی اور رجب ۱۳۷۱ھ میں سند فراغت لی۔

اس موقع پر ان کے دوست مولوی سعید احمد اعظمی مقیم نواب گنج دہلی نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

نیک دل پاکباز عبداللہ عالم دیں ز فضل داور شد
بہر تاریخ سال گفت سعید وارثِ نامۂ پیمبر شد

فراغت کے بعد مدرسہ دربھنگہ میں عربی کے مدرس ہوئے، مگر چھ ماہ گزرتے گزرتے

بیمار پڑ گئے اور مجبوراً وطن چلے آئے اور سل کے مرض میں ۱۳۹۲ھ میں انتقال کر گئے۔ مرحوم ذہین، سنجیدہ، اور جوانِ صالح تھے۔ نیک نفسی اور شرافت طبع اپنے نانا سے ورثہ میں پائی تھی۔

عبداللہ فیضی

مولانا عبداللہ فیضی بن مولانا عبدالغنی بن ملا حسام الدین مئوی

محلہ قاضی داموں پورہ، مئو۔ یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ھ

تعلیمی مراحل:

آپ نے از ابتداء تا انتہاء (فراغت تک) کی تعلیم مدرسہ فیض عام مئو میں حاصل کی اور ۱۳۵۰ھ میں جامعہ فیض عام سے سند فراغت حاصل کی۔ مناظر اسلام مولانا سیف بنارسی نے سر پر دستار فضیلت باندھی اور سند کے ساتھ ''مسلم شریف'' انعام میں دی۔ آپ کے ہم سبق اور ہم عصر ساتھیوں میں ایک ہی خاندان کے مولانا جمیل احمد، مولانا محمد نعیم (تاجر مکتبہ نعیمیہ) قاری عبدالستار اور مولانا خلیل احمد قابل ذکر ہیں۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ علم وفن میں آپ کے بڑے والد مولانا محمد احمد (بڑے مولوی صاحب) مولانا عبداللہ شائق، مولانا حکیم عصمت اللہ رحمانی، مولانا محمد شفیع رحمانی وغیرہم ہیں۔

فراغت کے بعد بڑے والد مولانا محمد احمد کے حکم پر مطبخ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سنبھالی اور تاحیات مدرسہ کی جملہ خدمات کے لیے وقف رہے۔ آپ نے کوئی تصنیفی وتالیفی خدمت نہیں انجام دی، لیکن آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف حقوق ومعاملات کے بعد حسن اخلاق اور کردار وعمل ہے، جن کے ساتھ آپ نے اپنی پوری زندگی گزار دی۔ ریاونمود، منافقت اور دورنگی سے ہمیشہ دور رہے۔ اہل مئو آپ کے حسنِ اخلاق

وکردار، معاملات کی صفائی اور حرص وطمع سے دور ہونے کی وجہ سے آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ کی دعوت وتبلیغ، دینی اجلاس اور پروگرام پورے شہر مئو کے محلوں میں ہوا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کا ایک اور نمایاں وصف صبر وشکر تھا، اپنی پچاسی سالہ عمر کے آخر تک جامعہ فیض عام کے مطبخ کے انتظامی امور میں گزارے۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔

الغرض آپ نے جامعہ فیض عام کی خدمات انجام دیتے ہوئے بعمر ۸۹ سال ۲۹ر نومبر ۱۹۹۵ء مطابق ۵ر رجب ۱۴۱۲ھ بروز چہار شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے برادر خورد مولانا بشیر اللہ اعظمی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان بھیٹھ چتو تالاب میں سپرد خاک ہوئے۔

عبدالباری جھمکاوی

(۱۹۱۲ء تا ۱۹۷۴)

مولانا عبدالباری جھمکاوی بن مولانا عبدالرشید بن مولانا عبدالکریم

تعلیمی مراحل:

آپ علمی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جھمکا میں داخلہ لے کر اپنے چچا مولانا ابوالخیر سے تعلیم حاصل کی، مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کے لیے رخت سفر باندھا، جامعہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

آپ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ماہر سیاست داں بھی تھے۔ تحریک آزادی ہند میں کانگریسی لیڈروں کے ساتھ آپ نے بھی سرگرم حصہ لیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد، چندر شیکھر آزاد، پنڈت نہرو وغیرہ کے ساتھ اپنی ہمت وجرأت کا مظاہر کیا اور نذر زنداں کئے

گئے۔ ۱۹۵۷ء میں وزیر اعظم پنڈت نہرو نے آپ کی سیاسی خدمات سے خوش ہو کر ۵ ا بیگہہ زمین عنایت کی جو آج بھی وارثین کے قبضہ میں ہے۔ قومی وملی رہنما ہونے کے ناطے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں سے اچھے تعلقات تھے۔

آپ نے ''چمپارن میں سیاسی انقلاب'' نام کی ایک کتاب لکھی تھی، جو اپنے موضوع پر بڑی اہم تھی، لیکن منظر عام پر نہ آسکی۔ کانگریس باڈی کی طرف سے دہلی میں منعقد ایک اجلاس میں شرکت کی، پھر وطن واپس ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے وقت فالج کا زبردست حملہ ہوا، اسی حالت میں دو سال تک باحیات رہے۔ بالآخر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ جنازہ میں علماء، دانشور اور سیاسی رہنماؤں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ گھوڑ پکڑی میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے تین صاحب زادگان ڈاکٹر عبدالماجد، مولانا عبدالباقی اور مولانا عبدالحامد ہیں جو جملہ اوصاف سے متصف اور آپ کے سچے وارث ہیں۔

عبدالباری رحمانی

(۱۸۹۵ء-۱۹۷۲ء)

مولانا عبدالباری بن الحاج عبدالغنی

مقام وپوسٹ: رھیکا، ضلع مدھوبنی، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۹۵ء۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے مکتب کی تعلیم اردو کنیا اسکول میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر یہاں سے دہلی کے لیے رخت سفر باندھا وہاں دیگر مدرسوں میں تعلیم حاصل کر کے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور جبکہ ساتویں جماعت میں تھے، تقسیم ہند کے نتیجہ میں فساد کیوجہ سے بیچ

ہی میں وطن واپس چلے آئے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی اور جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی وغیرھم تھے۔

تعلیم وتدریس:

دہلی سے واپسی کے بعد گاؤں ہی کے کنیا اسکول سے تدریس کی ابتداء کی۔ یہ سرکاری اسکول تھا، آپ کا تبادلہ ۱۹۵۰ء میں دوسرے گاؤں ہوگیا، لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور مستعفی ہو کر "مدرسہ محمدیہ" رھیکاہی میں درس وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ تعلیم الدین گواپوکھر اور مدرسہ اسلامیہ بھوارا میں بھی تدریسی خدمت انجام دی۔ واپس آکر گاؤں ہی کے مدرسہ محمدیہ میں تعلیم دینی شروع کی اور تاحیات اس کے مدرس رہے۔

دعوت وتبلیغ:

آپ کا یہ معمول تھا کہ تدریس کے بعد خارجی اوقات میں علاقہ کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں دعوت وتبلیغ کرتے۔ آپ نے دعوتی کام کے لیے جمعرات کا پورا دن مختص کر رکھا تھا۔ علاقہ کے لوگ جمعرات کے دن تقریر کرانے کے لیے آپ کو لے کر جاتے۔ موضع تیلیا پوکھر جو کہ بدعتیوں اور بریلویوں کا گڑھ تھا، ان کے علماء سے مناظرہ کیا اور انہیں شکست دی، چنانچہ بستی کے آدھے سے زیادہ لوگوں نے مسلک اہلحدیث کو اپنا لیا۔ آج علاقہ کے گاؤں تیلیا پوکھر، سگونا، اونسی، بھمن گواں، رام پور، بلاہی، ہری نگر وغیرہ میں جو کتاب وسنت کے عاملین نظر آرہے ہیں، وہ آپ کی سالہا سال کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مولانا رحیم آبادی نے مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ۱۹۰۹ء میں ڈالی اور آپ نے تعلیم وتدریس کو عام کیا۔ انہوں نے کتاب وسنت کا پودا لگایا اور آپ نے سینچ کر تناور کیا۔ آج الحمد للہ رھیکا میں ۲۰ علماء وفضلاء موجود ہیں اور پورا موضع کتاب وسنت پر گامزن ہے۔

کتاب وسنت کا یہ داعی قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کرتے ہوئے ۳ر

اکتوبر ۱۹۷۲ء بروز پیر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

انتقال:

مولانا کے ایک صاحبزادے عبدالسمیع بھی تدریسی زندگی گزار کر ۱۶ رنومبر ۱۹۹۵ء بروز جمعرات انتقال فرما گئے۔

مرتب کتاب ہذا نے آپ کے داماد مولانا اعجاز محمد سلفی سے ملاقات کر کے آپ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ مولانا اعجاز صاحب بھی اس وقت ۷۵ کے لپیٹے میں ہیں اور بے حد کمزور ہیں۔

عبدالجبار شکراوی

(۱۸۸۳ء-۱۹۸۵ء)

شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار (سوکھپوری) بن دِلّو بن خُو اجُو

موضع: سوکھپور، تحصیل: فیروز پور جھرکہ، ضلع گڑگاؤں (میوات) ہریانہ

تاریخ پیدائش: ۱۸۹۳ (تخمیناً)

آپ کا سلسلہ نسب میوات کے مشہور خاندان ''چھر کلوت'' میں راؤ باہڑ سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت:

اردو، دینیات اور مکتب پرائمری کی تعلیم موضع ریٹھت کے مکتب میں حاصل کی۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے دہلی عازم سفر ہوئے اور وہاں کے مشہور مدرسہ ''دار الکتاب والسنۃ'' صدر بازار، دہلی ۔۶ میں داخلہ لے کر مولانا عبداللہ اٹاوی سے فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ صرف ونحو، عربی ادب اور مشکوۃ کا درس مولانا خیر الدین پنجابی سے لیا۔ اسی دوران چند نا مساعد حالات کی وجہ سے کھنڈیلہ (راجستھان) چلے گئے اور وہاں دو سال

رہ کر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی (متوفی ۱۹۶۲ء) سے سنن اربعہ اور دیگر علوم وفنون کا درس لیا۔ دوران تعلیم وہاں طاعون کا مرض پھیل جانے کی وجہ سے وطن میوات لوٹ آئے اور دوبارہ دہلی جا کر خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی (متوفی ۱۹۴۱ء) سے حدیث، فقہ واصول فقہ کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبدالوہاب صدری (متوفی ۱۳۵۱ھ) سے کتب ستہ کا درس لیکر ان سے بھی سند اجازہ حاصل کی۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد مدرسہ دار الکتاب والسنۃ (صدر بازار) میں درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے، نیز وہاں سے شائع ہونے والے ماہنامہ مجلّہ ''صحیفہ اہلحدیث'' کے ایڈیٹر بھی بن گئے۔ اسی دوران آپ نے تفسیر ''جامع البیان'' کی تصحیح بھی کی۔

مدرسہ حمیدیہ موری گیٹ:

بعد میں ذمہ داران جماعت کے حکم سے مدرسہ حمیدیہ (مسجد اہلحدیث موری گیٹ، جس مسجد میں بیٹھ کر مرتب کتاب ہذا (خالد حنیف صدیقی) آپ کی سوانح حیات مرتب کر رہا ہے) میں از ابتداء تا سنن اربعہ کی تعلیم دینے لگے، مولانا داؤد رازؒ نے بھی اسی مدرسہ میں شیخ الحدیث مرحوم سے مشکوۃ کا درس لیا ہے۔ یہاں آپ نے تین سال تک درس دیا۔

مدرسہ اشاعت القرآن والحدیث:

بعد میں یہاں سے مستعفی ہو کر مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی کے مشورہ سے اپنے موضع میں مدرسہ ''اشاعت القرآن والحدیث'' قائم کیا، جس کا کل خرچ گاؤں والے برداشت کرتے تھے۔ لیکن مقامی طور پر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ مدرسہ زوال پزیر ہوگیا۔ آپ نے استعفی دے دیا اور گھریلو کاروبار میں لگ گئے۔

پھر حکیم مولانا عبدالشکور کے مشورے سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے ایک عرصہ تک مبلغ رہے۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا داؤد راز بھی مبلغ وسفیر بنادیے گئے، چنانچہ دونوں

استاذ وشاگردنے مل کر میوات اور بیرون میوات ایک ایک دیہات اور قصبہ وشہر میں جاکر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں، ممبئی، بنگلور، مدراس، جبل پور، وغیرہ پہنچ کر تبلیغی خدمات انجام دیں، نیز آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے لیے مالی تعاون بھی حاصل کیا۔

امیر جمعیت میوات:

۱۹۲۷ء-۱۹۲۸ء کے آس پاس جب جمعیت اہلحدیث ہریانہ میوات کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے امیر منتخب ہوئے اور تا وفات ۱۹۸۵ء امارت کے منصب پر فائز رہے۔ اس دوران آپ نے صوبائی جمعیت کی طرف سے بہت سے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے۔ اسلامی، اخلاقی اور اصلاحی پمفلٹ اور کتابچے چھپواکر پورے میوات میں تقسیم کرائے۔ وہاں کی مساجد میں امام وخطیب کا بندوبست کیا، ریاستی سطح پر کئی ایک اجلاس عام کرائے۔

جامعہ سلفیہ میوات:

جب جامعہ سلفیہ میوات کا قیام عمل میں آیا تو آپ اور مولانا داؤد راز اس کے استاد مقرر ہوئے گھر بار چھوڑ کر مدرسہ میں رہائش اختیار کرلی۔ اور قرآن وحدیث کے درس میں مشغول ہوگئے۔ آج میوات میں جو کچھ دینی چہل پہل اور مسلک کتاب وسنت کی روشنی نظر آرہی ہے، اس میں آپ کی بھی جد وجہد اور کاوش شامل ہے۔

درس وتدریس کی مشغولیت، طلباء کی نگرانی، اسفار کی کثرت اور جماعتی امور کی دیکھ ریکھ کی وجہ سے تصنیف وتالیف کے لیے وقت نہ مل سکا۔ البتہ ایک رسالہ ''قراۃ فاتحہ خلف الامام'' پر تحریر فرمایا تھا۔ مولانا داؤد راز کی ترتیب دادہ ''ثنائی ترجمہ والا قرآن'' اور ''بخاری شریف مترجم'' کی مکمل تصحیح وتنقیح آپ نے ہی فرمائی تھی۔ آپ کی دینی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

۷/ مارچ ۱۹۷۶ء کو بحالت نماز فالج کا حملہ ہوا۔ علاج ومعالجہ کے بعد الحمد للہ شفایاب

ہو گئے۔ لیکن پیرانہ سالی کے باعث مختلف امراض نے زور پکڑا بالآخر ۲۳ر نومبر ۱۹۸۵ء مطابق ۹ر ربیع الاول ۱۴۰۶ھ بروز شنبہ احادیث نبوی کا یہ خادم عالم جاودانی کو سدھار گیا۔ وصیت کے مطابق نماز جنازہ حکیم مولانا محمد اسرائیل سلفی نے پڑھائی۔ اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

عبدالجلیل سامرودی

(۱۳۱۰ھ-۱۹۷۲ء)

نام ونسب:

آپ کا نام جو آپ کے والد اور دادا کی طرف سے رکھا گیا ہے وہ ''محمد علی'' ہے۔ اور یہی نام کاغذات اور سرکاری دفاتر وغیرہ میں ہے۔

''عبدالجلیل'' کا نام آپ کو اپنے استاد کی طرف سے ملا تھا اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔ کنیت ''ابو عبدالکبیر'' ہے۔

سلسلۂ نسب:

ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل بن ابی السعادت علی احمد بن محمد بن ہاشم بن محمد بن علی بن احمد بن علی السامرودی اللونتی۔

تاریخ ومقام پیدائش:

آپ ۱۳۱۰ھ میں قریہ سامرود میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش و پرداخت ہوئی۔ جب آپ پانچ سال کے تھے تو آپ کے والد گرامی (علی احمد) اور دادا (علامہ محمد ہاشم) ۱۳۱۵ھ میں پھیلی طاعون کی بیماری میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے والد اور دادا دونوں ہی میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔ میاں صاحب پر لکھی گئی کتاب ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں ان عربی خطوط کا ذکر ہے جو انہوں نے میاں صاحب کو لکھے تھے۔

۱۳۱۵ء کے طاعون نے آپ کے پورے خاندان کا صفایا کر دیا تھا۔ صرف ۷ آدمی پورے خاندان میں زندہ بچے تھے (دیکھیں زہرۃ ریاض الابرار مولف: علامہ سامرودی)

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی اردو اور قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی شہر کا قصد کیا اور وہاں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں داخلہ کے متمنی ہوئے، لیکن کمسن ہونے اور تعلیم صرف قرآن مجید ناظرہ و مختصر اردو، ہونے کی وجہ سے داخلہ نہیں ہوسکا۔ ادیب الہند مولانا عبدالعزیز میمنی جوناگڑھی نے آپ کے ماموں مولانا محمد سورتی کو مشورہ دیا کہ مولانا عبدالوہاب صدری کے مدرسہ "دارالکتاب والسنۃ" صدر بازار میں داخل کرا دیں، چنانچہ وہاں آپ کا داخلہ ہوگیا۔

آپ نے تعلیم کا آغاز ترجمہ قرآن اور کتب نحو و صرف سے کیا اور مولانا عبدالوہاب سے کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ آٹھ سال تک اسی مدرسہ میں رہے اور پوری مکمل تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ البتہ منطق و فلسفہ وغیرہ کی تعلیم مسجد فتح پوری میں ایک حنفی عالم دین سے حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ نے صرف ایک استاذ سے دینیات کی پوری تعلیم حاصل کی، دہلی میں مولانا عبدالوہاب صدری سے قرآن و حدیث اور نحو و صرف وغیرہ اور مسجد فتح پوری میں ایک حنفی عالم سے منطق و فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

تدریسی خدمات:

دہلی سے پڑھ کر جب وطن سامرود واپس آئے تو "مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالکتب والسنۃ" نام کا گاؤں میں ایک ادارہ قائم کیا۔ اس میں ابتدائی تعلیم دیگر اساتذہ دیتے تھے اور

بذات خود آپ بڑے طلباء کو اپنے کتب خانہ اور مسجد میں درس دیتے تھے۔ ہندوستان کے تمام صوبوں کے علاوہ دیگر ممالک پاکستان کے صوبہ ملتان، سماترا، جاوا اور انڈونیشیا سے بھی طلباء جوق در جوق آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔ عام طور پر درس میں طلباء کی تعداد ۱۵ کے قریب رہتی تھی۔

تلامذہ کی تعداد:

مولانا محمد اسحاق جلیلی (فیض آباد)، مولانا عبدالبر سامرودی (صاحب زادے)، مولانا عبدالمجید فیضی، حافظ حمید اللہ جلیلی، مولانا عبدالرحمٰن (صاحب زادے)، مولانا احمد دہلوی، مولانا عبدالواجد دہلی، مولانا شہاب الدین مجاہد، مولانا عبداللہ، مولانا عظمت اللہ (یوپی)، مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالمتین (بنگال)۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) وسیلة النجاة فی اتباع سنة نبینا سیدنا السادات (عربی-اردو)

(۲) اعتقاد الاکابر فی اجراء الصافات علی الظواهر (عربی)

(۳) الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واهله الدحیث (عربی)

(۴) زهرة ریاض الابرار (عربی-اردو)

(۵) اعلام منن الغنی فی تلخیص الضعفاء والمتروکین من کتاب ابی الحسن الدارقطنی (عربی)

(۶) الدلیل الأظهر فی تحقیق معنی "الله اکبر" (عربی)

(۷) الغمغمة فی سنیة التسمیة عند الأطعمة وغیرها دون البسملة (عربی)

(۸) ارسال البرید لقطع لغادید اهل التقلید لمن عزی اهل الحدیث الی القول الجدید

(۹)الغمغمة مع ترجمة الجمجمة

(۱۰)الفاكهة الغريفة فی جواز رفع الأيد بعد الفريضة

(۱۱)صمصام المؤحدين

(۱۲)الانصاف فی ان مارده اللاجفوری ردا لمذهب الأحناف

(۱۳)اصلاح الجرح المتين فی تثليث التامين

(۱۴)بوئے غسلین از قطرت عشرین

(۱۵)نسيم الرياحين من رياض الصالحين ، شرح رياض الصالحين امام نووی

(۱۶)الخزی الوبيل لمن صنف الجرح الجميل

(۱۷)العذاب المهين لقاطع الوتين عند رب العلمين الملقب بہ اظهار الحق المبين برد تلبيسات المقلدين الشهير بہ فقہ احناف کے اسراری گر،

(۱۸)انتباه النائمين بمجرد وصول روائح خرافات المقلدين

(۱۹)نيل المرام بازالة الاوهام عن اسنان ما يضحى من بهيمة الانعام (تحقيق المسنه)

(۲۰)تعليم الدين المعروف به قوانين شرع محمدی

(۲۱)احقاق الحق الحقيق

(۲۲)تحذير الانام عن وساوس ما نعی القرأة خلف الامام

(۲۳)اظہار حقیقت از آئینہ حقیقت

(۲۴)اظهار الحق الصريح فی مسئلة التراويح

(۲۵)طمس العين فی رد دلائل عدم رفع اليدين

(۲۶)ضوء المصابيح حاشية مشكوة المصابيح (مشکوۃ شریف کا عربی میں بہت عمدہ حاشیہ)

(۲۷)ترجمۃ کتاب القرأۃ (۲۸)اسلامی کسوٹی (گجراتی)

(۲۹)تمام الخشوع بادراک الرکوع (اردو)

(۳۰)الامر الرشاد بجواب "الجواب السداد" (اردو)

ان کے علاوہ علامہ نے متعدد کتب تالیف فرمائی ہیں پمفلٹ اور اشتہارات وغیرہ کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔اور علامہ نے شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' کی بڑی محنت سے تصحیح کی ہے۔

آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے،قرآن وحدیث کی معلومات کے ساتھ ساتھ آپ معلومات فقہ احناف کے بھی ایک سمندر تھے۔آپ کو کتب بینی کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ دن رات کتابوں کے کیڑے بنے رہتے تھے۔نہایت ہی زاہد و عابد اور خداترس انسان تھے۔آپ بہت بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ ایک تجربہ کار حکیم بھی تھے۔

۱۶رتمبر۱۹۷۲ء بروز ہفتہ علم وعمل کا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالجلیل رحمانی

(۱۹۱۸ء-۱۹۸۶ء)

مولانا عبدالجلیل رحمانی بن تعلقدار

ساکن:ششہنیاں،پوسٹ الیدہ پور،ضلع سدھارتھ نگر یوپی

تاریخ پیدائش:۱۹۱۸ء

مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی جماعت کی چند مایہ ناز اور عبقری شخصیات میں ایک ہیں جن پر بجا طور پر دارالحدیث رحمانیہ کو فخر تھا۔مولانا مرحوم نے اپنی ایک تالیف ''شہدائے احد'' کے ص:۱۳۰ تا ص:۱۹۰ پر اپنی سوانح حیات خود رقم کی ہے۔انہیں کا خلاصہ درجہ ذیل پیش خدمت ہے۔

نام ونسب:

عبدالجلیل بن تعلقدار ۔مقام ششہنیاں اسٹیٹ الیدہ پور تحصیل نوگڑھ، سدھارتھ نگر ہے۔دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے فارغ التحصیل ہیں، اس سبب رحمانی کہلائے ۔ مولد خاص ایک موضع بہادر پور ہے، جو دار العلوم ششہنیاں کے شمال مشرق گوشہ میں ایک فرلانگ سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے۔ جہاں ۴۰۔۴۵ سال سے موروثی آراضی زیر کاشت ہیں۔

تعلیمی مراحل:

ششہنیاں سے ایک میل کے فاصلہ پر بمقام گورا بازار میں ایک اسلامیہ مدرسہ قائم تھا، اسی مدرسہ میں تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔اردو فارسی کی ابتدائی کتب حساب اور املا کی تعلیم آپ نے اسی مدرسہ میں حاصل کی۔انہیں دنوں مولانا ہدایت علی (مہتمم مدرسہ ہدایت المسلمین، کرہی۔شاگرد مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری (۱۲۶۹ھ۔۱۳۴۶ھ) کے ایماء پر انجمن اسلامیہ گورکھپور میں درجہ چہارم میں داخلہ لیا۔مولانا سید عابد علی (صدر المدرسین) سے سکندر نامہ، شرح مأۃ عامل وغیرہ کتب کا درس لیا۔پھر اپنے گورکھپور کے استاذ مولانا ہدایت علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے لیے ان کے گاؤں کرہی کے مدرسہ ہدایت المسلمین میں داخل ہو گئے۔مولانا موصوف سے ہدایت النحو، کافیہ، شرح جامی، سبعہ معلقہ، قدوری، اصول الشاشی، مرقاۃ وغیرہ کتب کا درس لیا۔

سراج العلوم جھنڈانگر:

ہدایت المسلمین میں تعلیم مکمل کر کے مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لیا۔مولانا عبدالغفور بسکوہری ملا فاضل (ت ۱۹۸۷ء) سے قطبی، شرح جامی، متنبّی، شرح تہذیب کا درس لیا۔امام الفرائض مولانا عبدالرحمٰن بجواوی (ت ۱۹۷۲ء) سے مناظرہ رشیدیہ، مشکوۃ شریف، شرح نخبۃ الفکر، ترجمہ کلام پاک، شرح

وقایہ اور سراجی کا درس لیا۔

دارالحدیث رحمانیہ:

سراج العلوم میں کورس مکمل کرنے کے بعد مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۳۱ء مطابق ۱۳۵۰ھ میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ حسب خواہش جماعت رابعہ میں داخلہ ہوا اور مسلسل پانچ سال تک تمام علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کرام سے اکتساب فیض علم کرتا رہا۔ ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں بعمر ۱۸ سال سند فراغت حاصل کی۔

دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ میں معقولات میں مولانا سکندر علی ہزاروی منقولات میں محدث کبیر علامہ احمد اللہ پرتاپ گڑھی (ت ۱۹۴۲ء) مجتہد علم وفن علامہ عبدالسلام معقولی بدایونی ۔ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۱۹۰۹ء-۱۹۹۴ء) جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۱۹۰۵ء-۱۹۶۸ء) وغیرہم علماء سے بھرپور استفادہ کیا۔ موخر الذکر سے موطا امام مالک کا درس لیا۔

۸ر شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۰ء کو شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ (م ۱۹۴۲ء) نے سند اجازت مرحمت فرمائی۔ الحمد للہ! موصوف کا سلسلہ سند بالواسطہ قاضی شوکانی سے ملتا ہے۔

دارالحدیث رحمانیہ میں تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۲، ۳ سال کا وقفہ بیکاری اور کھیتی باڑی میں گزرا۔ اسی درمیان ۱۹۳۸ء کے اختتام پر تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لیے دارالحدیث رحمانیہ پہنچے۔ عربی کے ابتدائی درجات کی کتب کے علاوہ بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح، ترجمہ کلام مجید، مقامات حریری، تاریخ خضری، شرح عقائد، شرح وقایہ اور اقلیدس وغیرہ کی کتابیں زیر تدریس رہیں۔ اسی دوران ۱۰ر مارچ ۱۹۳۹ء کو رفیقۂ حیات اور ۳۰ر جنوری ۱۹۴۰ء کو والد گرامی (تعلقدار) ۱۰ر اگست ۱۹۴۰ء کو والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ وطن سے دور اور مدرسہ کے ناقابل برداشت حدود وقیود کی وجہ سے کسی کے جنازے اور تجہیز وتکفین میں شریک

ہو سکے۔ بہر حال تقریباً سات سال تک جامعہ رحمانیہ میں تدریسی سلسلہ سے جڑے رہنے کے بعد ۲۶/اپریل ۱۹۴۵ء کو استعفیٰ دے کر وطن واپس آ گئے۔

دارالعلوم ششہنیاں کا قیام:

موصوف نے ۱۹۴۴ء میں ایک مدرسہ بنام ''دارالعلوم'' قائم کیا تھا جو مکتبی شکل میں چل رہا تھا۔ رحمانیہ سے مستعفی ہو کر اسی مدرسہ کو ترقی دینے میں لگ گئے۔ عربی درجات کا اضافہ کیا۔ باہری طلبہ داخل کئے۔ مدرسین کی تعداد میں اضافہ کیا۔ مسجد و دارالاقامہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ساتھ میں تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے سے بھی جڑے رہے۔ اسی موقع پر ایک کتاب بنام ''شہدائے احد'' لکھی اور ایک ماہنامہ مجلّہ بنام ''مصباح'' جاری کیا جس کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں منظر عام پر آیا۔ لیکن زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔

جماعتی خدمات:

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ایک رکن کی حیثیت سے ۱۹۵۳ء سے جماعت سے وابستگی اختیار کی اور بڑی تندہی اور مستعدی و انہماک کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا۔ الحاج محمد صالح آف حاجی علی جان کے انتقال کے بعد ۱۹۵۶ء میں مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ (جنرل سکریٹری) منتخب ہوئے اور بوجوہ ۱۹۶۰ء میں خود ہی مستعفی ہو گئے۔ مولانا موصوف اہلحدیثان ہند میں بڑی اہم اور قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ علم و فضل، دانائی و بینائی، معاملہ فہمی اور دوراندیشی کا پیکر تھے۔ آپ کے زمانہ میں آپ جیسی مدبرانہ صلاحیتوں کے مالک کم ہی دیکھے گئے، مگر افسوس کہ ان صلاحیتوں کا استعمال صحیح طور پر نہ ہو سکا۔ اور نہ ہی لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

۱۹۴۷ء کے بعد آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا جماعتی نظام و شیرازہ منتشر ہو گیا۔ دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، ترجمہ و تعریب، نشر و اشاعت، جماعتی ربط و تعلقات، غرضیکہ تمام ہی شعبہ ہائے جماعت معطل ہو گئے تھے۔ بس جماعت کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ ان

حالات وظروف میں مذکورہ شعبوں کو دوبارہ متحرک وفعال بنانے کی انتھک کوشش کی تھی۔

نوگڑھ کانفرنس:

نوگڑھ کانفرنس (منعقدہ ۱۶/۱۷/۱۸/۱۹/ نومبر ۱۹۶۱ء) کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں دیگر علماء اہلحدیث کے شانہ بشانہ، دامے، درمے، قدمے، سخنے، غرضیکہ ہر طرح کا آپ کا تعاون شامل رہا۔ چنانچہ کانفرنس کی تیاری میں انتھک مصروفیات کے باعث چند ماہ کے لیے اپنا قائم مقام جنرل سکریٹری مولانا داؤد راز کو بنادیا۔

آپ کی تحریر میں بڑی جان تھی۔ مجلّہ ''مصباح'' اخبار اہلحدیث دہلی'' پندرہ روزہ ''ترجمان'' دہلی میں شائع آپ کے ادارتی نوٹ اس بات کے شاہد وغماز ہیں۔

انتقال پر ملال:

آپ مدت سے درد شکم کے مریض تھے۔ دوا، علاج اور پرہیز سے افاقہ ہو جاتا۔ لیکن پھر مرض عود کر آتا۔ بالآخر اسی بیماری میں ۱۷/فروری ۱۹۸۶ء بروز شنبہ (سنیچر) پونے گیارہ بجے علم وفضل کا یہ چراغ بجھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پانچ بجے شام ہی کو تجہیز وتکفین عمل میں آئی اور دار العلوم سے متصل اپنے موروثی زمین میں دفن کئے گئے۔

تالیفات:

مولانا مرحوم کو جہاں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ نیز انتظامی وانصرامی امور پر ملکہ حاصل تھا، وہیں آپ تالیفی ذوق سے بھی مالامال تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے مضامین تجزیے اور اداریئے جہاں جرائد ورسائل میں موجود ہیں، وہیں ۲ کتابوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (۱) شہدائے احد (اردو) صفحات: ۱۱۴ مطبوع ۱۹۶۶ء دہلی۔

یہ کتاب غالبا دور طالب علمی یا بعد الفراغ لکھی گئی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں سبب تالیف بیان کرنے کے ساتھ اپنی سوانح حیات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ اور شہدائے

کرام کے اسماء گرامی حروف تہجی کی ترتیب پر، مہاجر و انصار کے امتیاز کے ساتھ اپنے مخصوص ادیبانہ طرز پر بیان کیا ہے۔

(۲) تفسیر القرآن (اردو) اس کے بارے میں مولانا محمد مستقیم سلفی ''علمائے اہلحدیث کی تصنیفی خدمات'' میں لکھتے ہیں: ''یہ تفسیر لگ بھگ ڈیڑھ پاروں پر مشتمل ہے جو مجلّہ ''مصباح'' میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔

سید عبدالحفیظ سلفی

(۱۹۱۶ء تا ۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی بن سید محمد فرید سلفی بن سید عبدالوحید

محلّہ: جی این گنج، لہریا سرائے، دربھنگہ، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۳۴ھ

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم کے ساتھ حفظ قرآن مجید حافظ عبیدالرحمٰن کے پاس مکمل کیا۔ پھر مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ (سن تاسیس ۱۹۱۸ء) میں داخلہ لیا اور عربی درجات کی تعلیم پوری کر کے ۱۹۳۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد ۱۹۳۸ء میں شفیع مسلم ہائی اسکول سے میٹرک اور ۱۹۴۳ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ایل ایم پی (L.M.P) پاس کیا۔ پھر کلکتہ کے کالج آف ٹراپیکل میڈیسین سے ایل ٹی ایم (L.T.M.) اور پٹنہ یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس (M.B.B.S) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ M.R.C.P. کا کورس مکمل کرنے کے لیے انگلینڈ جانے کی تیاری میں لگے تھے کہ والد گرامی کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

نظامت وادارت:

ان مراحل سے گزرنے کے بعد اپنے والد گرامی کے منصب کو سنبھالتے ہوئے ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے نظم واہتمام کو سنبھالا۔ دارالعلوم کی سند کو سعودی جامعات کے معادل کرایا۔ ۱۹۶۵ء میں سلفیہ اسکول قائم کیا جہاں نرسری سے لے کر ہائی اسکول تک کی تعلیم کا نظم ہے۔ دارالعلوم کے اشراف میں ایک سلفیہ یونانی میڈیکل کالج قائم کیا اور بہار یونیورسٹی پٹنہ سے الحاق کرایا۔ ۱۹۵۷ء میں ملت کالج قائم کیا۔

دینی خدمات:

آپ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ ملی، سماجی اور تعلیمی خدمات میں گزارا۔ بڑے دور اندیش، مخلص، باہمت اور تعمیری ذہن رکھتے تھے۔ قوم وملت کی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور دینی وعلمی، مسلکی ومذہبی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ملک کی تنظیمی واصلاحی جمعیتوں سے بھی وابستہ رہے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے رکن اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بانی ممبروں میں سے تھے۔ دارالعلوم سے شائع ہونے والے ماہنامہ ’’الہدیٰ‘‘ کے مدیر مسئول اور سرپرست رہے۔

صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند):

صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) حضرۃ العلام مولانا عبدالوہاب آرویؒ کے مستعفی ہوجانے کے بعد مولانا عبدالجلیل رحمانی کی سفارش اور مولانا عبدالخبیر صادق پوری کے حکم سے بادلِ نخواستہ ۱۹۷۲ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر (امیر) بنے اور تقریباً ۸ سال تک (۳ر ستمبر ۱۹۷۹ء کے انتخاب تک) اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس دوران آپ نے دعوتی سرگرمیوں میں اضافہ کیا۔ جمعیت کو منظم ومستحکم کرنے اور ضلعی وصوبائی اکائیوں کو باہم منسلک کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

پیکرِ اخلاص ومحبت، یکتائے علم وفن، شیدائے منہج سلف اور نمونہ سلف صالحین کی اس ذات گرامی نے ۱۸ر جون ۱۹۹۹ء مطابق ۲۲ر صفر ۱۴۰۲ھ بروز شنبہ بعمر ۸۳ سال داعی اجل کو لبیک کہا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ

ابو محمد عبدالحق املوی

حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق بن شیخ جہاں گیر غازی املویؒ مترجم تلبیس ابلیس۔ علامہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی کے نام ونسبت سے اہل علم میں مشہور ہیں۔ ان کے والد شیخ جہاں گیر حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے سرگرم غازیوں میں سے تھے۔ املو میں ان کی مسجد ان کے نام سے مشہور ہے۔ افسوس کہ ان کے حالاتِ زندگی بھی معلوم نہ ہو سکے۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ مولانا سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور فراغت کے بعد مدرسہ میاں صاحب واقع پھاٹک حبش خاں میں تعلیمی خدمت انجام دی اور وہیں انتقال کیا۔ کسی بات پر گھر سے خفا ہو کر دہلی چلے گئے تو پھر مبارکپور نہیں آئے۔ ایک مرتبہ ان کے بھائی حافظ محمد اسحاق ان سے ملاقات کے لیے دہلی گئے، اس وقت وہ اپنے سیدھے سادے لباس میں تھے تو مولانا نے ان کو تنبیہ کی کہ شہر میں دیہاتی لباس میں نہیں آنا چاہیے۔ مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث تھے اور نہایت ذی علم اور نیک نفس عالم تھے۔ ان کے علمی تبحر اور حدیث وفقہ اور افتاء میں وسعت علمی کا پتہ فتاویٰ نذیریہ سے چلتا ہے، جس میں ان کے بہت سے فتاوے درج ہیں اور بہت سے فتاوے پر دستخط ہیں۔ فتاویٰ نذیریہ میں عام طور سے تین عبدالحق کے نام ملتے ہیں۔ (۱) ابو محمد عبدالحق مبارکپوری املوی ہیں، جن کے بہت سے مستقل فتاوے اس کتاب میں درج ہیں اور ان کے آخر میں حررہ محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ لکھا ہے۔ کہیں صرف عبدالحق اور کہیں محمد عبدالحق اور کہیں ابو محمد عبدالحق ہے۔ اس طرح کے فتاوے جلد اول کے صفحات ص ۴۴۶، ص ۴۵۵، ص ۴۹۶، اور

جلد ثانی کے ص ۹۹، ص ۱۹۳، ص ۱۹۷، ص ۲۰۱، ص ۲۵۵، ص ۲۹۷، ص ۲۵۳، ۳۹۱ وغیرہ پر موجود ہیں۔ جلد اول کے ص ۳۱۶ پر فقیر محمد عبدالحق ۱۲۹۵ھ درج ہے۔ اگر ان کے فتاوے یکجا کیے جائیں تو مستقل تصنیف ہو جائے۔ ان کی تصنیفی یادگار میں امام ابن جوزی متوفی ۵۵۷ھ کی شہرۂ آفاق کتاب "تلبیس ابلیس" کا ترجمہ اسی نام سے ہے جو دو بار چھپ چکا ہے۔ ہندوستان اور کراچی کے نسخے ہم نے دیکھے ہیں۔ ناشر کتاب نے مولانا کے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ علامہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی کا ہے۔ ترجمہ ایک حد تک آزاد اور کسی قدر مفید اشارات کے ساتھ کیا گیا ہے، جس سے مترجم کی وسیع النظری کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت یہ ہے فاضل مترجم نے اردو داں طبقہ پر بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے سامنے ایک گراں قدر باب کھول کر رکھ دیا اور آخرت کی کامرانی اور فائز المرامی کا راز ان کو سمجھا دیا۔ (ص ۳، ۴) مولانا عبدالحق نے اس کتاب کی ابتداء میں دس صفحات میں امام ابن الجوزی کے حالات نہایت سلیقہ مندی سے جمع کیے ہیں اور اسی کے آخر میں لکھا ہے کہ آپ کے حالات زندگی پندرہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ طبقات ابن رجب میں مذکور ہیں، جن میں بڑے بڑے علمی معرکوں کا بھی بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو سوانح نگاری کا بھی خاص ذوق تھا۔ (تراجم علمائے مبارکپور)

عبدالحکیم صادق پوری

(۱۲۲۶ھ - ۱۳۳۷ھ)

آپ کی سن پیدائش ۱۲۲۶ھ کے آس پاس ہے۔ والد گرامی کا نام احمد اللہ تھا۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے درسی کتابیں نیز فن طب حکیم مولانا عبدالحمید سے پڑھیں اور حدیث کی سند واجازہ اپنے عم مکرم مولانا یحییٰ علی سے حاصل کی۔ اتباع سنت اور احکام الٰہی کے شیدائی

تھے۔ خلاف شرع امور کو دیکھ کر بلا تامل اسے روکنے کی کوشش کرتے، صاف گوئی میں برہنہ شمشیر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کے دلوں میں آپ کا خاص وزن ولحاظ تھا۔

طبابت:

علاج ومعالجہ میں اصول وضوابط کی سخت پابندی کرتے۔ آپ کے نسخے بہت مختصر ہوتے۔ تشخیص اعلیٰ درجے کی تھی۔ مطب دو جگہ کرتے تھے۔ صادق پور اور مراد نگر۔ لیکن دعوت وتبلیغ میں زیادہ منہمک رہنے کی وجہ سے مقبولیت میں کمی آگئی۔ آپ نے تدریسی خدمات بھی انجام دیں، چنانچہ اہل قرابت آپ کے شاگرد ہیں۔

دعوتی خدمات:

آپ نے کچھ کتابیں بھی عوام کے استفادہ کے لیے تالیف کی ہیں۔ چنانچہ سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ، سورہ ملک اور پارہ عم کی تفسیر لکھی اور مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ بھی کیا۔ آپ کی ایک خاص تصنیف آپ کے خطبے تھے جن کی کئی جلدیں تھیں۔ کتابت سے بڑا لگاؤ تھا اس لیے طلباء کو کتابیں لکھ کر دے دیا کرتے تھے۔ ہفتہ کے دن صادق پور، عالم گنج، خان مزار محلہ، شاہ گنج، مراد پور اور دنا پور وغیرہ میں دعوت وتبلیغ کرتے۔ بعد نماز مغرب ایک گھنٹہ درس دیتے۔ ایک عرصہ تک نمو ہیہ کی جامع مسجد میں خطبہ دیا۔ حکیم ہونے کے باوجود دعوت وتبلیغ میں کوتاہی نہیں کی۔

آپ کا بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہوتا۔ گنوار سے گنوار بھی سمجھ لیتا۔ یہی حالت آپ کی تحریر کی بھی تھی۔ کبھی کبھی ادبی نکات بھی بیان فرماتے۔ خطبہ جمعہ یا دیگر بیان کے لیے پہلے خطبہ تیار کرتے۔ وعظ میں اکثر واقعات بیان فرماتے۔ بڑی پر جوش تقریر کرتے۔ طبابت کے پیشہ سے منسلک تھے، لیکن تقریر کے لیے کبھی انکار نہ کرتے۔ وقت پر حاضر ہو جاتے۔ طبیعت کی ناسازی کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ نہ دھوپ کی پروا نہ بارش کی۔ دور دراز کا سفر بھی کرتے اور ہفتوں وعظ وخطاب میں گزار دیتے۔ شرک وبدعات، مروجہ رسم ورواج اور تصوف مروجہ کی خوب خبر لیتے۔ آپ نے وعظ وتبلیغ کے لیے گویا اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔

پٹنہ میں نماز عیدین مسجدوں میں ادا کی جاتی تھیں۔ آپ نے کوشش کر کے مصلیٰ قائم کیا۔ چنانچہ یہ سنت آج بھی جاری ہے۔ بیک وقت کئی کئی شادی لوگ مکرہ سمجھنے لگے تھے آپ نے بیک وقت ۳ شادیاں کیں تا کہ سنت زندہ رہے۔

آپ کے صاحب زادے حکیم عبدالخبیر صاحب ہیں، دوماہ سے زیادہ بیمار رہ کر ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۳۷ھ بروز سہ شنبہ بوقت مغرب انتقال کیا۔ نماز جنازہ مولانا عبدالقیوم نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (اہل حدیث امرتسر، نومبر ۱۹۲۱ء)

حکیم عبدالحکیم رحمانی

مولانا حکیم عبدالحکیم رحمانی بن حکیم مسیح الدین

محلہ کوٹ، مئو آئمہ الہ آباد یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۰ء (تخمینا)

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ ضیاء العلوم (موجودہ نام چشمۂ صمد) میں حاصل کی۔ یہاں سے پرائمری درجات پنجم پاس کر کے ماڈل ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ یہاں کچھ عرصہ گزار کر بعمر دس سال دہلی چلے گئے اور مدرسہ فیاضیہ کے شعبۂ عربی میں داخلہ لیا۔ پھر جامعہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لے کر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ فضیلت کے سال تقسیم ملک کا معاملہ درپیش آ گیا جس کی وجہ سے فراغت کی سند نہ حاصل کر سکے۔ وہاں سے واپس آ کر مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی سے تعلیم حدیث کی تکمیل کی۔ طب کی تعلیم، تکمیل الطب لکھنؤ کالج سے حاصل کی اور طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ نے جامعہ ریاض العلوم دہلی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دی۔

۱۹۵۶ء میں وطن مالوف واپس آ کر طبابت کا کام شروع کیا اور تاحیات اسی پیشے سے

وابستہ رہے۔

آپ کے رفقاء درس میں مولانا محمد اسلم کانپوری، مولانا اعجاز اعظمی، پروفیسر عبید اللہ کشمیری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

عبدالحکیم فیضی

(۱۹۲۰-۲۰۰۳ء)

مولانا عبدالحکیم فیضی بن مولانا عبدالعلی

موصوف کی پیدائش ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۹ھ میں مئوناتھ بھنجن کے محلہ جمالپورہ کے ایک علمی خانوادہ میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا عبدالعلی کا شمار مشاہیر علمائے اہلحدیث میں ہوتا تھا۔ جنہوں نے پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں صرف کی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ محلہ جمالپورہ میں واقع قدیم عمارت میں حاصل کی۔ (یہ عمارت آج کل بیرونی طلباء کے لیے ہاسٹل کے طور پر استعمال ہورہی ہے) اس دور کے مشہور معلم قرآن حافظ احمد اللہ مئوی سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ پھر مدرسہ محمدیہ کھیدوپورہ میں اپنے والد محترم مولانا عبدالعلی سے (جوان دنوں تدریسی خدمات پر مامور تھے) اردو، فارسی اور عربی کی تیسری جماعت تک کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔ لیکن ایک ماہ کے بعد ہی وہاں سے واپس آکر جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا۔ (ان دنوں یہ مدرسہ قاسم پورہ کی مسجد میں چل رہا تھا) اور مولانا محمد احمد سے سنن ابو داؤد، ابن ماجہ، تفسیر بیضاوی، شرح عقائد نسفیہ وغیرہ اور مولانا عبداللہ شائق سے صحیح بخاری سنن ترمذی، نزہۃ الخواطر، توضیح، مقامات حریری، سبعہ معلقہ وغیرہ اور مولانا عبدالرحمٰن نحوی سے صحیح مسلم، سنن نسائی، تفسیر جلالین، مختصر المعانی، دیوان متنبی اور سراجی وغیرہ کتب سبقاً

سبقاً پڑھیں۔ اور ۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۵۹ھ میں فراغت حاصل کی۔

فراغت جامعہ فیض عام کے بعد کچھ دنوں تک آپ امامت وخطابت سے جڑے رہے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں مدرسہ محمدیہ کھیدوپورہ سے تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا اور ۱۹۵۹ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر علالت کی وجہ سے مستعفی ہوگئے۔ دوبارہ تدریسی سلسلہ مدرسہ عالیہ عربیہ سے شروع کیا اور مسلسل آٹھ سال تک وہاں درس دیا، ۱۹۶۹ء میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں گئے لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی اس لیے چھ ماہ بعد مستعفی ہوکر واپس آگئے۔ ۱۹۷۱ء میں ایک سال مدرسہ احمدیہ بیراگنیاں میں درس دیا۔ ۱۹۷۲ء میں وہاں سے واپس آکر دوبارہ جامعہ عالیہ عربیہ میں تدریسی سلسلہ سے جڑ گئے اور تاحیات اسی ادارہ سے مربوط رہے۔

موصوف نے مجموعی طور پر ۳۹ سال تک میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے پورے خاندان کا اس ادارہ سے قلبی اور علمی طور پر لگاؤ تھا۔ آپ کے بڑے صاحب زادے الحاج محمد ابراہیم ایک عرصہ تک مدرسہ کے نائب ناظم اور پھر ناظم اعلی رہے۔ آپ کے برادر کبیر مولانا محمد اعظمی ایک طویل عرصہ تک مدرس اور پھر صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے والد مولانا عبدالعلی کی بھی اس مدرسہ سے گہری وابستگی رہی اور اس ادارہ کو بام وعروج تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اللہ رب العزت نے آپ کو دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت عطا فرمائی۔ آپکو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ تھا۔ کسی کو خلاف سنت عمل کرتے دیکھتے تو بے چین ہوجاتے اور اچھے انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے۔ آپ کی سادگی اور بے نفسی ضرب المثل تھی۔ علم دوستی اور تقوی شعاری مخصوص صفت تھی۔ امامت وخطابت، درس اور وعظ وارشاد میں دلچسپی کی بنیاد پر تصنیف وتالیف اور تحریر کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ البتہ ۱۹۹۱ء میں ''نقوش صحابہ'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا جو ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں صحابہ کے نصیحت آمیز اور سبق آموز واقعات مندرج ہیں۔

آپ کو ذیابیطس کا عارضہ تھا اور ساتھ ہی پیٹ میں بھی کچھ شکایت تھی۔ یہی بیماریاں

مرض الموت کا سبب بنیں۔ بالآخر کتاب وسنت کے اس داعی نے ۶ ردسمبر ۲۰۰۳ء مطابق ۱۲رشوال المکرم ۱۴۲۴ھ بعد نماز عشاء تقریباپونے آٹھ بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے برادر مولانا محمد اعظمی نے عیدگاہ اہلحدیث ڈومن پورا پچھم میں آپ کی جنازہ کی نماز پڑھائی اور قریب ہی کے آبائی قبرستان میں اپنے صاحب زادے حافظ محمد اسماعیل کے سرہانے سپرد خاک کئے گئے۔

عبدالحکیم سلفی

(۱۹۳۰ء-۱۹۹۳ء)

مولانا حافظ عبدالحکیم مادھو پوری بن حافظ محمد حنیف

ساکن: مادھو پور، پوسٹ وضلع: مظفر پور، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۰ء

تاریخی پس منظر:

آپ کے والد گرامی حافظ محمد حنیف موضع مادھو پور مہوڑا کے باشندہ تھے۔ تحریک مجاہدین سے متاثر ہوکر باقاعدہ عملی طور پر ان کے ساتھ شریک ہوکر جہاد کیا۔ چنانچہ جہاد کی غرض سے سرحد کی طرف ہجرت کر گئے اور اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے۔ وہیں انتقال کیا۔ اہلیہ وطن مالوف واپس آگئیں، واپسی پر حکیم عبدالحفیظ پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی پھر قرآن مجید حفظ کیا اور عربی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اور مدرسہ دارالتکمیل پٹنہ سے مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی اور سند فضیلت حاصل کی۔ پٹنہ طبیہ کالج سے علم طب حاصل کیا، لیکن طبابت کی طرف رغبت نہ ہونے کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ دی۔

فراغت کے بعد درس وتدریس اور جماعتی خدمات میں مصروف رہے۔ موضع رجورا (دربھنگہ) اور موضع سسوا (چمپارن) وغیرہ میں تدریسی فریضہ کی انجام دہی کی۔ پھر مولانا عبدالخبیرؒ کی خواہش پر مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ میں شعبۂ حفظ کے نگراں مقرر ہوئے اور مولانا کے ساتھ صوبہ بہار کے علاوہ دیگر صوبوں کے دعوتی وتنظیمی واصلاحی دورے کئے۔ شہر پٹنہ کی جماعت اہل حدیث کے تنظیمی ڈھانچہ کو مضبوط کیا اور مقامی اکائیاں قائم کیں۔ اس طرح تقریباً نصف زندگی مولانا عبدالخبیرؒ کی رفاقت میں جماعتی خدمات میں صَرف کی۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ دارالہدیٰ چمپوا میں بھی بحیثیت مدرس رہے۔

دارالتکمیل کے زمانہ تدریس میں شہر مظفر پور کے محلّہ چندوارا میں شادی ہوئی اور مادھوپور میں سکونت اختیار کی۔ ۷/اپریل ۱۹۹۳ء کو انتقال کیا۔ (بقلم مولانا فضل الرحمٰن، مظفر پور)

عبدالحکیم فیضی

(۱۹۱۸ء تا ۱۹۴۵ء)

مولانا عبدالحکیم بن محمد امین

ساکن: مولانگر، پوسٹ: پچھور مُراہی، ضلع سیتامڑھی (بہار)

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۸ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

گھر میں کوئی تعلیم یافتہ نہ تھا۔ ایک چچا تھے جنہوں نے کچھ دینی تعلیم حاصل کی تھی لیکن مکمل نہ کرسکے۔ ایسے ماحول میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

قرآن مجید ناظرہ اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم مولانا حافظ عبدالستار صاحب سے مولانگر ہی میں حاصل کی۔ پھر جامعہ فیض عام مئو میں داخلہ لے کر وہاں سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد چند سال تدریس اور دعوت وتبلیغ سے منسلک رہے۔ جماعت سے بھی

وابستہ اور اس سے منسلک رہے، لیکن مریض ہو گئے تو تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ بالآخر ۱۹۴۵ء میں نوجوانی کی عمر میں انتقال کیا۔

بڑے ہی ذہین، ذکی اور طباع تھے۔ سنجیدگی اور متانت بھرپور تھی۔ (فضل الرحمٰن)

عبدالحلیم ناظم پیغمبر پوری

(وفات ۱۹۳۵ء)

عبدالحلیم نام، ناظم تخلص، مولوی محمد ابراہیم کے صاحبزادے اور مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ مولد و مسکن پیغمبر پور ضلع دربھنگہ تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے۔ کچھ دنوں تک یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں داخلہ لیا۔ وہاں زیادہ دنوں نہیں ٹک سکے۔ اور مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی چلے گئے۔ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اور سند فراغت لے لینے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل ادب کی بھی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ اتمام تعلیم کے بعد وہیں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں مدرس ہو گئے۔ علمی صلاحیت ٹھوس تھی۔ اس لیے بہت جلد ترقی کر گئے۔ موصوف کچھ دنوں مدرسہ مذکور کے ناظم تعلیم بھی رہے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے زیر نگرانی شائع ہونے والے ماہنامہ ''محدث'' کے ایڈیٹر رہے۔

جناب ناظم کو شعر و سخن سے گہری مناسبت تھی۔ یہ حیدر دہلوی کے تلامذہ میں تھے۔ غزل گوئی اور نظم نگاری دونوں ہی میں یکساں قدرت رکھتے تھے۔ موصوف کا بیشتر کلام ملک کے مقتدر رسائل و جرائد میں شائع ہو کر داد تحسین وصول کر چکا ہے۔

زندگی نے وفا نہ کی، اور بہت کم عمری میں ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں انتقال کر گئے اور اس طرح یہ تابناک ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

حکیم عبدالحمید پریشاںؔ

۸؍شوال ۱۲۴۵ھ - ۵؍جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء

نام عبدالحمید، پریشاں تخلص، ''قا آنی ہند'' لقب، ولدیت مولوی احمد اللہ صاحب، ولادت ۸؍شوال ۱۲۴۵ھ، وفات ۵؍جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء، عمر ۸۷ سال، سکونت محلہ صادق پور۔

خاندانی پس منظر:

حکیم عبدالحمید پریشان زینبی جعفری خانوادہ سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا خاندان علمی ونسبی اعتبار سے صوبہ بہار میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا احمد اللہ علماء کے حلقہ میں بڑا امتیاز رکھتے تھے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا فیاض اللہ سے حاصل کی اور جب وہ اپنے مرشد کے ساتھ افغانستان چلے گئے تو بقیہ کتابیں اپنے والد ماجد سے تمام کیں۔ لیکن تشنگی علم کی تسکین نہ ہوئی تو ۲۶ برس کی عمر میں آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا۔ وہاں مولوی واجد علی بنارسی سے دو برس تک علوم درسیہ کی تحصیل وتکمیل کی۔ کتب درسیہ سے فراغت کے بعد علم طب کی طرف توجہ کی اور حکیم طالب علی لکھنوی سے دو سال تک علم طب حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ لکھنؤ میں تھے۔ آپ کی کل کتابیں اور نقد وجنس وہاں لٹ گیا، بمشکل تمام وہاں سے گھر پہونچے۔

عمومی خدمات:

آپ ادب عربی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ۱۶-۱۷ برس کی عمر میں آپ نے ایک قصیدہ حضرت سید احمد بریلوی کی تعریف میں لکھا تھا جو علماء میں بہت مقبول ہوا۔ آپ کو

معقولات ومنقولات میں کافی دست گاہ تھی۔ شعروشاعری میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں سخن کرتے تھے، آپ کے قصائد، غزل، رباعی، قطعات، مثنوی بکثرت ہیں۔ ڈاکٹر علی حیدر نیر پروفیسر ادارہ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ نے آپ کے قصائد کا مجموعہ ایڈٹ کر کے ''اشعار پریشان'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

طبابت:

آپ صوبہ بہار کے نامور طبیب تھے۔ آپ کے شاگردوں میں بھی بڑے بڑے نامور طبیب گزرے ہیں۔ آپ کا طریقہ تعلیم بڑا دلکش ومحققانہ تھا۔ جب کسی مضمون کو پڑھاتے تو اس کے متعلق جتنے اقوال اور رائیں مختلف مصنفین کی ہوتیں سب بیان فرما کر محاکمہ کرتے پھر اپنی رائے ظاہر فرماتے۔ تشخیص امراض میں بڑی مہارت تھی، بڑے دست شفا تھے۔ صدہا مایوس مریض آپ کے علاج سے شفایاب ہوئے۔ کلکتہ، بنارس، الہ آباد وغیرہ علاج کے لیے بلائے جاتے۔ راجہ، نواب، امراء، ہرجگہ آپ کو بلاتے اور فیض پاتے۔ آپ کے علاج ومعالجہ کے صدہا واقعات مشہور ہیں۔ جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ آپ نے طب اور دوسرے فنون میں متعدد کتابیں لکھیں۔ لیکن راقم الحروف کو ان میں سے کسی کا پتہ نہیں چلا۔

تجربہ وتشخیص:

آپ کی حذاقت وفطانت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن آپ اپنے مطب میں تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک پنڈت قشقہ لگائے ہوئے گزرا آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ زندہ کیسے ہے۔ اسے تو مرجانا چاہئے۔ اور ایک آدمی کو اس کی حالت دریافت کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگا دیا۔

وہ پنڈت اپنے گھر کے صحن میں جیسے ہی پہونچا، زمین پر گر پڑا اور مرگیا۔ لوگوں نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کیسے کہدیا کہ اسے مرجانا چاہئے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گنگا سے یہاں تک کی مسافت اتنی ہے کہ اس کی پیشانی کے قشقہ کو خشک ہوجانا چاہئے تھا

میں نے دیکھا کہ قشقہ تر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بدن کی حرارت غریزی ختم ہو چکی ہے، اس لیے میں نے اس کے موت کا حکم لگا دیا اور ایسا ہی ہوا۔

پٹنہ سٹی کے ایک نواب صاحب کی لڑکی تین روز سے دردزہ میں مبتلا تھی پٹنہ کے تمام ڈاکٹر اور پٹنہ جنرل ہاسپٹل کے سول سرجن جو ایک انگریز تھے، پریشان تھے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی۔ آخر میں ڈاکٹروں کی تجویز ہوئی کہ آپریشن کر کے بچہ نکالا جائے۔ نواب صاحب کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ حکیم صاحب کو بلایا جائے نواب صاحب کا آدمی آیا تو حکیم صاحب نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور جس طرح ہو حکیم صاحب کو بلایا جائے۔ نواب صاحب نے اپنی خاص سواری اور خاص لوگوں کو حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجا ان لوگوں کے کہنے سننے سے حکیم صاحب تشریف لے گئے۔ مریضہ کو دیکھا اور فرمایا بچہ مر چکا ہے۔ نواب صاحب نے کہا حضرت ایسی تدبیر کیجئے کہ مریضہ کی جان بچ جائے میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ حکیم صاحب نے ایک ٹب پانی گرم کرانے کا حکم دیا جب پانی گرم ہو گیا۔ تو اس میں ایک پڑیا دوا ڈال دی۔ اور حکم دیا کہ مریضہ کو ٹب میں بیٹھا دیا جائے۔ مریضہ کو ٹب میں بیٹھانے کے ۱۵ منٹ بعد مردہ بچہ پیدا ہوا۔ انگریز سول سرجن اور تمام ڈاکٹر طب یونانی کا اعجاز دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ (تاریخ اطبائے بہار)

عبدالحمید اثری

(۱۹۳۱ء تا ۱۹۹۷ء)

مولانا عبدالحمید عبدالشکور اثری

سن پیدائش: ۱۹۳۱ء

مولانا عبدالحمید اثری کی ابتدائی تعلیم اور پرائمری تعلیم مدرسہ اصلاحیہ بارہ میں ہوئی۔ اس کے بعد مولانا محمد سہراب خاں نے حمیدین (عبدالحمید اثری و عبدالحمید ثانی) کو موفیض

عام میں لے جا کر داخلہ کرایا۔ چونکہ یہ دونوں ایک ہی جماعت میں تھے اور جہاں بھی رہے ہم جماعت ہی رہے۔ اسی لیے حاضری میں تمیز کرنے کے لیے اول وثانی سے پکارا جاتا تھا اور چھ جماعت تک فیض عام مئو میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاض العلوم دہلی میں داخلہ لیا اور سند فراغت بھی یہیں سے حاصل کی اور انہوں نے بھی کتابت سیکھی۔ پیشہ کے طور پر اپنایا بھی۔ اخبار میں بھی کام کیا اور کتاب بھی کتابت کی۔ اور آخر میں چل کر بھدوہی کو اپنا مسکن بنایا اور آبائی وطن کو خیر آباد کر کے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور ان کے بچوں نے بھی وہیں کاروباری سیٹنگ کر لی۔

بھدوہی کے مدرسہ عباسیہ میں درس وتدریس کے خدمات انجام دینے لگے اور آخر وقت تک مدرسہ عباسیہ سے منسلک رہے۔

مختصر علالت کے بعد ۵/نومبر ۱۹۹۷ء میں بھدوہی میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

عبدالحمید ریاضی

(۱۹۳۲ء تا ۱۹۹۶ء)

مولانا عبدالحمید نعمت علی ثانی ریاضی

مولانا عبدالحمید کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اصلاحیہ بارہ (محلّہ روضہ) غازی پور میں ہوئی اور مدرسہ اصلاحیہ بارہ میں مولانا زین العابدین چکواوی استاد تھے۔ وہاں سے سے پرائمری تعلیم کے حصول کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ فیض عام مئو گئے اور وہاں چھ جماعت تک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد پھر دہلی مدرسہ ریاض العلوم امیں آکر ۱۹۵۲ء میں داخلہ لیا اور دو سال پڑھنے کے بعد سند فراغت لی۔ دوران تعلیم ہی کتابت اپنے استاذ مولانا عبدالسلام بستوی کے مشورہ پر سیکھنی شروع کی۔ بلکہ خود مولانا عبدالسلام نے اپنے ساتھ مولانا عبدالحمید ثانی کو استاد فن کتابت کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ یہ میرا شاگرد ہے

ان کو یہ فن کتابت سکھا دیجئے۔ فن کتابت کے استاد عبدالحفیظ امروہوی تھے۔ ان سے کتابت سیکھی۔ کتابت کے فن میں کمال پیدا کیا۔ اساتذہ ریاض العلوم میں مولانا عبدالسلام بستوی اور مولانا سید تقریظ احمد سہوانی رحمہما اللہ تھے۔ سند فراغت ١٩٥٤ء میں حاصل کی۔

کتابت کی ابتداء آپ ''اخبار اہل حدیث بارہ ہندوراؤ دہلی'' سے کیا، پھر بعد میں مستقل ملازمت ''سہ روزہ دعوت دہلی'' میں مل گئی۔ اور ریٹائرمنٹ تک سہ روزہ دعوت سے منسلک رہے۔ جب جب چھٹیوں میں گھر جاتے تو تقریری پروگراموں میں بلائے جاتے جن میں موصوف بلا کسی حیل وحجت کے شرکت کرے۔ ١٩٩٢ء میں ریٹائر ہونے کے بعد گھر چلے گئے اور ١٤؍نومبر ١٩٩٦ء میں اپنے گاؤں بارہ میں وفات پائے۔

عبدالحنان (ایم پی)

(١٩٢٩ء-١٩٩٨ء)

جناب عبدالحنان انصاری (ممبر پارلیامنٹ)

مقام: گواپوکھر کھنڈ، مدھوبنی، بہار

تاریخ پیدائش: ١٩٢٩ء۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر سرکاری مدرسہ سے میٹرک پاس کیا اور فورس میں ملازم ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور مولانا شفیق اللہ صاحب جو عالم دین ہونے کے ساتھ ایک ماہر سیاست داں تھے، کی صحبت میں رہنے لگے۔ علماء کی صحبت، دینی ودعوتی مجالس میں شرکت اور کچھ ذاتی مطالعہ کی وجہ سے آپ بوقت ضرورت اچھی اصلاحی تقریر کرتے تھے۔

دریں اثناء سیاست میں دلچسپی بڑھی تو جنتا دل پارٹی میں شامل ہوکر ریجنل یونٹس مدھوبنی

کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۴ء میں راجیو گاندھی کے زمانہ میں ممبر پارلیامنٹ منتخب ہوئے۔ حافظ شفیق اللہ صاحب کے انتقال کے بعد مدرسہ اسلامیہ بھوارا کے صدر بنے تو مدرسہ کی تعمیر وتوسیع اور ترقی میں بھرپور کوشش کی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ جب میٹنگ میں شریک ہوتے تو ملک کے سیاسی رخ سے مطلع کرتے اور صائب مشورے دیتے۔ دینی اور اجتماعی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے۔ مدرسہ اسلامیہ بھوارا کے سامنے کی چہار دیواری آپ ہی نے کھنچوائی ہے۔ بڑے نیک اور سادگی پسند تھے۔ دہلی میں ہمیشہ مرکزی جمعیت میں قیام کرتے تھے اور یہیں سے پارلیامنٹ جاتے۔ تاحیات دینی وملی اور سیاسی وسماجی خدمات سے جڑے رہے۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۹۸ء کو انتقال کیا۔

عبدالحنان

(۱۸۹۶ء-۱۹۸۲ء)

مولانا ابونعمان بن مولانا عبدالرحمٰن بن مولیٰ بخش

مقام: دلال پور، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۹۶ء مطابق ۱۳۱۷ھ۔

تعلیمی مراحل:

آپ کی پیدائش بمقام دلال پور میں ہوئی، جو ضلع صاحب گنج کا ایک مشہور اور تاریخی گاؤں ہے، جہاں پر آپ کے نانا مولانا احمد اللہ خاں عظیم آبادی نے ۱۲۹۴ھ میں جامعہ شمس الہدیٰ کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ آپ نے ابتدائیہ سے لے کر مولوی تک کی تعلیم جامعہ شمس الہدیٰ السلفیہ میں اپنے والد ماجد مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا ظل الرحمٰن (عبداللہ پوری) ومولانا کریم بخش (حسن پوری) سے حاصل کی۔ پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ریاست رام پور (یوپی) میں نواب رام پور کے مدرسہ میں داخلہ لے کر جملہ علوم دینیہ کی

تکمیل کر کے ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۷ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

اساتذہ کی فہرست میں سر فہرست آپ کے والد مولانا عبدالرحمٰن، مولانا ظل الرحمٰن (عبداللہ پور) مولانا کریم بخش، مولانا ابو منصور منور علی رام پوری وغیرہم ہیں۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد لگ بھگ ۶۶ سالوں سے اس مدرسہ میں تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ نیز جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر جنازے، عیدین کی نماز اور نماز استسقاء وغیرہ لوگ آپ ہی سے پڑھواتے۔

آپ کی بے شمار علمی خدمات ہیں۔ فن مناظرہ میں آپ کو غیر معمولی دستگاہ حاصل تھی۔ اپنے مقابل کو اس قدر مسکت جواب دیتے کہ دوبارہ سوال کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ ایک مرتبہ مناظرہ میں آپ نے سوال کیا۔ اس سے جواب نہ بن پڑا تو الٹا سوال کر بیٹھا۔ آپ نے اسے پھٹکار لگائی کہ تو فن مناظرہ سے ناواقف ہے۔ چنانچہ اس نے شکست کھائی۔ آپ نے بہت سارے مناظرے کئے اور سب میں اللہ کے فضل سے فتحیاب ہوئے۔

فتاویٰ، فرائض اور مناظرہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ تواضع، انکساری، ورع، پرہیزگاری، میں اپنی مثال آپ تھے۔ زہد وقناعت، صبر وتحمل، ایثار وہمدردی، عزم واستقلال، حسن تدبیر اور استقامت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے کوئی کتاب مطبوعہ شکل میں نہیں چھوڑی اس لیے کہ ہمیشہ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور لوگوں کے استفتاء کا جواب دینے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے بھانجے مولانا شمس الدین صاحب نے آپ کی سوانح حیات قلم بند کرنے کے لیے آپ سے رہنمائی چاہی لیکن آپ نے سختی سے منع کر دیا۔ کچھ لوگوں نے آپ کے فتاوی کو اکٹھا کر کے فتاوی حنانیہ کے نام سے جمع کر دیا ہے لیکن وہ صرف مسودہ کی شکل میں ہے۔ جامعہ میں جب آپ موجود رہتے تو ہمیشہ کتب

احادیث کے مطالعہ، درس وتدریس اور فتاویٰ وفرائض کے کام انجام دیتے۔ تدریسی ایام کی ۶۲ سالہ زندگی کے آخری لمحہ تک محلہ کی مسجد میں پنج وقتہ نماز کی امامت اور جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ لوگوں کے کہنے کے مطابق آپ صاحب کرامت بھی تھے۔ پرانے لوگ بہت سے واقعات بیان کرتے ہیں۔ آپ کی خدمات جلیلہ کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

تلامذہ:

آپ سے مشرقی بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال، اڑیسہ اور آسام وغیرہ صوبجات کے بے شمار طلباء نے علم دین حاصل کیا اور مختلف طریقوں سے اپنے اپنے علاقے میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے چند لائق ذکر تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد عفان سلفی (مرشد آباد) مولانا شمس الضحیٰ (مرشد آباد) مولانا عین الحق سلفی (دلال پور) مولانا عبدالستار سلفی (دلال پور) مولانا شمس الدین سلفی (دلال پور) مولانا محمد گلزار (شہزاد پور) مولانا محمد اسماعیل ابراہیم (مالدہ) مولانا عبدالحمید شمسی، مولانا محمد زکریا سلفی (بہار) مولانا ظہور احمد شمسی (مالدہ) مولانا محمد عمار ناصر شمسی (دلال پور) مولانا عبدالعزیز حقانی، مولانا عبدالرحمٰن فیضی۔

اولاد واحفاد:

آپ نے تین نرینہ اولاد چھوڑی۔ محمد نعمان، محمد سفیان اور محمد غفران۔ بڑے صاحب زادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔

بالآخر اپنے فیوض وبرکات اور علم وحکمت سے سبھی کو مستفید کرتے ہوئے بعمر ۸۶ سال ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء مطابق ۷ر ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ بروز ہفتہ اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔ دوسرے دن تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ بے شمار لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ جنازہ کی نماز آپ کے شاگرد رشید مولانا عین الحق کے والد محترم نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری

(۱۸۶۵ء-۱۹۳۵ء)

محدث کبیر ابوالعلیٰ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری بن حافظ عبدالرحیم بن الحاج شیخ بہادر

مقام: مبارکپور (صوفی پورہ) پوسٹ: املو، ضلع اعظم گڑھ، یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۵ء

خاندانی پس منظر:

آپ کا خانوادہ علم وفضل میں ستودہ صفات تھا۔ شرف ومجد، قیادت وسیادت، تقویٰ ودیانت اور علمی ودینی امامت پر فائز تھا۔ دادا قصبہ کے ممتاز شرفاء میں ایک تھے۔ والد گرامی مشہور اطباء وعلماء میں شمار ہوتے تھے۔ طبابت کے ساتھ درس وتدریس سے بھی وابستہ تھے۔ پورا خاندان مولانا عبداللہ جھاؤ الہ آبادی اور ان کے ہم خیال علماء کی تحریک اہلحدیث کے زیر سایہ تھا اور مسلک کتاب وسنت کا پرزور داعی ومبلغ اور سرخیل تھا۔

ابتدائی تعلیم وتربیت:

آپ کا گھر اس دور میں قصبہ کا مدرسہ تھا۔ اس لیے قرآن مجید، اردو فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب اسی خانگی مدرسہ میں پڑھیں۔ بعدہ قرب وجوار کے علماء سے تحصیل کی۔

مولانا خدا بخش اعظم گڑھی (ف ۱۳۳۳ھ) اور مولانا الحاج محمد سلیم (اعظم گڑھ) (ف ۱۳۲۴ھ) سے ابتدائی کتب جیسے فارسی ادب، انشاء اور اخلاقیات کا درس لیا۔ مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، مولانا محمد فیض اللہ مئوی (ف ۱۳۰۶ھ) مولانا حسام الدین مئوی (ف ۱۳۱۰ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حافظ عبداللہ غازی پوری سے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور (قیام ۱۸۶۹ء) میں ادب ومعانی، ہیئت، تفسیر، حدیث وفقہ اور جملہ معقولات ومنقولات کی تحصیل کی۔ آپ کے والد گرامی بھی اسی مدرسہ کے فیض یافتہ تھے۔

یہاں آپ مسلسل پانچ سال تک رہے۔ دہلی میں شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی (جو اپنے دور کے علوم حدیث میں امام بخاری، اجتہاد میں امام ابو حنیفہ، عربیت میں سیبویہ، بلاغت میں جرجانی، تصوف اور احسان وسلوک میں شبلی، زہد وتقوی میں ابن ادہم، اور حق گوئی وصبر واستقامت میں احمد بن حنبل تھے) صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابوداؤد، اواخر نسائی، اوائل ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح، بلوغ المرام، تفسیر جلالین وبیضاوی، اوائل ہدایہ ونخبۃ الفکر کا اکثر حصہ پڑھا۔ نیز سوا چھ پاروں کے قرآن مجید کا ترجمہ سنا۔ اور سند اجازہ حاصل فرمائی۔

اپنے والد گرامی کے استاذ شیخ محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے اوائل بلوغ المرام اور اربعین سنداً ومتناً پڑھ کر سند مسلسل بالاولیہ حاصل کی۔

شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی سے ۱۳۱۴ھ میں دوران قیام آرہ جستہ جستہ جامع ترمذی، کتب ستہ، موطا امام مالک، مسند دارمی، مسند امام شافعی، مسند امام احمد بن حنبل، الادب المفرد للبخاری، معجم طبرانی اور سنن دارقطنی پڑھ کر تیسری سند اجازہ حاصل کی۔

تدریس وتاسیس مدارس:

☆ آپ نے اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ کو وسعت دی اور اس کا نام "دار التعلیم" رکھا اور اس میں ایک مدت تک رہ کر درس وتدریس اور افتاء کا کام کیا۔ آپ نے فتوی نویسی کے ذریعہ زبردست خدمت انجام دی۔

☆ اضلاع گونڈہ وبستی کا دعوتی وتبلیغی واصلاحی دورہ کرتے ہوئے بہت سے مدارس قائم کرائے۔ چنانچہ بلرام پور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اسمیں ایک مدت تک قرآن وحدیث کا درس دیا۔ یہ مدرسہ آج بھی جاری ہے۔ ۱۹۰۴ء میں ضلع بلرام پور ہی کے ایک چھوٹے سے گاؤں اللہ نگر میں ایک مدرسہ قائم کیا اور وہاں کئی سال تک طالبان علوم نبوت کو مستفید فرمایا۔ آج کل یہ مدرسہ فیض العلوم کے نام سے چل رہا ہے۔

☆ مدرسہ دار التعلیم کو حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری اور ان کے لائق شاگرد

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری مؤلف سیرۃ البخاری رحمہما اللہ نے قائم کیا۔ حافظ عبدالرحیم صاحب اپنے گھر پر حفظ کے خواہشمند طلبہ کو حفظ کرایا کرتے تھے جب کہ مبارک پور اوراس کے اطراف میں اس کا رواج تھا اور آج بھی بعض حفاظ وقراء مساجد میں بعد نماز مغرب وبعد نماز فجر حفظ وتجوید وقرأت کی تعلیم دیتے ہیں اوران سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔

☆ ۱۹۰۷ء میں ضلع بلرام پور کے موضع کنڈ وبونڈیہار میں دریائے راپتی کے کنارے جامعہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی۔ آپ اس مدرسہ کے صرف مدرس ہی نہ تھے۔ بلکہ مشیر ومربی اور عملاً ناظم بھی تھے۔ اساتذہ کے عزل ونصب، علاقہ کے دینی امور ومسائل اور دینوی نزاعات واختلافات کے تصفیہ وحل کے مکمل ذمہ دار تھے۔

☆ اسی مدرسہ میں قیام کے دوران ضلع بستی کے کسی جماعتی اجلاس میں جامع ترمذی کی ایک جامع شرح لکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ مولانا نے اسی مدرسہ میں قیام کے دوران تحفۃ الاحوذی کی تالیف کا آغاز کیا۔

☆ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ (بہار) میں چندسال تدریسی خدمت انجام دی۔

یہ آپ کے تعلیمی وتدریسی سفر کی آخری منزل تھی۔ اس کے بعد آپ تاحیات اپنے گھر پر رہ کر تصنیف وتالیف میں لگے رہے۔ اس دوران سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے آپکو حرم مکی میں درس حدیث کے لیے مدعو کیا لیکن آپ نے جواب دیا ”میں فی الحال تحفۃ الاحوذی کی تکمیل میں مشغول ہوں۔ اس کے بعد سوچوں گا“ اسی طرح دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ناظم نے صدرمدرسی کے لیے دعوت دی، لیکن آپ نے معذرت کردی۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے تصنیف وتالیف کا گراں قدر ذوق پایا تھا۔ شرح وتحقیق، تصحیح وتعلیق، تذکرہ وسیر، رجال وتاریخ، فقہ وافتاء میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ انہیں تمام خوبیوں کے پیش نظر علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی نے آپکو اپنے یہاں تصنیفی کام میں معاونت کے لیے

دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے سات سال تک (۱۳۱۷ھ تا ۱۳۲۳ھ) عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کی تصنیف میں ان کی معاونت کی۔

اس کے علاوہ آپ نے عربی اور اردو زبان میں مکمل، نامکمل اور مطبوعہ وغیر مطبوعہ شکل میں درج ذیل کتب تصنیف کیں۔

مطبوعہ کتب:

(۱) تحفة الاحوذی شرح جامع ترمذی (چار جلدوں میں) (جدید ترتیب کے ساتھ مع مقدمہ دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے)

(۲) مقدمه تحفة الاحوذی (۳) ابکار المنن فی تنقید آثار السنن

(۴) تحقیق الکلام فی وجوب القرأة خلف الامام (دو جلدوں میں) صفحات: ۱۰۸، ۲۲۸۔

(۵) خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون (دو حصے) صفحات: ۴۰-۴۶۔

(۶) کتاب الجنائز

(۷) القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید صفحات: ۴۰

(۸) نور الابصار صفحات ۵۵

(۹) تنویر الابصار بتائید نور الابصار صفحات: ۸ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ

(۱۰) ضیاء الابصار فی رد تبصرة الانظار صفحات: ۶

(۱۱) المقالة الحسنی فی سنیة المصافحة بید الیمنی صفحات: ۶۴

غیر مطبوعہ کتب:

(۱) الدرر المکنون فی تائید خیر الماعون (اردو، مخطوطہ)

(۲) الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی (مخطوطہ)

(۳) ارشاد الهائم الی منع خصاء البهائم (مخطوطہ)

(۴)الکلمة الحسنی فی المصافحة بالید الیمنی (نامکمل)مخطوط چند صفحات

(۵)رسالة فی رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة (نامکمل)

(۶)رسالة فی مسائل العشر (نامکمل)مخطوط۔

مخطوطات:

(۱)تنقید الدرة الغرة (نامکمل)صفحات ۱۱

(۲)الحق المبین فی سنیة المصافحة بالیمین (مخطوط۹صفحات)

(۳)رسالة فی رکعة الوتر (مخطوط۴۷صفحات)

ان کے علاوہ آپ نے اپنے استاذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاوی کو دو ضخیم جلدوں میں مرتب کیا اور ''فتاوی نذیریہ'' کے نام سے شائع کیا۔اس میں کم وبیش ایک ثلث آپ کے فتاوی اور استدراک شامل ہیں۔

اپنے استاذ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے فتاوی کو بھی فقہی ابواب پر مرتب کیا۔ لیکن اس کی اشاعت نہ ہوسکی۔

علاوہ ازیں آپ کے بھی بہت سے مطول اور مختصر فتاوی ہیں۔جن پر آپ کے بھائی کے پوتے دکتور رضاء اللہ مبارکپوریؒ نے کام شروع کردیا تھا لیکن آپ کے انتقال کے بعد کام یونہی ناقص رہ گیا۔

مولانا مبارکپوری نے آخر عمر میں موطا امام مالک کی ایک مبسوط شرح اور ''الجوہر النقی'' نامی کتاب پر تنقید لکھنے کا بھی ارادہ کیا تھا۔جس کے لئے کچھ مواد بھی جمع کر لئے تھے،لیکن عمر نے وفا نہ کی اور کام یونہی ادھورا رہ گیا۔

طبابت وحکمت:

آپ ایک اچھے طبیب اور ماہر حکیم تھے۔یہ چیز آپ کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی۔ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی لکھتے ہیں کہ سوائے طبابت کے مولانا کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔عصر

سے مغرب تک آپ نے مریضوں کے لیے خاص کرر کھا تھا۔ کسی نے مولانا کے طبابت کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا ہے۔ آپ غریبوں کے علاج کی کوئی اجرت نہیں لیتے تھے۔ البتہ امیر لوگ جو کچھ دیتے اسے قبول فرمالیتے تھے۔ (صوت الجامعہ ۱۹۷۳ء، ص ۲۵) آپ کے دوا خانے کا نام ''دواخانہ مفید عام'' تھا۔

وفات:

علامہ نوشہروی نے لکھا ہے کہ ''مولانا آنکھوں پر عمل جراحی کے لیے دہلی تشریف لائے۔ آپریشن کے دواران صاحب فراش رہ کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور قبر میں جاسوئے۔ (تاریخ وفات: ۲۲/ جنوری ۱۹۳۵ء مطابق ۱۶/ شوال ۱۳۵۳ھ) جنازہ پر زائرین کا ہجوم علاقہ بھر میں اپنی نظیر آپ تھا۔ بلاتفریق مشرب تمام فرق اسلامیہ شامل تھے۔ قصبہ مئو سے جو مبارکپور سے چوتھا ریلوے اسٹیشن ہے، زائرین سے بھری ہوئی ٹرین آئی اور راہ میں کسی اسٹیشن پر نہ رکی، کہ مبادا زائرین نماز سے محروم رہ جائیں۔''

آپکی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم شوق، یک دانائے راز آید بروں

عبدالرحمٰن بجواوی

(۱۸۷۳ء-۱۹۷۲ء)

امام الفرائض مولانا عبدالرحمٰن بن الامام عبداللہ بجواوی

سن ولات ۱۸۷۳ء آپ کا آبائی وطن بجوا بیروا، ضلع گونڈہ (حال ضلع بلرام پور) ہے، جو نیپال بارڈر پر بڑھنی سے لگ بھگ ۱۰/ کلومیٹر پچھم جانب واقع ہے۔

خاندانی حالات:

آپ کے والد گرامی ایک عالم دین تھے، گھرانہ علمی تھا۔آپ کے والد دین پسند اور توحید کے دلدادہ تھے، پابند شریعت تھے۔کسی وجہ سے اپنے آبائی وطن بنگری کو خیر باد کہہ کر بجوا چلے آئے اور یہیں آپ کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر اپنے والد ماجد سے حاصل کی، چنانچہ قرآن مجید اور ابتدائی کتب وغیرہ کی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی، پھر عربی کی اونچی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس دور کے مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعہ سراج العلوم کونڈوبونڈیہار میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۷ھ میں سند فراغت حاصل کی۔محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری (شارح ترمذی) نے اجازت علمیہ عطا فرمائی۔

اساتذہ:

والد گرامی مولانا عبداللہ۔مولانا اللہ بخش بسکوہری، علامہ عبداللہ غازی پوری، عبدالجبار غزنوی، عبدالوہاب ملتانی اور محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہم۔

تدریس:

فراغت کے بعد سب سے پہلے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر سے تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔یہاں دوسال (۴۷-۱۹۴۸) تک تدریسی خدمت انجام دی پھر چشمۂ حیات مئوائمہ (ضلع الہ آباد) چلے گئے۔وہاں سے واپس آکر مدرسہ شمس العلوم سمرا (ضلع بستی، حال سدھارتھ نگر) سے وابستہ ہوگئے۔کیونکہ مناظر اسلام مولانا منظر صاحب سے بہت اچھے تعلقات تھے۔آپ نے مدرسہ اسلامیہ کیونجھر (صوبہ اڑیسہ) اور اپنے گاؤں بجوا کے مدرسہ رحمانیہ میں بھی کچھ دنوں تک درس دیا۔دوسرے مرحلہ میں سراج

العلوم جھنڈانگر میں دوبارہ تشریف لے گئے اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ (یعنی چار سال) تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ پھر یہیں سے تدریسی سلسلہ منقطع کر کے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ہمیشہ کے لیے تدریسی سلسلہ کو خیر باد کہہ دیا۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں دو کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) رحمۃ الفرائض (اردو) صفحات: ۴۰ مطبوع: انتظامی پریس کانپور ۱۳۷۵ھ

یہ آپ کی گراں قدر تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ورثاء کو ملنے والے حقوق کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ آپ کے حکم سے مولانا عبدالشکور دور صدیقی (بیت نار) نے کلام منظوم میں ڈھالا اور بہت خوبصورت انداز میں شائع ہوئی۔

(۲) حسن المقالۃ فی بیان الکلالۃ (اردو) صفحات: ۶۰ مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی، ۱۳۳۶ھ۔ یہ کتاب کمیاب ہی نہیں، نایاب ہے۔

اس میں کلالہ کی تشریح اور ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

علامۃ الفرائض:

یوں تو آپ علوم کتاب وسنت، عقائد وفقہ کے علاوہ جملہ علوم دینیہ، معقولات و منقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ لیکن جس عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کا مالک بنا دیا وہ "علم الفرائض" ہے۔

اس علم سے نہ صرف آپ، بلکہ آپ کے گھر کا ہر باشعور فرد فرائض وتقسیم میرات کی معمولی سے معمولی جزئیات تک سے واقف تھا۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا شرف الدین دہلوی، اور دوسرے اعیان واکابر فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے۔

محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اپنی جلالت علمی اور تقویٰ وورع کے باوجود امامت کے لیے اپنے اسی شاگرد کو آگے بڑھاتے تھے۔ (جریدہ ترجمان مارچ ۱۹۷۲ء)

عقیدت رکھتے اور آپ کے ساتھ کس قدر خادمانہ برتاؤ کرتے تھے اس سلسلہ میں مولانا ابو العاص وحیدی رقم طراز ہیں: جماعت کے بڑے بڑے اکابر آپ سے کتنی عقیدت رکھتے اور آپ کے ساتھ کس قدر خادمانہ برتاؤ کرتے تھے اس سلسلہ میں مولانا ابوشحمہ سراجی (بیت نار) جو اس دور میں زمانہ طالب علمی سے گزر رہے تھے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں چند مخصوص علماء اکٹھا تھے، جن میں مولانا عبدالرحمٰن بجواوی، مولانا جھنڈانگری اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری وغیرہم شامل تھے۔ میں نے شیخ الحدیث مرحوم کو دیکھا کہ وہ مولانا بجواوی کے برتن سے مچھلی کے کانٹے نکال کر مچھلی ان کے برتن میں رکھتے جاتے۔ اسی طرح گوشت سے ہڈی الگ کرکے بوٹیاں رکھتے جاتے تھے اور مولانا بجواوی خاموشی سے کھا رہے تھے۔ (مجلہ الفلاح خصوصی نمبر جون تا ستمبر ۱۹۹۴ء)

دعوتی خدمات:

آپ علاقہ میں چھوٹے چھوٹے دینی و اصلاحی پروگرام کرتے اور وعظ و نصیحت فرماتے انفرادی طور پر بھی لوگوں سے مل کر ان کی ہدایت و رہنمائی کرتے اور انہیں کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے۔ آج وہ علاقہ جو بدعات و خرافات سے بہت حد تک مامون ہے، دیگر علماء جماعت کے ساتھ مولانا علیہ الرحمہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ چند ایک نامور تلامذہ کے اسماء مندرج ہیں۔

(۱) مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری۔ یہ تعلق مولانا سے عقیدت و عزت کی بنیاد پر ہے۔ ورنہ جب یہ (۱۹۴۶) میں سراج العلوم میں بحیثیت استاد مقرر ہوئے، ان دنوں مولانا جھنڈانگری مدرسہ کے ناظم تھے۔ (۲) مولانا حبیب اللہ طیب پوری (۳) مولانا زین اللہ طیب پوری (۴) مولانا عبدالجلیل رحمانی (۵) مولانا عبدالسلام بستوی (۶) مولانا اولاد حسین اونرہوا (۷) مولانا محمد منیر احمد بونڈیہار۔

اخلاق و عادات:

جب آپ مدرسہ چشمۂ رحمت (مئو آئمہ الہ آباد) پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے تو پورے سال کا وظیفہ (مشاہرہ) سال کے اختتام پر یکمشت لیا اور اسی سے اپنے گاؤں میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اہل قریہ کے لیے وقف کر دیا۔ مدرسہ آج بھی رواں دواں ہے۔

آپ تین مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، پہلی مرتبہ تنہا گئے، دوسری مرتبہ اہلیہ اور تین بچوں کو لے گئے، تیسری مرتبہ سبھی کو لے گئے۔ بڑے منکسر المزاج اور ملنسار تھے۔ مولانا جھنڈا نگری لکھتے ہیں کہ آپ کی شخصیت بڑی مسکین اور متوازن تھی۔ کسی کے شر پسند رویہ پر بھی جز بز نہ ہوتے اور توبیخ نہیں کرتے تھے۔ طبیعت میں سختی و تشدد کا مادہ نہیں تھا۔ جب لڑکے مسجد میں لڑائی جھگڑا کرتے اور قریب پہنچ جاتے تو کہتے: میرے قریب مت لڑو۔ تاکہ میرے اوپر نہ گر پڑو۔

وفات:

آپ کی زندگی کے آخری تین چار سال کافی ضعیفی میں گزرے۔ بسا اوقات نیم بے ہوشی کی کیفیت سے دو چار رہتے۔ لیکن پھر بھی ہاتھ کی انگلیاں تسبیح و تہلیل میں برابر چلتی رہتیں اور زبان سے اللہ اکبر کی صدائیں سنائی دیتی تھیں (واللہ اعلم)

بالآخر ۶ر فروری ۱۹۷۲ء کو سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اللھم اغفر لہ۔

عبدالرحمٰن ندوی

مولانا عبدالرحمٰن ندوی بن چھوٹے خاں

قصبہ ساکرس، تحصیل ہتھین، ضلع فرید آباد میوات، ہریانہ۔

آپ کے سر سے والد کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا تھا۔ نیز بچپن ہی میں فالج کی وجہ سے آپ کا پورا بایاں حصہ بیکار ہو گیا تھا۔ لیکن وہ دینی خدمت کر گئے جو صحت مند حضرات نہ کر سکے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مدرسہ میں مولانا محمد اسماعیل (لاڈ مکہ) سے حاصل کی۔ ان سے قاعدہ، قرآن مجید ناظرہ، دینیات اور ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ سلفیہ شکراوا میں داخلہ لے کر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار سوکھپوری سے حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ یہاں کی تعلیم مکمل کر کے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ علم و فن سے اکتساب علم کیا۔

ندوۃ کے اساتذہ میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا منظور نعمانی، مولانا محمد اسحاق ندوی، مولانا محمد اویس ندوی اور مولانا عبدالماجد ندوی وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ وہاں سے واپس ہو کر دہلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی سے صحاح ستہ پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۱۹۶۰ء میں جامعہ سلفیہ شکراوا سے تدریس کا آغاز کیا اور کئی سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر بوجوہ یہاں سے مستعفی ہو کر اپنے قصبہ ساکرس میں "مرکز التعلیم والتبلیغ دار الحدیث" کے نام سے ایک دینی و اسلامی مدرسہ قائم کیا اور اسی میں تعلیم و تدریس سے جڑ گئے اور تاحیات اس سے وابستہ رہے۔

تصنیف و تالیف کا بڑا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ عربی اور اردو ادب میں کامل مہارت حاصل تھی، مگر درس و تدریس میں مشغولیت کے سبب کوئی مستقل کتاب نہ لکھ سکے۔ البتہ ایک کتاب "تحریک اہلحدیث میوات" لکھی جسے مولانا دیندار خاں محمدی نے شائع کر دیا ہے۔

پیرانہ سالی کے سبب کافی عرصہ سے علیل تھے، کمزوری دنوں دن بڑھتی گئی۔ بالآخر ۵ر نومبر ۱۹۹۲ء مطابق ۹ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ ہفتہ کی رات انتقال فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

آپ کے ایک صاحبزادے محمد اسحاق، مدینہ میں کافی دنوں سے دینی و دعوتی امور میں سرگرم عمل ہیں۔

صوفی عبدالرحمٰن رجوراوی

نام عبدالرحمٰن، والد کا نام منشی محمد اکبر علی۔ مولد بابو سلیم پور، ضلع مدھوبنی۔ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کم وبیش تین سال تک اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالنور رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسرے چچازاد بھائی مولانا محمد واعظ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ پھر ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریاسرائے دربھنگہ پہنچے، اور جناب حافظ محمد حنیف سے حفظ کی تکمیل کی، ۱۹۳۲ء سے عربی تعلیم کے حصول کا کام آغاز کیا اور ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں فراغت حاصل کی۔

چھٹی جماعت میں تھے تو دارالعلوم کے مشہور ماہنامہ ترجمان ''مجلہ سلفیہ'' (اب ''الہدیٰ'') کے جوائنٹ ایڈیٹر منتخب ہوئے۔ اور اخیر تک اس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

چوتھی جماعت سے ہی ڈاکٹر محمد ایوب نظراوی کی ترغیب سے مشاعروں میں شرکت کرنے اور شاعری کا شوق ہوا۔ بعد میں جناب حکیم عبدالظاہر سلفی سے مشورہ سخن لینے لگے۔

۱۰ ارشوال ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں تعلیمی خدمت کے لیے مامور ہوئے اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی خدمت کرتے رہے۔

واردھا اسکیم کے تحت جامعہ ملیہ دہلی میں ٹریننگ حاصل کی، اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ میں یکسوو مطمئن ہو کر تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دی۔ وفات کا سال معلوم نہ ہوسکا۔

حافظ حکیم عبدالرحیم

مولانا الحاج حافظ حکیم عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر عرف بڑے حافظ صاحب، مبارکپور کے مشہور علماء واطباء میں تھے۔ محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے والد ہیں۔ حفظ قرآن اور قرأت وتجوید کی تعلیم قاضی امام الدین جونپوری سے حاصل کی اور نحو وصرف

ودیگر علم کی تکمیل مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور میں مولانا محمد فیض اللہ مئوی تلمیذ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری اور مولانا محمد حسام الدین صاحب مئوی سے کی اور حدیث کی تحصیل مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے کی۔ جن کو مولانا شیخ عبدالحق بنارسی تلمیذ قاضی شوکانی سے سند حدیث حاصل تھی۔ نیز شیخ عبدالحق نے مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا احمد اللہ انامی تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی اور آخر میں مولانا محمد اسماعیل دہلوی اور مولانا عبدالحیٔ دہلوی سے تعلیم پائی تھی۔

حافظ عبدالرحیم نے قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے سند مسلسل بالاولیہ سند مناولہ بلوغ المرام اور سند اتحاف الاکابر حاصل کی تھی۔ یہ سندیں آپ کے امتیازات میں ہیں۔ چوں کہ ان کے اکثر اساتذہ وشیوخ مسلک اہل حدیث کے داعی تھے اور ترک تقلید پر زور دیتے تھے ،اس لیے ان پر اپنے ان اساتذہ کا رنگ غالب رہا اور آپ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا۔ طبابت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی گھر پر رکھتے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حافظ صاحب اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے قاضی مبارک اور حمد اللہ جیسی معقولات کی ادق کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے۔ اس کے علاوہ نحو، صرف، عربی، فارسی اور حفظ وتجوید کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ قصبہ کے سینکڑوں حفاظ نے ان کی شاگردی میں حفظ قرآن کی نعمت پائی۔ ان کے مخصوص تلامذہ میں مولانا عبدالسلام مبارکپوری مصنف ''سیرۃ البخاری'' اور حافظ شاہ نظام الدین سریانوی تھے۔ موخر الذکر نے اپنے استاد کی طرح زندگی بھر خانگی زندگی میں مصروف رہ کر درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور ان کے بعد بڑے حافظ صاحب کا لقب پایا۔

(تذکرہ علمائے مبارکپور)

عبدالرحیم رحمانی

(۱۹۱۰ءتا۱۹۸۰ء)

مولانا عبدالرحیم رحمانی بستوی

ساکن: حسن پور، ضلع بستی، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۱ء (تخمیناً)

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر میاں عبدالشکور سے حاصل کی۔ آپ کے والد صاحب نے میاں صاحب کو بچوں کی تعلیم کے لیے اپنے گھر پر بحیثیت استاذ مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ گھر کے بچوں کے ساتھ گاؤں کے بچے بھی تعلیم پاتے تھے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دارالہدیٰ یوسف پور میں داخلہ لے کر فارسی کی بعض کتابیں (جیسے گلستاں، بوستاں اور میزان منشعب وغیرہ) مولانا عبدالرزاق سمراوی سے پڑھیں۔ آپ کے مستعفی ہوجانے کے بعد مولانا عبدالمجید یوسف پوری کے ساتھ اکرہرا چلے آئے اور چھ سات مہینہ تک حصول علم میں منہمک رہے۔ لیکن وہاں تعلیم کا بندوبست ٹھیک نہ تھا اس لیے اکرہرا چھوڑ کر بھٹ پرا کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور یہاں مولانا محمد حسین (ترکلہا ترائی نیپال) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حصول علم میں لگ گئے۔ مولانا بھی ایک سال کے بعد یہاں سے مستعفی ہوگئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ ان کے گھر چلے گئے اور اپنے استاد کے گھر پر رہ ۶-۷ ماہ تک تعلیم حاصل کی۔ اسی اثناء میں مولانا حکیم محمد یٰسین بونڈھیار والے دارالہدیٰ یوسف پور بحیثیت مدرس تشریف لائے تو وہاں داخلہ لے کر ان سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولانا بھی ایک سال کے بعد مستعفی ہو کر بونڈھیار چلے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ بونڈھیار چلے گئے اور مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار میں داخلہ لے کر مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی سے کافیہ، فصول اکبری اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ یہاں سال پورا کر کے مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالرحمٰن ابوالنعمان سے اکتساب علم کیا۔ مدرسہ عالیہ کے ہم سبق طلباء میں مولانا محمد عمر (نورانی تیل والے) محمد یوسف جمال پوری کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

یہاں سال پورا کرنے کے بعد مولانا جلال الدین سکرولی کے ہمراہ دہلی پہنچے اور مدرسہ

عالیہ فتح پوری میں داخلہ لے کر فقہ و منطق وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ مدرسہ فتح پوری میں یک وقتی تعلیم ہوتی تھی اس لیے ظہر کے بعد مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خاں میں مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی سے جلالین اور مولانا محمد یونس سے مشکوۃ پڑھیں۔

وہاں سے گھر واپس آئے تو پھر دہلی نہ جاسکے اس لیے مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں داخلہ لے کر مولانا عبدالرحمٰن بجواوی سے سنن کی کتابیں پڑھیں۔ یہاں کے ہم سبق طلباء میں مولانا حبیب اللہ طیب پوری کا نام قابل ذکر ہے۔ پھر دوبارہ دہلی جاکر دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لے کر وہاں سے ۱۹۲۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔

دارالحدیث رحمانیہ کا انتظام وانصرام، قیام وطعام اور تعلیمی بندوبست کا اتنا زبردست انتظام تھا جو بیان سے باہر ہے۔

تدریس و تعلیم:

جون ۱۹۲۹ء میں فراغت کے بعد تدریس کی ابتداء بھٹ پرا کے مدرسہ سے کی اور یہاں لمبے عرصہ تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ موضع کونڈرا میں ایک جماعتی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، ایک جماعتی پروگرام بھی کرایا جس میں تقریر کرنے کے لیے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے وزیر مالیات حافظ حمید اللہ نے دہلی سے مولانا عبداللہ لکھوی اور مولانا احمد مدنی (استاذ مدرسہ حمیدیہ) کو بھیجا تھا۔

آپ نے بحیثیت مدرس کونڈرا میں ۱۱ سال گزارا، پھر مستعفی ہو کر مدرسہ اہل حدیث کٹرہ پھولیل آگرہ میں ایک سال تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر یہاں سے دارالہدیٰ یوسف پور پہنچے اور وہاں آٹھ سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ اسی طرح دارالعلوم ششہنیاں میں پانچ سال اور مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں ایک سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۵۲ء میں ایک سال مدرسہ اسلامیہ کیندرا پاڑہ، ضلع کٹک، اڑیسہ میں بھی تدریسی فریضہ انجام دیا۔

دوران تدریس آپ کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ نے علماء مئکا کو اکٹھا کر کے ایک انجمن بنام ''اصلاح المسلمین،، تشکیل دی اور دعوتی سلسلہ جاری کیا۔ پورے

مٹکا ئی علاقہ میں متعدد اجتماعات ہوئے۔ اس کی افادیت کو دیکھ کر ترائی نیپال کے جماعتی مواضع میں بھی دعوتی سلسلہ شروع ہوا۔ علماء وقت پر پہنچ تقریریں کرتے اور اپنے گھر واپس جا کر کھانا کھاتے۔ عوام پر کوئی بار اور بوجھ نہ پڑتا تھا۔

موصوف کی جماعتی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بالآخر دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۷۵ سال کی عمر میں ۳/ مارچ ۱۹۸۰ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

عبدالرزاق سمراوی

(۱۸۵۷ء-۱۹۴۵ء)

ساکن: سمرا، پوسٹ: سمری خان کوٹ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۵۷ء۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم میاں صاحب علی (فیض آبادی) سے حاصل کی۔ پھر مولانا اللہ بخش بسکوہری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۴ سال تک مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں زیر تعلیم رہے۔ کانپور کے ایک حنفی مدرسہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں میاں صاحب علی، مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا محمد دین اور مولانا احمد حسن کانپوری وغیرھم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد درس وتدریس دعوت وتبلیغ اور ارشاد کے مجال کار سے وابستہ ہوگئے اور تاحیات اسی سے وابستہ رہے۔ موضع اکرہرا میں کچھ عرصہ تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ کچھ عرصہ مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں بھی رہے۔ اس زمانہ میں آپ ہی کی کوششوں سے ۱۹۱۸ء میں ایک عظیم الشان اجلاس عام ہوا جس میں جماعت کی سرکردہ شخصیات میں مولانا

سیف بنارسی، مولانا شمس فیض آبادی اور مولانا عبدالتواب غزنوی وغیرہم نے شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا شمس فیض آبادی نے مدرسہ کے انتظامی اور تدریسی امور کا جائزہ لیکر آپ کی کوششوں کو سراہا۔ (اس اجلاس کی رپورٹ اہلحدیث امرتسر کے جولائی ۱۹۱۸ء کے شمارہ میں مندرج ہے)

یہاں سے مستعفی ہو کر دوبارہ اکرہرا تشریف لائے اور ایک مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ برڈ پور کے پاس موضع گورا بازار میں بھی ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اپنے پیدائشی گاؤں سمرا میں بھی مدرسہ قائم کیا۔ موضع دیالی پور میں بھی تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیا اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ آخری ایام میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مصروف تدریس رہے اور ''دستنی'' موضع میں تھوڑی بہت زمین حاصل کر کے اس کی دیکھ ریکھ کرتے رہے۔ یہیں بیمار ہوئے تو اہل خاندان عیادت کے لئے سمرا لے گئے اور وہیں ۱۹۴۵ء میں انتقال کیا۔

آپ ایک باصلاحیت عالم دین ہونے کے ساتھ بے مثال خطیب ومقرر تھے۔ دعوتی جذبہ سے سرشار تھے۔ آپ نے جہاں بھی تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیا، وہاں کے آس پاس کے گاؤں میں دعوت وتبلیغ بھی کی۔ دن میں تدریسی فریضہ انجام دیتے اور راتوں کو وعظ ونصیحت کرتے۔ دن کو طلباء کو پڑھاتے اور رات کو بڑے بوڑھوں کو تعلیم دیتے۔ چنانچہ گونڈہ، بستی اور نیپال علاقہ کے درجنوں مواضع آپ کی دعوت وتبلیغ سے مستفید ہوئے۔ بڑھنی بازار میں مولانا عبدالرحمٰن ڈوکی اور مولوی عتیق الرحمٰن بریلوی (اکرہرا والے) کے درمیان مناظرہ کی رپورٹ شائع کی۔ ایک کتاب ''روداد مناظرہ خانکوٹ'' بھی شائع کی۔ لیکن افسوس کہ سب ناپید ہوگئیں۔

آپ نے بحثیت مناظر خدمت دین انجام دی اور اسکی روداد بھی شائع کی جو آج نایاب ہے۔ مولوی مشتاق احمد بریلوی سے اکرہرا میں مناظرہ کیا اور اسے شکست دی۔ اس نے راہ فرار اختیار کی تو اکرہرا سے نوگڑھ تک اسکا پیچھا کیا۔ نیپال کے ایک گاؤں میں ایک حنفی سے مناظرہ کیا اور اسے شکست دی اور وہاں کے تمام لوگوں نے مسلک اہل حدیث کو اپنا لیا۔

آپ نے ایک ماہنامہ بنام "ہاتف" بھی نکالا اس کے ایڈیٹر آپ خود تھے اور مینیجر حاجی احمد حسین (چراغی) تھے۔ مرکز اکرہرا تھا۔ لیکن موقع ومحل مالیات اور حالات نے ساتھ نہیں دیا اس لئے بند ہو گیا۔ اس کے شمارے بھی نایاب ہیں۔

سیاست میں بھی آپ کا اعلیٰ مقام تھا۔ آزادی کی جدوجہد میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ اس تن واحد نے تن تنہا گونڈہ بستی میں اتنی دعوتی، تبلیغی، تعلیمی وتدریسی اور سیاسی خدمات انجام دیں کہ جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

عبدالرشید جھمکاوی

(پیدائش: ۱۲۵۵ھ)

پیدائش:

مولانا عبدالرشید جھمکاوی، یہ مولانا عبدالکریم مسلم (صاحب دیوان گلشن) کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۵۵ھ میں افغانستان کے شہر کابل کے کالی پہاڑی کے مقام پر کسی سرحدی علاقہ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کے والد جہاد میں مصروف تھے اور ان کی اہلیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

ابتدائی تعلیم وتربیت والدین سے حاصل کی۔ پھر مزید حصول علم کے لیے لکھنؤ کا سفر کیا وہاں مولانا عبدالحئ لکھنوی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ جامع ترمذی نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ قاضی مبارک، میرزاہد، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت اور فن ریاضی کی کئی کتابیں مولانا عبدالرحمٰن غازی پوری اور دیگر علماء سے پڑھیں۔ آخر میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دعوت وارشاد کو نصب العین بنایا پھر کتاب وسنت اور مسلک سلف کی تبلیغ میں لگ گئے اور آخر عمر تک اسی فریضے کی انجام دہی

میں مصروف رہے۔ دوران تبلیغ بدعتی عالموں سے پالا پڑا تو ان سے بھی مناظرے اور اللہ کے فضل وکرم سے مباحثے کئے اور ہر جگہ آپ فتح یاب ہوئے۔

مغربی چمپارن میں ایک عیسائی نے آپ کو چیلنج کیا، آپ نے اس کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس سے مناظرہ کیا اور اس کی ایسی مدلل گرفت کی کہ اس نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے فوراً بعد ہی آپ نے مناظرے کی تفصیلات پر مشتمل ایک کتاب بنام ''ردّ عیسائیت'' لکھی جو بڑے اہتمام سے چھپ کر منظر عام پر آئی اور عوام میں خوب مقبول ہوئی۔

دوسرا مناظرہ علماء احناف سے رفع الیدین و آمین بالجہر پر کیا۔ مناظرہ موضع بیتیا میں طے پایا۔ سامعین کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ اس میں بھی علماء احناف کو شکست فاش دی۔ بعد میں اس مناظرہ کی روداد پر مشتمل ایک کتاب بنام ''جنگ وجدال بیتیا'' لکھی۔ ان دو کے علاوہ سناتن دھرمیوں اور دیگر ملحدین سے بھی مناظرے کئے اور بفضلہ تعالیٰ سب میں فتح یاب وظفریاب ہوئے۔ افسوس کہ ان مناظروں کی تفصیل کتابی شکل میں شائع نہ ہو سکی۔

تصانیف:

آپ جہاں ایک اچھے اور سلجھے ہوئے مقرر، داعی اور خطیب تھے وہیں ایک منجھے ہوئے مصنف بھی تھے۔ قرآن وحدیث کے خلاف کہیں کوئی تحریری فتنہ کھڑا ہوتا تو فوراً اس کے رد میں کتاب تیار کر دیتے۔ چنانچہ آپ کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے، لیکن بدقسمتی سے کچھ نذر آتش ہو گئیں اور کچھ وارثین کی عدم توجہی سے ضائع ہو گئیں۔ آپ کی مصنفہ کتب میں سے جن کے نام معلوم ہو سکے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) معیار الاعتدال (۲) النظر فی الحدیث (۳) النظر فی التفسیر
(۴) کتاب کشف الالہام (۵) حکمت اللہ الباہرۃ (غیر مطبوع)
(۶) کتاب الرجال (غیر مطبوع)
(۷) تفہیم الفرقان فی تفسیر القرآن (غیر مطبوع)

(۸) الاخبار المجموعۃ فی الاحادیث المرفوعۃ (غیر مطبوع)

(۹) النظر فی الاجماع (۱۰) النظر فی القیاس (۱۱) النظر فی الکلام

(۱۲) عمدۃ التوضیح فی احوال المسیح (غیر مطبوع) (۱۳) تحفۂ رشیدیہ وغیرہم۔

آپ صاحب اولاد تھے۔ مولانا محمد ابو سعید، مولانا ابو الخیر، مولانا ابو البرکات، مولانا سادات، مولانا نور حسین اور مولانا عبد الباری آپ ہی کی اولاد ہیں جو آپ کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

عبد الرشید ازہری

(۱۹۴۱ء-۲۰۰۶ء)

مولانا عبد الرشید ازہری بن مولانا عبد السلام بستوی بن شیخ یاد علی

آپ کی پیدائش مارچ ۱۹۴۱ء کو ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) کے ایک موضع بھٹ پڑا میں ہوئی۔ آپ نے پوری تعلیم وتربیت از مکتب تا فضیلت اپنے والد محترم سے مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی اور عالم کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مصر تشریف کے لیے اور وہاں کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر سے عربی ادب میں بی۔اے کیا۔ پھر اسی یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات سے "شعر الاطلال وتطوره فی الادب العربی"-دراسة ، تحليلة ونقدية" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر جنوری ۱۹۶۸ء میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، اور پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لیا کہ دریں اثناء تدریسی وتربیتی امور کی انجام دہی کے لیے وزارۃ المعارف سعودی عرب کی جانب سے مدینہ منورہ اور دمام وغیرہ میں بحیثیت استاد تقرری ہوگئی۔ اس فریضہ کو بھی آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ اس وجہ سے اپنی پی۔ایچ ڈی مکمل نہ کر سکے۔ ۱۹۷۴ء میں سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن بازؒ کی سرپرستی اور سایۂ عاطفت میں سعودی

عرب کے دینی ہیڈکوارٹر ''الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والدعوۃ والارشاد'' کے شعبہ ''مراقبۃ الکتب المطبوعات'' میں بحیثیت مترجم وریڈر متعین کئے گئے۔ اس شعبہ میں ۱۹۹۲ء تک (یعنی ۱۸ رسال) آپ نے خدمات انجام دی اور علمی وثقافتی طبقہ میں ایک بے مثال مقام حاصل کرلیا۔

۱۹۹۲ء میں وہاں سے مستعفی ہوکر واپس آگئے اور جامعہ ریاض العلوم دہلی کی خدمات سے وابستہ ہوگئے۔ کچھ عرصہ تک صحیح بخاری کا درس دیا، پھر تدریس سے الگ ہوکر مدرسہ کی تعمیر وترقی، نظام تعلیم کی اصلاح اور طلبہ کی فلاح وبہبود میں جٹ گئے اور تاوفات (دسمبر ۲۰۰۶ء) بحیثیت ناظم مدرسہ ادارتی امور انجام دیتے رہے۔

مولانا موصوف کی شخصیت مختلف فیوض وبرکات اور صفات وکمالات سے متصف تھی۔ آپ ایک مخلص مدرس ومحدث، کہنہ مشق صحافی، اچھے مصنف ومترجم، بے مثال ناظم، اعلیٰ خطیب ومقرر، عظیم مفتی ومفکر، بے بدل داعی ومبلغ اور بے لوث سماجی کارکن تھے۔

خدمات ایک نظر میں:

☆ ۱۹۹۲ء سے تاوفات ۲۰۰۶ء بحیثیت ناظم جامعہ ریاض العلوم کو بقاواستحکام بخشا۔

☆ جامعہ کے معیار تعلیم کو بلند کرکے اندرون ملک وبیرون ملک کی چند یونیورسٹیوں کے معادل بنایا۔

☆ جامعہ کے پرانے نصاب تعلیم میں عصری تعلیم کو بھی شامل کرکے اس کو رائج کیا، جو آج بھی چل رہا ہے۔

☆ اپنے والد گرامی کی شرح مشکوۃ ''انوار المصابیح'' کی ناتمام شرح کو (باب نزول عیسی سے باب ثواب ہٰذہ الامۃ تک) خود شرح لکھ کر مکمل کیا۔

☆ اپنے والد گرامی کی مؤلفہ جملہ کتب کی از سرِ نو تحقیق وتنقیح وتخریج کرکے جدید طرز پر ڈھال کر بہترین آفسیٹ پر چھپوادیا۔

☆ ماہنامہ ''الاسلام'' کو اپنی ادارت میں پہلے سے اچھی وضع قطع اور جدید اسلوب میں نکالا۔

☆ جامعہ کی نظامت کے ساتھ فقہ وفتاوی سے بھی جڑے رہے اور آخر تک ملک وبیرون ملک سے پوچھے جانے والے مسائل ومشاکل کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیتے اور انہیں ماہنامہ الاسلام میں پابندی کے ساتھ شائع کرتے۔

آپ کی حیات سراپا تواضع، خاکساری، سادگی، سنجیدگی، خوش طبعی ونیک مزاجی سے عبارت تھی۔ کبھی تکلف وتعصب سے کام نہ لیا اور نہ ہی افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔ کتاب وسنت پر عامل اور سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج پر ہمہ وقت گامزن نظر آئے۔

آپ پھیپھڑے کے کافی سالوں سے مریض تھے۔ دوا علاج سے افاقہ ہوجاتا تھا۔ آخر عمر میں مرض نے شدت اختیار کرلی بالآخر ۷/دسمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعرات ساڑھے گیارہ بجے دن اس دنیائے فانی سے کوچ کرگئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ اسی دن بعد نماز عصر جامعہ ریاض العلوم میں مولانا عبدالتواب مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی اور پنجابیان دہلی کے قبرستان شیدی پورا میں والدین کے بغل میں مدفون ہوئے۔

پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ ۴ لڑکے عامر، عبدالمالک، عبدالحق اور عبدالمتین اور چار لڑکیاں ہیں۔ جناب عامر اس وقت مدرسہ کے منتظم ومدیر ہیں۔

عبدالرؤف رحمانی

(۱۹۱۰ء-۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرؤف رحمانی بن الحاج نعمت اللہ خان بن سردار المعروف ''خاں صاحب'' بن بختیار بن موتی خاں.

تاریخ پیدائش:

جامعہ سراج العلوم سے نکلنے والے ماہنامہ ''السراج'' کے خطیب الاسلام نمبر کے صفحہ

۲۴۸ کے ادارتی نوٹ ''خطیب الاسلام کی تاریخ پیدائش سے متعلق ایک ضروری وضاحت '' کے مطابق سن پیدائش ۱۹۱۰ء ہے۔ مقام پیدائش جھنڈانگر نیپال کے شمال میں ایک موضع کدربٹوا (قدرت نگر) ہے۔

خاندانی احوال:

مولانا کا خاندان علمی میدان میں گمنام تھا۔ ان کے آباء واجداد میں سے کسی کی شخصیت مشہور ومعروف نہ تھی۔ صرف آپ کے والد محترم حاجی نعمت اللہ خاں صاحب کے اندر دینی بیداری تھی جو علم وعلماء کے قدرداں تھے، ایک متدین اور تقویٰ شعار انسان تھے۔ اسلامی احکام کے پابند تھے۔ مادری زبان پر واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ فارسی زبان سے بھی آشنا تھے۔

تعلیمی مراحل:

اولاً والد گرامی سے علمی استفادہ کیا۔ سات سال کی عمر میں اپنے چچازاد بھائی عبدالجبار وعبدالغفار کے ہمراہ ''کدربٹوا'' مکتب میں تعلیم شروع کی۔ آپ کے پہلے استاد ضلع بستی یوپی کے مشہور موضع لٹیا کے میاں مالک علی تھے۔

سراج العلوم جھنڈانگر:

نوسال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ہندو نیپال کے بارڈر پر قصبہ ''جھنڈا نگر'' کے مدرسہ سراج العلوم میں داخلہ لیا اور تقریباً چار سال تک زیر تعلیم رہے۔ عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم یہیں پر شیخ خلیل احمد بسکوہری کی زیرنگرانی حاصل کی۔

مدرسہ مصباح الہدیٰ موجودہ جامعہ رحمانیہ بنارس:

مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بنارس کے مدرسہ مصباح الہدیٰ (موجودہ جامعہ رحمانیہ بنارس) میں داخلہ لیا اور ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری اور منطق وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

اس مدرسہ کا نام اس وقت ''مصباح الہدیٰ'' تھا۔ ۱۳۱۵ھ میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ حافظ عبدالرحمٰن بنارسی اس کے مؤسس تھے۔ انھیں کے نام پر بعد میں اس کا نام ''جامعہ رحمانیہ'' رکھا گیا۔

وہاں کے اساتذہ میں مولانا حبیب اللہ بہاری، قاری احمد سعید بنارسی، مولانا فصیح الدین بنارسی اور مولانا محمد منیر خاں جونپوری وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ اس مدرسہ میں بارہ سال کی عمر تک تعلیم حاصل کی۔

سراج العلوم میں دوبارہ واپسی:

جامعہ رحمانیہ کے دور طالب علمی ہی کے دوران والدہ کی سخت علالت کی اطلاع ملی تو مولانا منیر صاحب نے آپ کو والدہ سے ملنے کی اجازت دے دی اور اس طرح آپ جھنڈانگر آ گئے۔ والدہ کے انتقال کے بعد مدرسہ سراج العلوم ہی میں داخلہ لے کر پڑھنے لگے۔ مولانا عبدالغفور بسکوہری (ملا فاضل) اور امام الفرائض مولانا عبدالرحمٰن بجوائی سے فلسفہ، منطق، ترمذی، ابوداؤد، جلالین، مقامات حریری، شرح الوقایہ، نور الانوار، متنبّی وغیرہ کتب کا درس لیا۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی:

مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر سے پڑھ کر ۲۰ سال کی عمر میں مشہور جماعتی ادارہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں ساتویں جماعت میں داخلہ لیا، امتحان داخلہ مولانا عبدالرحمٰن بہاری نحوی نے لیا اور حسب منشا ساتویں جماعت میں داخلہ ہو گیا۔ دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا عبدالسلام دارانی، مولانا عبدالرحمٰن بہاری نحوی، مولانا نذیر احمد املوی، سکندر علی ہزاروی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ سے بخاری و مسلم کا درس لیا، مولانا عبید اللہ رحمانی نے موطا کا درس دیا۔ مولانا املوی نے کتاب میر زاہد، فقہ، اصول فقہ، اور منطق کا

درس دیا۔ منطق وفلسفہ کے دو استاذ تھے۔ پہلے استاذ مولانا سکندر علی ہزاروی تھے ان سے تفسیر بیضاوی پڑھی۔ ان کے مستعفی ہوجانے کے بعد مولانا عبدالسلام دارانی (جو امام منطق وفلسفہ تھے) نے منطق وفلسفہ کا درس دیا۔ اور ۱۳۵۰ھ۔ مطابق ۱۹۳۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دستار فضیلت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے باندھی۔

ہم سبق طلباء:

مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی آٹھویں جماعت (دورۂ حدیث) میں مولانا مرحوم کے ہم سبق تھے۔ ان کے بیان کے موجب آٹھویں جماعت میں ان کے اور مولانا کے علاوہ دس اور طلباء تھے (۱) عبداللطیف (۲) فقیراللہ (۳) حاکم علی (۴) اشفاق علی (چاروں پنجابی) (۵) عبدالواحد (۶) عبدالخبیر (دونوں بنگالی) (۷) عبدالغفار حسن عمرپوری (۸) عبدالحکیم قصوری (۹) عبدالرحمٰن ٹونکی (۱۰) محمد اسلم۔ یہ کل بارہ ہم سبق ہوئے جو ایک ساتھ فارغ ہوئے (**فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا**)

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۲۳ سال کی عمر میں تیس روپے ماہوار مشاہرہ پر کم وبیش ایک سال دارالحدیث رحمانیہ میں درس دیا۔ (بقول مولانا میرے پاس کل پانچ گھنٹیاں تھیں۔ شرح تہذیب، شرح عقائد (اور ان کے علاوہ کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں)۔ پھر دوری وطن کے خیال سے مستعفی ہوکر جھنڈانگر چلے آئے۔ یہاں تقریباً دو سال تدریسی خدمات انجام دی۔ والد محترم (الحاج نعمت اللہ) کے اصرار پر جامعہ رحمانیہ بنارس میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے اور ۱۹۳۷ء تک تدریسی خدمات میں منہمک رہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

(۱) مولانا عبدالجلیل رحمانی جنہیں جماعت خامسہ میں شرح عقائد پڑھائی۔ (۲)

مولانا محمد اقبال رحمانی (کونڈو بونڈھیار) انہیں شرح عقائد نسفی پڑھائی۔ جامعہ رحمانیہ بنارس کے تلامذہ میں: (۱) مولانا محمد یحییٰ۔ مولنا محمد الیاس، مولانا محمد موسیٰ۔ مولانا عبید الرحمن اور مولانا عبدالعظیم۔ یہ سب غالباً مدنپورہ بنارس کے رہنے والے ہیں۔

سراج العلوم جھنڈانگر کے تلامذہ میں: (۱) مولانا عبدالمبین منظر۔ مولانا یونس محمدی، مولانا محمد حسن رحمانی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا عبدالحنان فیضی، ڈاکٹر حامد الانصاری انجم، مولانا محب اللہ سراجی، مولانا ابوالبرکات سراجی، مولانا امراللہ عارف سراجی وغیرہم۔ راقم الحروف مرتب سوانح ہذا کے والد گرامی مولانا محمد حنیف ہاتف صدیقی (بیت نار) نے بھی ایک سال تک آں موصوف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب مدرسہ فیاضیہ میں دوران تعلیم پیر کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے وطن مالوف آگئے تھے۔

مولانا سے دارالحدیث رحمانیہ کے اپنے شاگردوں کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا ”طلباء، پنجابی، بنگالی، بہاری اور الہ آبادی بہت تھے۔ مجھے کسی کا نام یاد نہیں“

جامعہ رحمانیہ بنارس سے مراجعت اور سراج العلوم سے وابستگی:

مدرسہ رحمانیہ بنارس سے مستعفی ہوکر وطن واپس آگئے اور والد گرامی کے منشا کے خلاف تین چار برسوں تک زمینداری کے کاموں میں مصروف رہے۔ بالآخر والد گرامی نے جولائی ۱۹۳۸ء کو سراج العلوم کا نائب ناظم بنا دیا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد چچا الحاج محمد اسحاق ناظم بنے۔ آپ کے انتقال کے بعد اکرہرا کے الحاج محمد حسین نے عہدہ سنبھالا اور آپ بدستور نائب ناظم رہے۔ اس طرح آپ ۱۹۵۵ء تک نائب ناظم کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ پھر ۱۹۵۹ء سے تادم واپسیں (۳۰ رنومبر ۱۹۹۹ء تک) بحیثیت ناظم اعلیٰ جامعہ کی خدمت میں جٹے رہے۔ البتہ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۹ء تک (یعنی چار سال تک) چند افراد کی فتنہ طرازیوں کے باعث نظامت سے دست بردار ہوکر مدرسہ سے لا تعلق رہے اور اس دور میں کبھی مدرسہ میں قدم نہ رکھا۔ ان چار برسوں میں ۴ ناظم اَدل بدل

کرآئے اور گئے۔ آخر کمیٹی نے ۱۹۵۹ء میں مولانا کو دوبارہ ناظم بنا دیا۔
اس موقع پر مولانا عبدالقیوم رحمانی اور مولانا عبدالصبور (اکرہرا) نے بڑی کوششیں کیں۔

دوبارہ عہدۂ نظامت سنبھالتے وقت مدرسہ کی کل کائنات

۲۵ رہائشی طلبہ، ۳ مدرسین اور چند پختہ کمرے۔ جیسا کہ مولانا کے مندرجہ ذیل اعلان سے واضح ہے:

......مدرسہ سراج العلوم عرصہ سے قائم ہے۔ ہمیشہ سے رحمانیہ دہلی کے طرز پر تعلیم ہوتی آئی ہے۔ تین مدرسین اور مقامی طلباء کے علاوہ وظیفہ یاب ۲۵ طلباء کا انتظام ہے ......اندرونی احاطہ میں دو درسگاہوں اور مزید اقامت خانوں کی سخت ضرورت ہے۔ ناظرین میں سے جو بھی ایسے دینی اداروں کی اعانت کو وجہ سعادت سمجھتے ہوں پورے شرح قلب کے ساتھ امداد فرمائیں" (اہل حدیث امرتسر ۱۱ رمئی ۱۹۲۵ء)

مدارس ومساجد کا قیام:

دو مدرسوں (جامعہ سراج العلوم وجامعہ عائشہ) کے قیام واستحکام کے ساتھ نیپال میں کئی اور مدرسے قائم کئے اور مساجد تعمیر کرائیں۔ جن کی تعداد کم وبیش پچاس ہوگی۔ ان میں سے بہت سے مدارس میں ایک مدرس کی کلی تنخواہ دیکر باقی رکھا۔ (جیسے چنروٹہ، مہراج گنج، بھیرہوا، کدربٹوا (قدرت نگر) بھینس کنڈا، روپندیہی)

جماعتی خدمات:

آزادی ہند کے بعد کانفرنس میں نشاۃ ثانیہ کی کوشش شروع ہوئی تو آپ دستور ساز کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ جمعیت اہلحدیث گونڈہ وبستی کا قیام نومبر ۱۹۵۷ء میں عمل میں آیا تو آپ اسکے صدر مقرر ہوئے نومبر ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ میں خطبۂ استقبالیہ آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ اس اجلاس کو کامیاب بنانے میں آپ نے تن من دھن کی بازی لگادی تھی۔ چنانچہ مولانا محمد حسین میرٹھی کو کہنا پڑا تھا" آپ نے اتنا بڑا جلسہ

کرکے پورے ملک کو اکٹھا کردیا، آپ پر جنت واجب ہوگئی"۔اس اجلاس کا سب سے بڑا ثمرہ جامعہ سلفیہ بنارس ہے۔اس کا قیام آپ اور رفقاء کے حسنات میں شمار ہوگا۔

مارچ ۱۹۸۹ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال کی تاسیس عمل میں آئی تو آپ اس کے پہلے امیر منتخب ہوئے۔اور کاٹھمنڈو میں جمعیت کے صدر دفتر کے قیام کے لے ایک لاکھ تعاون دیا۔ ۱۹۷۷ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے لیے ملک نیپال کی طرف سے رکن مقرر ہوئے تو اس پلیٹ فارم سے جمعیت اہل حدیث نیپال و ہند کو کافی فائدہ پہنچایا۔ جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے ممبر رہے۔

خطیب الہند اور خطیب الاسلام:

آپ اعلیٰ درجہ کے خطیب، بلند پایہ مقرر اور بے مثال واعظ تھے۔ایک کامیاب خطیب کے جملہ اوصاف بدرجہ اتم آپ کے اندر موجود تھے۔استحضار کا یہ عالم تھا کہ بلا جھجک آیات اور احادیث پیش کرتے چلے جاتے۔خطابت کی طرف میلان طبع دور طالب علمی ہی سے تھا۔مجمع چھوٹا ہوتا یا بڑا۔ سامع عوام ہوتے یا علماء، کبھی کسی سے مرعوب نہ ہوتے۔اجتماع ہو یا اجلاس، کانفرنس ہو یا نشست، اسکی کامیابی آپ کی حاضری و شرکت پر موقوف ہوتی۔اجلاس واجتماع اور آپ کی حاضری دونوں لازم وملزوم تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی نے ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) کے ایک موضع طیب پور کے اجلاس عام میں آپ کو"خطیب الہند" کا خطاب دیا۔پھر جامعہ دارالحدیث مئو کے اجلاس میں "خطیب الاسلام" کے خطاب سے نوازا۔

شہنشاہ لوح وقلم:

آپ جہاں ایک بے مثال وبلند پایہ خطیب تھے، وہیں تصنیف وتالیف کا بھی ستھرا ذوق تھا۔دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے زمانہ طالب علمی ہی سے لکھنا شروع کیا اور تادم واپسیں قرطاس وقلم سے جڑے رہے۔آپ کی وہ تالیفات جو چھپ کر مقبول خاص وعام

ہوئیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دلائل ہستی باری تعالیٰ
(۲) دلائل توحید باری تعالیٰ
(۳) دلائل صدق رسالت
(۴) صیانۃ الحدیث
(۵) نصرۃ الباری
(۶) ایمان وعمل
(۷) زکوۃ کے احکام ومسائل
(۸) عشر کے احکام ومسائل
(۹) رمضان کے احکام ومسائل
(۱۰) فضائل سید الانبیاء
(۱۱) حقوق ومعاملات
(۱۲) ایام خلافت راشدہ
(۱۳) تردید حاضر وناظر
(۱۴) احترام مسلم
(۱۵) العلم والعلماء
(۱۶) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے
(۱۷) تحقیق مسئلہ
(۱۸) اسلام اور سائنس
(۱۹) علم عربی اور امراء زمانہ
(۲۰) نعم البدل
(۲۱) عاملین حدیث کا پہلا مقدس گروہ
(۲۲) احوال قیامت
(۲۳) علماء اسلام کی معاشی کفالت
(۲۴) حرمت سود وجوا
(۲۵) محمدی جوانوں کے اوصاف
(۲۶) اقلیت واکثریت کے مسائل
(۲۷) سفرنامہ حج
(۲۸) اصول تعلیم وتربیت
(۲۹) خدمت خلق ہمدردی
(۳۰) تذکرۂ ''نعمت''
(۳۱) خطبۂ استقبالیہ (نوگڑھ کانفرنس)
(۳۲) اوقاف کا روشن مستقبل
(۳۳) نماز کے احکام ومسائل
(۳۴) اسلامی بیت المال کی اہمیت
(۳۵) تین دینی وتاریخی مقالے
(۳۶) قبول اسلام کے اسباب
(۳۷) تاریخ مدرسہ
(۳۸) خشوع کے ساتھ ادا کی گئی نماز

نوٹ! آخری تین کتابیں زیر تسوید ہیں۔ پانچ کتابیں نیپالی زبان میں بھی ہیں۔

یلوح الخط والقرطاس دہرا وکاتبہ رمیم فی التراب

ان کے علاوہ بھی علامہ نے کئی چھوٹے بڑے رسالے مرتب کئے ہیں۔ جن میں کچھ غیر مطبوع ہیں اور کچھ مطبوع مگر نایاب ہیں۔ اس طرح مجموعی تعداد ۶۰ ہے۔

مولانا کی دو عظیم قربانیاں مدرسہ کے لیے:

مولانا مرحوم کی عدم موجودگی میں مہاراجہ نیپال شمشیر سنگھ کے عملداروں کے حکم سے مدرسہ کی عمارت کا کچھ حصہ مسمار کر دیا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ اول تو یہ بغیر اجازت کے تعمیر ہوا، دوسرے یہ کہ عمارت کا کچھ حصہ سڑک میں بنا ہے۔ اس کے بچانے کے سلسلے میں آپ نے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریا آبادی وغیرھم کی معرفت وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو سے سفارشی خط لکھوا کر مہاراجہ کو پیش کیا۔ راجہ شمشیر سنگھ نے اس مقام کا سروے کرایا اور کاغذات کا معائنہ کرنے کے بعد دوبارہ مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ مولانا نے دوبارہ محنت ومشقت کر کے تعمیر کے لیے چندہ اکٹھا کیا اور دوبارہ اس حصہ کو تعمیر کرایا۔ اگر مولانا نے بروقت توجہ نہ دی ہوتی تو آج مدرسہ کی حالت دگرگوں ہوتی۔

مدرسہ کے پاس ۱۲۷ بیگہ پختہ زمین تھی جو کہ آپ کے والد گرامی الحاج نعمت اللہ خاں مرحوم نے وقف کی تھی۔ جب نیپال میں سیلنگ کا نفاذ ہوا تو حکومت نے یہ قانون بنایا کہ جس کسی کے پاس ۲۸ بیگہ پختہ سے زیادہ زمین ہو اسے بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔ یہ سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے اور اس جائداد کو بچانے میں آپ نے پوری توانائی صرف کر دی۔ مدرسہ کو رجسٹرڈ کرایا اور سونپور (جہاں آراضی ہے) کی پنچایت اور جھنڈانگر (جہاں مدرسہ ہے) کی پنچایت سے خطوط لکھوایا کہ زمین مدرسہ کے نام وقف ہے اور اس کی آمدنی مدرسہ کے لیے ہے۔ اس پوری کارروائی میں کئی ماہ لگ گئے۔ مولانا نے بتلایا کہ اس عظیم جائداد کو بچانے کے لیے نیپال کی راجدھانی کاٹھمانڈو کی پتھریلی سڑکوں پر پیدل چلنے کی وجہ سے تین ماہ کی مدت میں تین بار جوتے کا تلہ بدلوانا پڑا۔ یہ محنت شاقہ آپ نے

صرف مدرسہ کی خاطر برداشت کی، ورنہ گھر کے کسی کام سے یا مقدمہ کے لیے آپ کبھی کہیں نہیں گئے۔

دیگر مدارس و مساجد کا قیام:

مدرسہ سراج العلوم و مدرسہ عائشہ صدیقہ جھنڈا نگر کے علاوہ بھی نیپال میں بہت سے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ چنانچہ قصبہ چنروٹہ میں قومی شاہراہ پر مسجد مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کے اخراجات کی تکمیل کے لیے نیچے کرائے کے لیے کوارٹرس بنوائے۔ چنروٹہ سے متصل موضع کھیری میں اور اسی طرح موضع مہراج گنج بھیرہوا (ضلع روپن دیہی) اور کدربٹوا (قدرت نگر) وغیرہ میں بھی مدارس و مساجد قائم کیے۔

مدرسہ کے نام وقف آراضی ۱۲۷ بیگہ نیپالی (۵۰ ۷ بیگہ ہندوستانی) تھی۔ مولانا نے بعد میں اپنی انتھک کوششوں سے ۱۲۷ بیگہ نیپالی مزید خرید کر کل آراضی ۲۵۴ بیگہ نیپالی (۱۵۰۰ بیگہ ہندوستانی) کردی۔

الوقف للہ:

یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ مولانا کے والد گرامی الحاج نعمت اللہ نے آپ کو مدرسہ کے نام وقف کردیا تھا۔ مولانا کو چیچک نکل آئی اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ آپ کے والد نے دعا کی اگر اللہ نے بچے کو زندہ رکھا تو اسے دینی کام کے لیے وقف کردوں گا۔ اس طرح کے وقف کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ مولانا نے بھی اس پر سختی سے عمل کیا اور اپنی آخری سانس تک اپنی جائیداد سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ایک مرتبہ ارضی و سماوی آفات سے فصلیں تباہ ہوگئیں تو اپنے صاحب زادے عبدالرشید کو خط لکھا۔ ''میں مدرسہ کا آدمی ہوں میرے پاس نجی جائیداد یا پیسہ نہیں ہے کہ میں تمہاری کسی طرح مدد کرسکوں ہاں! تمہاری صلاح و فلاح کے لیے میں دعا گو ہوں.....'' آپ کو بٹوارے میں کافی جائیداد ملی تھی، لیکن سب کو بیٹے کے حوالے کر کے خود کو اس سے الگ کرلیا۔ اور مدرسہ کے لیے وقف ہوگئے۔

جمعیت اہل حدیث نیپال کا قیام:

مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال آپ کی کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ ۳۰رمارچ ۱۹۸۹ء مطابق ۲۱رشعبان ۱۴۰۹ھ میں ملک کے حساس اہلحدیثوں کا نمائندہ اجلاس مدرسہ سراج العلوم میں بلایا اور مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال کا قیام عمل میں آیا جس کے آپ کم وبیش دس سال تک امیر رہے۔ کاٹھمنڈو جمعیت کی مرکزی آفس کی تعمیر کے لیے کئی لاکھ روپے عنایت کیے۔

علالت ووفات:

آپ نے مختلف اوقات میں کئی بڑی تکلیف دہ بیماریوں کا سامنا۔ کیا خونی بواسیر کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ کویت کے پہلے سفر میں امساک بول کا عارضہ لاحق ہوا۔ پھر پیشاب کی نلی میں غدود بڑھ گئے۔ ہائڈروسیل کا عارضہ لاحق ہوا۔ آنکھوں میں موتیابند کی شکایت ہوگئی۔ ہائی بلیڈ پریشر کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ اوران سب امراض سے اللہ نے شفا عطا فرمائی۔ آخری سالوں میں دونوں گردے بیکار ہوگئے اوراس بیماری نے پیمانۂ حیات لبریز کردیا۔ بالآخر ۲۱ شعبان المکرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۰رنومبر ۱۹۹۹ء بروز منگل اور شام تقریباسوا چھ بجے بعمر ۹۰ سال اپنے حقیقی مالک سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حسب وصیت مولانا عبدالحنان فیضی مفتی جامعہ سراج العلوم کی امامت میں ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

ذات ستودہ صفات:

آپ کے انتقال کے بعد جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر کے نقیب وآرگن ماہنامہ ''السراج'' کا مئی واکتوبر ۲۰۰۰ء مشترکہ شمارہ ''خطیب الاسلام نمبر'' ۶۷۰ صفحات پر مشتمل شائع ہوا ہے۔ جسمیں آپ کی ہمہ جہت خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

ورق تمام ہوا مدح ابھی باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

عبدالستار دہلوی

(۱۹۰۵ء تا ۱۹۶۶ء)

مولانا عبدالستار بن مولانا عبدالوہاب دہلوی

تاریخ پیدائش: اوائل رجب المرجب ۱۳۲۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۰۵ء

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالکتاب والسنہ'' میں حافظ احمد سے حاصل کی۔ ان سے قرآن مجید ناظرہ کے ساتھ ابتدائی عربی وفارسی کتب پڑھیں۔ پھر قرأت وتجوید کے مشہور عالم استاذ قاری حافظ عبدالغفور کرنالوی کے مدرسہ میں داخلہ لے کر حفظ قرآن کا آغاز کیا اور دو سال بعد حفظ وقرأت کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

آپ کے والد گرامی نے نذر مانی تھی کہ میرے دو بیٹے عبدالستار اور عبدالرحمٰن نے قرآن مجید کا حفظ مکمل کرلیا تو مکہ مکرمہ لے جائیں گے اور بیت اللہ شریف میں ان سے قرآن مجید سنیں گے۔ چنانچہ حافظ عبدالستار نے مکہ مکرمہ جاکر بیت اللہ شریف میں اللہ کے فضل سے قرآن مجید سنایا۔ آپ کے بھائی عبدالرحمٰن نے بھی سنایا۔ لیکن بیمار ہوکر مکہ ہی میں چندروز کے بعد وفات پاگئے اور جنت المعلی میں مدفون ہوئے۔

حافظ عبدالستار، حج بیت اللہ وزیارت سے متمتع ہوکر والد گرامی مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی کے ساتھ دہلی لوٹ آئے اور باقاعدہ تحصیل علوم عربی کا آغاز کیا۔ تفسیر واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، منطق وفلسفہ وغیرہ جملہ علوم وفنون کی تکمیل اپنے والد سے پڑھ کر کی۔ اور ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں ۲۲ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ وشیوخ:

مکتب کے اساتذہ میں حافظ احمد، حفظ وتجوید کے اساتذہ میں قاری وحافظ عبدالغفور

کرنالوی اور عربی کے اساتذہ میں والد گرامی مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تعلیم وتدریس:

فراغت کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالکتب والسنہ'' صدر بازار دہلی ٦ سے تدریس کی بسم اللہ کی اور ابتداء میں چھوٹی جماعتوں کے طلباء کو پڑھانا شروع کیا۔ پھر رفتہ رفتہ اونچے درجات کے بچوں کو پڑھانے لگے۔ ساتھ ہی مسجد کے پنجوقتہ امام بھی بنادیئے گئے۔ جمعہ کا خطبہ بھی دینے لگے۔ رفتہ رفتہ مسجد ومدرسہ کے انتظامی معاملات بھی آپ کو سونپ دیئے گئے۔ وہاں سے نکلنے والے ماہنامہ ''صحیفہ اہل حدیث'' کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ چنانچہ آپ نے بھی تمام امور کو نہایت محنت اور ذمہ داری سے انجام دیئے۔

طلباء آپ کے طریق تدریس سے، نمازی آپ کی امامت وخطابت سے بہت مطمئن تھے۔ والد گرامی کی زندگی میں ان کی نگرانی میں آپ نے بہت کام کیا اور والد گرامی کی وفات کے بعد تو یوں سمجھئے کہ تمام امور کے انجام دینے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ بڑے مستعد اور جفاکش عالم دین آپ تھے۔ چنانچہ آپ کی تعلیم وتربیت کا شہرہ سن کر ملک وبیرون ملک کے طلباء استفادہ کے لیے مدرسہ دارلکتاب والسنہ صدر بازار کا رخ کرتے اور ہمہ وقت مدرسہ میں طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے اہل وعیال سمیت دہلی سے کراچی چلے گئے تو وہاں بھی مدرسہ دارالکتاب والسنہ قائم کیا اور صحیفہ اہل حدیث بھی جاری کیا۔ ایک وسیع وعریض مسجد تعمیر کی۔ وہاں کے حالات وظروف کی روشنی میں فتویٰ نویسی، ترجمہ وتفسیر قرآن نیز دیگر کتب کی تصنیف وتالیف میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے والد گرامی نے جماعت غرباء اہل حدیث کا سربراہ بھی آپ کو بنایا تھا۔ چنانچہ اس ذمہ داری کو بھی بحسن وخوبی نبھایا۔

بحیثیت مناظر:

آپ جہاں ایک اچھے مدرس ومصنف ومقرر تھے وہیں ایک منجھے ہوئے مناظر بھی

تھے۔موضوع کی حد میں رہ کر مدلل گفتگو کرتے آپ نے مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں مندرجہ ذیل حضرات سے مناظرے کئے اور اللہ کے فضل سے کامیاب رہے۔

ایک مناظرہ عمر دین مرزائی سے حیات مسیح کے مسئلے پر ہوا۔

پادری عبدالحق سے تثلیث کے بارے میں میدان مناظرہ گرم ہوا۔

علماء احناف میں مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا عبدالکریم، مولانا خدا بخش، مولانا میرک شاہ (مدرسہ فتح پوری، دہلی) سے تقلید، رفع الیدین عندالرکوع، قرأت فاتحہ خلف الامام وغیرہ موضوعات پر مناظرے کئے۔

تصنیف وتالیف:

آپ کی تصانیف وتالیفات کا سلسلہ خالص کتاب وسنت پر مبنی ہے۔

۱-تفسیر ستاری: قرآن پاک پر اردو تفسیر ہے۔

۲-دہرا ترجمہ قرآن مجید بنام "حدیث وتفاسیر"

۳-تفسیر سورۂ فاتحہ ۴-فوائد ستاریہ: قرآن مجید کا حاشیہ

۵-ہفت پارہ: قرآن پاک کے پہلے سات پاروں کے حواشی کا مجموعہ۔

۶-سولہ سورہ ۷-پنج سورہ ۸-سورے یسٓ

۹-نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری ۱۰-حقیقہ التوسل والوسیلہ

۱۱-فتاوی ستاریہ ۱۲-الدر الثمین بالتامین

۱۳-حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام

۱۴-حکم النبی بکفر من لایصلی ۱۵-تکمیل البرہان فی قرأۃ ام القرآن

۱۶-الدلائل الواثقہ فی جواز تسلیمۃ واحدۃ ۱۷-خطبۂ امارت

۱۸-الشمس الضحیٰ فی اعضاء اللحی ۱۹-ایک اہم سوال اور اس کا جواب

۲۰-تاریخ مقام اربعہ ۲۱-احقاق حق وابطال باطل

۲۲-اقامۃ الحجۃ علیٰ ان النداء الثالث یوم الجمعۃ فی المسجد بدعۃ

۲۳-تحقیق حرف ضاد وواؤ ۲۴-تنبیہ اہل الفرش باستواء اللہ علی العرش

۲۵-تنبیہ الغلاۃ فی حلیۃ السلحفاۃ

۲۶-ضرب الفأس علی من کرہ الصلوٰۃ المکشوف الرأس

۲۷-مراسم شعبان کی تردید ۲۸-ملفوظات ستاریہ

آپ ایک جلیل القدر عالم دین، ممتاز مصنف، پرتاثیر واعظ اور منجھے ہوئے مدرس تھے۔ علاوہ ازیں بڑے خلیق وملنسار اور حلیم الطبع تھے۔ توحید آپ کا خاص موضوع تھا اور اس موضوع پر نہایت سلجھے ہوئے انداز میں تقریر کرتے۔ حدیث اور اس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۹/اگست ۱۹۶۶ء کو کراچی میں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تقسیم ہند کے بعد جب آپ پاکستان ہجرت کر گئے تو اپنے آبائی مدرسہ دارالکتاب والسنہ (صدر بازار، دہلی ۶) کا انتظام وانصرام اپنے چھوٹے بھائی حافظ مولانا عبدالواحد سلفی کو سونپ دیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس ذمہ داری کو اپنے انتقال ۱۹۹۸ء تک بخوبی نبھایا۔ آج کل اس مدرسہ کے نگراں مولانا عبدالواحد کے صاحب زادے مولانا عبدالماجد سلفی ہیں۔

اولاد واحفاد:

آپ نے اپنے پیچھے پانچ نرینہ اولاد چھوڑی۔ مولانا عبدالغفار سلفی (م ۱۹۷۷ء) مولانا حافظ عبدالرحمان سلفی، حافظ عبدالجبار سلفی، حافظ محمد سلفی، حافظ محمد انس سلفی۔

الحمد للہ سبھی علم وفضل اور تقویٰ وطہارت میں اپنے اسلاف کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں اور اپنے والد گرامی کے سچے جانشین ہیں۔

امیر جماعت غرباء اہل حدیث:

بانی جماعت وامیر مولانا عبدالوہاب دہلوی کے جولائی ۱۹۳۲ء میں انتقال کر جانے کے بعد اتفاق رائے سے لوگوں نے آپ کو امام ثانی منتخب کیا۔ چنانچہ آپ بھی تاحیات امام

رہے۔ بحیثیت امام، جماعت کی تعمیر وترقی کے لیے بڑی محنت کی۔ آپ کم وبیش ۳۵ سال تک امام جماعت رہے۔

عبدالستار سلفی

شیخ الحدیث مولانا عبدالستار سلفی بن الحاج عبدالرؤف بن الحاج خبیر الدین بن الحاج امانت اللہ

ساکن: ڈنگرہ گھاٹ، پوسٹ: گانگھر گھوس، وایا: بائسی، ضلع: پورنیہ، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۵ء (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی مکتب کی تعلیم گاؤں کے مدرسہ ''جامعہ دارالسلام'' میں حاصل کی۔ مزید عربی وفارسی کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ ڈومریا کولھا، اتر دیناج پور (مغربی بنگال) مدرسہ بابوان، اررریہ (بہار) مدرس اسلامیہ سیما پور، کٹیہار (بہار) میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور (یوپی) اور جامعہ ریاض العلوم (دہلی) میں بھی داخلہ لے کر مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ آخری مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں داخلہ لیا اور وہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی نے سند اجازہ عطا فرمائی۔

اساتذہ:

آپ نے بہت سارے اساتذہ اور ہر مکتب فکر کے اساتذہ سے حصول علم کیا۔ ان میں سے چند اہم اساتذہ وشیوخ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد سلیمان صدری (ڈنگرہ، پورنیہ)، مولانا عبدالستار، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی وغیرہم۔

تدریس:

فراغت کے بعد سے تا حیات آپ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ سے جڑے رہے۔ اور یکے بعد دیگرے (۱) جامعہ دار السلام ڈنگرہ گھاٹ، پورنیہ (بہار) مدرسہ اسلامیہ سیما پور، کٹیہار (۳) مدرسہ مظہر العلوم بٹنہ، مالدہ، (مغربی بنگال) (۴) معہد التعلیم الدینی، شری پور، مالدہ، مغربی بنگال (۵) اور آخر میں مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ احمدیہ سلفیہ میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے اور اسی حالت میں مدرسہ ہی میں انتقال کیا۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، جو آپ سے مستفید ہو کر ملک و بیرون ملک تعلیم وتدریس اور دعوت وارشاد سے منسلک ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے اسماء یہ ہیں۔ (۱) مولانا ظل الرحمٰن مدنی (۲) مولانا مزمل الحق مدنی (۳) مولانا نوشاد عالم مظاہری (۴) مولانا عبدالحق سلفی (۵) مولانا عبدالسلام سلفی (سابق صدر مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ) (۶) مولانا محمد ایوب سلفی (۷) مولانا عبدالمتین سلفی (۸) مولانا مزمل الحق رحیمی (۹) مولانا سمیع الرحمٰن مدنی (۱۰) مولانا عبدالمالک سلفی (۱۱) مولانا محبوب عالم سلفی (۱۲) مولانا عبداللہ مدنی وغیرہم۔

دعوت وارشاد:

آپ جہاں ایک بے مثال مدرس تھے وہیں ایک اچھے داعی اور خطیب بھی تھے، آپ جہاں بھی درس وتدریس سے وابستہ رہے، دعوت وتبلیغ سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اصلاح معاشرہ کے تعلق سے آپ ہمیشہ متفکر رہتے اور ہمیشہ اس کی اصلاح کی کوشش میں لگے رہتے۔ دعوت وتبلیغ کے تعلق سے آپ نے علماء کرام کی مختلف ٹولیاں بنا رکھی تھی، جو الگ الگ گاؤں کا دورہ کر کے وہاں کے حالات کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔

آپ ان کی نگرانی فرماتے۔

آپ عیدگاہ ڈنگرہ گھاٹ، پورنیہ، بہار کے تاحیات امام وخطیب اور جامعہ دارالسلام ڈنگرہ گھاٹ کے سرپرست رہے۔ آپ کی موجودگی میں کوئی جمعہ وعیدین کی امامت نہیں کرتا تھا۔ بڑے مخلص اور نیک تھے۔ یتیموں اور بیواؤں اور غریبوں کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ مختلف ذرائع سے ان کی ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کرتے۔ گاؤں میں قائم بیت المال کے نگراں تھے۔ جو کچھ خرچ کرتے اور جہاں خرچ کرتے ایک ایک پیسہ کا حساب رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ ایک معلم ومدرس تھے، داعی وخطیب تھے، امام ومرشد تھے، اور ہر میدان عمل میں آپ نے بھرپور فریضہ نبھایا۔

آخر عمر میں مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تدریسی خدمات سے جڑے۔ پھر شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹؍جنوری ۱۹۹۵ء کو بعمر ۶۰ سال مدرسہ ہی میں انتقال کیا۔ نعش آبائی گاؤں لے جائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ نے دو شادیاں کیں جن سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں باحیات ہیں۔

عبدالستار سلفی

(۱۸۸۴ء-۱۹۵۵ء)

مولانا حکیم حافظ عبدالستار سلفی بن عبدالسبحان

ساکن: مولانگر، پوسٹ: پچھور مراہی، سیتامڑھی (بہار)

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد عبدالسبحان شیوہر ضلع کے راجپوت تھے۔ دو بھائی تھے جن کا نام شیو چرن سنگھ اور جگیشر سنگھ تھا۔ دونوں پڑھے لکھے تھے۔ فارسی کی اچھی جانکاری تھی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں گلستاں بوستاں پڑھنے کے بعد دین اسلام گھر کر گیا۔ بڑے بھائی (شیو چرن) آگے

چل کر راجہ شیوہر کے مدار المہام مقرر ہوئے۔ انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا، پھر چھوٹے بھائی نے بھی اسلام قبول کیا۔ دونوں بھائی عبدالرحمٰن اور عبدالسبحان کی بیویاں بھی اسلام لے آئیں۔ یہ لوگ ہرما بستی میں شاہ صحت علی کے ہاں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر وہاں سے منتقل ہو کر مولانگر آ گئے اور یہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد دونوں بھائیوں نے اپنی تیس ایکڑ زمین کو بھی خیر باد کہہ دیا جو پتا سے وراثت میں ملی تھی اور گزر اوقات کے لیے ملازمت کر لی۔

تعلیمی مراحل:

حافظ عبدالستار کی پیدائش ۱۸۸۴ء (تخمیناً) میں ہوئی۔ پیدائش کے بعد والدہ مفلوج ہو گئیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت مولانگر میں ہوئی۔ پھر مظفر پور آ گئے اور اپنے بہنوئی مولوی عبدالعزیز بہاری کے ساتھ رہ کر اردو اور انگریزی وغیرہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں طبیعت دین کی طرف مائل ہوئی تو حافظ محمد عثمان سے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور دو سال میں حفظ کی تکمیل کر لی۔ پٹنہ جا کر جملہ علوم وفنون کے ساتھ طب کی بھی تعلیم حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

اساتذہ میں مولانا فیاض الدین، مولانا کفایت اللہ اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

طبابت:

فراغت کے بعد گھر ہی پر طبابت وحکمت کا کام شروع کیا جس میں اچھی شہرت ملی۔ ساتھ ہی بستی میں تعلیم کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ دریں اثنا بیوی کا انتقال ہو گیا تو مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے آپ کا نکاح بابو عبداللہ کی بیٹی سے کر دیا اور اپنے پاس بلا لیا۔ آپ

تین ماہ تک مولانا رحیم آبادی کی تیمارداری میں دن رات مصروف رہے۔

تدریس:

اسی درمیان موضع محمد پور کواری میں عربی درجات کی تعلیم کے لیے عربی استاد کی ضرورت پڑی تو مولانا رحیم آبادی کی نظر آپ پر پڑی۔ چنانچہ آپ موصوف کو تدریس کے لیے وہاں بھیج دیا۔ مولانا کے انتقال کے بعد تین سال تک آپ نے یہاں درس دیا۔ پھر مولانگر والوں کی خواہش پر وہاں منتقل ہوگئے اور تدریس و نظامت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ حفظ کے علاوہ عربی کی چوتھی جماعت تک تعلیم دے کر طلبہ کو مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے احمدیہ سلفیہ دربھنگہ نیز دوسرے شہروں کے اونچے مدارس میں بھیجتے تھے۔

دعوت وارشاد:

آپ نے درس و تدریس کے ساتھ دعوت وارشاد کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ تقریبا ۲۰ ربرسوں تک مولانگر، دریاپور، بیلسنڈ، سرگاہی، چندولی، غوث نگر وغیرہ بستیوں کا دورہ کر کے ان کے عقائد و رسوم کی اصلاح کی۔ دین سے ان لوگوں کا رشتہ جوڑا۔ کفر و شرک اور بدعات کی نجاست سے پاک کیا۔ آخر عمر تک آپ اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف و منہمک رہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں مولانا محمد سالم، مولانا عبدالحکیم فیضی، مولانا عبیدالرحمٰن فیضی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے فراغت کے بعد اپنے اپنے مجال کار میں نیک نام کمایا۔

آپ کے شاگردوں میں آپ کے صاحب زادے مولانا فضل الرحمٰن مولانگری (سابق پرنسپل مدرسہ دار التکمیل) اور دوسرے صاحب زادے حافظ بدرالدجیٰ سلفی بھی ہیں۔

۱۲ اراکتوبر ۱۹۵۵ء کو بعمر ۷۵ سال انتقال کیا۔

عبدالستار

(۱۹۱۹ء-۲۰۰۲ء)

مولانا عبدالستار بن عبدالمجید گزدھر

۶۲/ڈاکٹر ذاکر حسین کالونی، سردار پورہ، جودھپور، راجستھان۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۹ء بمقام جودھپور۔ ۲۰۰۲ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے پردادا یسین گزدھر تحریک اہلحدیث کے بانیوں میں سے تھے جو تحریک شہیدین سے متاثر تھے۔ انہوں نے ۱۲۹۶ھ میں جودھپور میں پہلی اہلحدیث مسجد کی بنیاد رکھی تھی جو آج بھی مسجد جولاہان کے نام سے موسوم ہے اور محلہ سندھیان میں واقع ہے۔ اس خاندان میں بہت پہلے سے ہی علمی ماحول قائم تھا جو آپ کے پاکستان منتقل ہوجانے کے سبب نہیں چل سکا۔

ابتدائی تعلیم وتربیت:

آپ نے نمونۂ سلف حافظ نظام الدین، مولانا عبدالغنی، دادا احمد جی اور والد گرامی عبدالمجید اور امام مسجد تیلیان حافظ سراج الدین سے علمی استفادہ کیا۔ مقامی، صوبائی اور ملکی ہر سطح کے دینی ودعوتی پروگراموں میں شرکت کر کے جماعتی علماء سے قریب رہ کر مزید علم میں اضافہ کرلیا۔

امامت وخطابت:

آپ پتھر کے کھانوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی، ان سے الگ ہوکر مسجد تیلیان میں درس وتدریس کے ساتھ، امامت وخطابت کا کئی سال فریضہ انجام دیا۔ مدرسہ ناگور میں مسجد تیلیان اور مسجد حاجی سلیمان میں بھی تدریس اور خطابت کا کام کیا۔ مسجد اہلحدیث سلیمان کے

تادم واپسیں امام وخطیب ومدرس رہے۔آپ نے ان کاموں کے لیے اجرت کبھی نہ لی۔خالی اوقات میں انڈے اور مرغیاں وغیرہ بیچتے اور سائیکل پر ہی گھوم پر اپنا کاروبار کرتے۔

اپنا کام چھوڑ کر ہر سطح پر ہونے والے جماعتی اجلاس میں ضرور شرکت کرتے۔چنانچہ ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نوگڑھ میں بھی شرکت فرمائی تھی۔

آپ ضلعی جمعیت کے نائب صدر اور پھر صوبائی جمعیت راجستھان کے نائب صدر بھی رہے۔دار العلوم اہلحدیث جودھپور کے اولین بانیوں میں سے تھے۔اس کے قیام اور استحکام میں آپ نے ان تھک کوشش کی۔اس کی مالی فراہمی کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کیا،اس مدرسہ کے صدر بھی کافی دنوں تک رہے۔

بڑے متقی وپرہیزگار اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔ضرورت مندوں کے لیے مالی تعاون فراہم کرنا، بے سہارا، یتیموں اور غریبوں کی ضروریات کی تکمیل کرنا آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔آپ کے انتقال کے بعد آج بھی لوگ آپ کو اچھے نام سے یاد کرتے ہیں۔۲۲ جنوری ۲۰۰۲ء کو ۸۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اللہ تعالی آپ کی حسنات کو قبول فرمائے۔

عبد السلام بستوی

(۱۳۲۷ھ۔۱۳۹۴ھ)

شیخ الحدیث مولانا عبد السلام بستوی بن یار علی بن شیخ خدا بخش بن ظہیر احمد

تاریخ پیدائش: ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۴، (تخمیناً) ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) تحصیل نوگڑھ کے ایک موضع ''بشن پور'' میں پیدائش ہوئی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی پر حاصل کی، پھر ریاست نیپال کے ایک موضع ''مشرہ'' میں مولانا شمس الحق سے قرآن مجید ناظرہ مکمل کر کے گھر آئے اور والدین کے ساتھ کلکتہ مٹیا برج چلے

گئے۔ (غالباً آپکے والد مل میں ملازم تھے) اسی درمیان والد گرامی کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ گزر اوقات کے لیے دس سال کی عمر ہی میں آپ نے بھی مل میں ملازمت کرلی۔ دن بھر کام کرتے اور رات میں محلہ والوں سے اردو پڑھتے لکھتے۔ کلکتہ میں ڈیڑھ سال اس طرح گزارنے کے بعد وطن لوٹ آئے اور مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں میاں عبدالرحمٰن نیپالی سے فارسی کی ابتدائی کتب کا درس لیا۔ پھر ریاست نیپال کے ایک موضع پڑریا میں مولانا عبدالمجید سے گلستاں، بوستاں کے علاوہ عربی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۲۱ء میں دہلی پہنچ کر مدرسہ حمیدیہ، پان منڈی صدر بازار میں داخلہ لیا۔ ۶ ماہ کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (۱۹۲۳۔۱۹۴۷) کے ہاتھوں پر بیعت ہوگئے۔ وہاں مولانا مسعود احمد سے از سر نو عربی کی ابتدائی کتب میزان، منشعب، نحومیر، صرف میر، پنج گنج اور شرح مأۃ عامل وغیرہ پڑھی۔ مولانا عبدالمجید سے گلستاں بوستاں، اخلاق محسنی، احسن القواعد وغیرہ پڑھیں، پھر باقاعدہ مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہوکر نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا صدیق سے کافیہ، شرح تہذیب اور باقی دیگر اساتذہ سے (جن کا نام نہیں یاد رہا) شرح وقایہ، نور الایضاح اور اصول الشاشی وغیرہ پڑھیں۔ مولانا اخلاق احمد سے نور الانوار اور مولانا عبدالشکور ولایتی (م۔۱۹۱۱ء) سے ہدایہ اولین، مختصر المعانی، ملاحسن۔ مولانا ظہور الحسن سے شرح جامی اور مولانا زکریا سے قدوری و کنز الدقائق وغیرہ پڑھیں۔ اس طرح پانچ سالوں تک مدرسہ مظاہر العلوم کے دریائے علوم میں خوب خوب غوطے لگائے۔

پھر علوم احادیث کی تحصیل کے لیے دار الحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی شیخ الحدیث دار الحدیث رحمانیہ سے ابوداؤد، بخاری و مسلم۔ مولانا عبدالغفور اعظم گڑھی سے نسائی، شمس بازغہ، ہدیہ سعدیہ۔ مولانا عبدالرحمٰن بہاری سے جلالین، دیوان حماسہ، مقامات حریری، دیوان متنبّی، سبعہ معلقہ۔ مولانا سکندر علی ہزاروی سے صدرا، اقلیدس، شرح عقائد، میبذی اور بیضاوی پڑھی۔

یہاں سے فراغت کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ گئے، لیکن وہاں جی نہ لگنے کی وجہ سے خیر باد کہہ کر طب کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے لکھنو ہی میں "تکمیل الطب" میں داخلہ لیا، پھر مدرسہ فرقانیہ میں داخل ہو کر فلسفہ کی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

اسی اثناء دورۂ حدیث میں پڑھنے کا دوبارہ خیال آیا تو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر مولانا حسین احمد مدنی (۱۲۹۶ھ۔۱۳۷۷ھ) سے بخاری اور ترمذی۔ مولانا غلام رسول خاں سے مسلم۔ مولانا اصغر حسین میاں سے ابو داؤد۔ مولانا مرتضی حسن سے طحاوی، ابن ماجہ۔ مولانا محمد شفیع سے موطا امام مالک۔ مولانا محمد ابراہیم سے نسائی۔ مولانا اعزاز علی سے شمائل ترمذی کی تعلیم حاصل کی۔

یہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی کے مدرسہ میں داخلہ لیکر مولانا سید عبدالحفیظ سے شرح اسباب اور قانونِ شیخ پڑھا۔ دہلی میں رہ کر مولوی فاضل، پنجاب کا امتحان دیا۔ حدیث کی سند اجازہ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی (شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ) مولانا شرف الدین دہلوی (شیخ الحدیث مدرسہ سعیدیہ) مولانا عبید اللہ (شیخ الحدیث مدرسہ زبیدیہ) اور محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (شارح ترمذی) نے دی۔

مدارس جہاں تعلیم حاصل کی:

(۱) مکتب اسلامیہ بشن پور (۲) مکتب اسلامیہ موضع مختشرو ریاست نیپال (۳) اساتذہ کلکتہ (۴) مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا (۵) مدرسہ حمیدیہ دہلی (۶) مدرسہ پڑریا نیپال۔ (۷) مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (۸) مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ (۹) ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۰) تکمیل الطب کالج لکھنؤ (۱۱) مدرسہ فرقانیہ (۱۲) دارالعلوم دیوبند (۱۳) مدرسہ نذیریہ پھاٹک حبش خاں (۱۴) پنجاب یونیورسٹی سے ملا فاضل۔

قابل ذکر اساتذہ:

پرائمری کے اساتذہ میں: (۱) مولانا شمس الحق (۲) میاں عبدالرحمٰن، نیپال

(۳) مولانا عبدالمجید (۴) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (۵) مولانا سعود احمد (۶) مولانا رحمت اللہ (۷) مولانا عبدالرحیم حسن پوری (۸) مولانا عبدالمجید (۹) مولانا محمد صدیق (۱۰) مولانا اخلاق احمد (۱۱) مولانا عبدالشکور (۱۲) مولانا ظہور الحسن (۱۳) مولانا زکریا، کاندھلوی (۱۴) مولانا عبدالغفور، اعظم گڑھی (۱۵) شیخ الحدیث احمد اللہ، پرتاپ گڑھی (۱۶) مولانا عبدالرحمٰن، بہاری (۱۷) مولانا سکندر علی ہزاروی (۱۸) مولانا مرتضی حسن (۱۹) مولانا حسین احمد مدنی (۲۰) مولانا غلام رسول خاں (۲۱) مولانا اصغر حسین میاں (۲۲) مولانا مفتی محمد شفیع (۲۳) مولانا محمد ابراہم (۲۴) مولانا اعزاز علی دیوبندی (۲۵) مولانا سید عبدالحفیظ (۲۶) مولانا شرف الدین (۲۷) مولانا عبید اللہ (۲۸) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری۔

درس وتدریس:

ماہ شوال ۱۳۴۹ء میں مدرسہ دار الحدیث والقرآن (مدرسہ حاجی علی جان، چاندنی چوک) میں تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لیے بیٹھے اور مسلسل ۱۶ سالوں تک ہمہ جہت تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔

دریں اثناء تقسیم ملک کے بعد دہلی پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی۔ مولانا کا کتب خانہ (کتب خانہ مسعودیہ) چاندنی چوک متصل گھنٹہ گھر، کوچہ خان چند کی مسجد حاجی علیجان کے شمالی کمرے میں تھا۔ اس میں مطبوعہ کتب کے علاوہ غیر مطبوعہ کتب کے مسودات (۱) ابن ماجہ کی مطول شرح عربی میں (۲) الصمصام الباری علی عنق جارح البخاری (۳) خیر المتاعہ فی مسائل الرضاعہ (۴) اللعب بالشطرنج (۵) حقوق الزوجین (۶) اسلامی فتاوی کی دوسری جلدیں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں جو ضائع ہو گئیں۔ شرپسندوں نے انہیں نظر آتش کر دیا۔

مراجعت وطن:

ان حالات میں گرتے پڑتے وطن بستی پہنچے تو یہاں کا بھی بابا آدم نرالا نکلا۔ ۲۷ سال

تک دہلی میں قیام کی وجہ سے آبائی مکان پر دوسروں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ اسے آزاد نہ کرا سکے اس لیے مجبوراً مولانا عبدالجلیل رحمانی ششہنیاں کے توسط سے دوسرا مکان خرید کر کے بچوں کو لا بسایا۔ جب ملکی حالات کچھ حد تک سدھر گئے تو دوبارہ دہلی واپس آکر جامع مسجد دہلی کے پاس گلی مچھلی والان کے مدرسہ ریاض العلوم میں دوبارہ تدریسی و تصنیفی سلسلہ سے جڑ گئے۔ اور تادم واپسیں انہیں کاموں میں مصروف عمل رہے۔

قابل ذکر خدمات:

مولانا نے مدرسہ ریاض العلوم کو اسم بامسمیٰ بنا دیا۔ یہاں سے درس و تدریس کے ساتھ دعوت وارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا۔ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔ خطبۂ جمعہ و امامت کا فریضہ انجام دیا۔ مولانا کے اندر تشدد نہیں تھا۔ مسلکی و مذہبی مسائل کو بڑی حکمت اور سوجھ بوجھ سے حل کرتے۔ ریا و نمود سے کوسوں دور تھے۔ دن کو درس تدریس سے جڑے رہتے اور رات کو تصنیف و تالیف میں لگے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر اور شہر سے باہر نکلنے کے لیے وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ نہایت منکسر المزاج اور نیک طبیعت و طینت واقع ہوئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد دعوت و تبلیغ اور صلاح و فلاح کی غرض سے اتنا کثیر اور عام فہم اسلامی لٹریچر کسی مصنف نے نہیں لکھا۔

تصانیف:

(۱) انوار المصابیح ترجمہ مشکوۃ المصابیح (تیرہ جلدیں، مجموعی صفحات: ۳۹۳۳ مطبوع)
(۲) کشف الملہم عمانی مقدمۃ مسلم (اردو صفحات ۵۴۔ مطبوع ۱۳۵۶ھ)
(۳) اسلامی عقائد (اردو صفحات: ۱۲۰ مطبوع ۱۳۶۰ھ)
(۴) ارشاد خیر الوریٰ فی اقامۃ الجمعۃ فی القریٰ (اردو) صفحات ۵۲۔ مطبوع ۱۳۶۰ھ)
(۵) عید قرباں (اردو، صفحات: ۱۶، مطبوع ۱۳۸۰ھ)
(۶) اخلاص نامہ (اردو، صفحات ۳۲ مطبوع)

(۷) اسلامی تعلیم (قاعدہ)۔ اردو، صفحات ۴۸، مطبوع ۱۳۶۵ھ)

(۸) حلال کمائی (اردو، صفحات ۶۴، مطبوع)

(۹) اسلامی وصیت (اردو، صفحات: ۲۸، مطبوع)

(۱۰) اسلامی تعلیم (۱۱ حصے) اردو، مجموعی صفحات ۲۹۲۸، مطبوع)

(۱۱) اسلامی فتاوی (اردو) صفحات: ۶۰۲۷، مطبوع: ۱۳۸۹ھ)

(۱۲) اسلامی وظائف (اردو) صفحات: ۳۰۴، مطبوع ۱۳۶۱ھ)

(۱۳) مصباح المبین ترجمہ بلاغ المبین (اردو)۔ صفحات: ۲۴۰، مطبوع ۱۳۵۹ھ)

(۱۴) اسلامی توحید (اردو) صفحات: ۶۲، مطبوع ۱۳۵۴ھ)

(۱۵) اسلامی خطبات (۳ جلدیں) (۱۶) خواتین جنت

(۱۷) خطبات التوحید (۱۸) اسلامی پردہ

(۱۹) فضائل قرآن (۲۰) کتاب الجمعہ

(۲۱) ایمان مفصل (۲۲) کلمۂ طیبہ کی فضیلت

(۲۳) چہل حدیث (۲۴) مذمت حسد

(۲۵) اسلامی اوراد (۲۶) رسالہ اصول حدیث (۲۷) زبان کی حفاظت

(۲۸) ماہنامہ ''الاسلام'' جو آج بھی پابندی سے جاری ہے۔

نوٹ! مولانا موصوف نے ''انوار المصابیح'' کے مقدمہ میں اپنی سوانح حیات خود رقم کی ہے۔ جس میں تفصیل سے اپنے ابتدائی حالات نیز اپنی تعلیمی و تدریسی خدمات کا ذکر کیا ہے۔

انتقال:

یکم محرم الحرام ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۷۴ء بروز شنبہ صبح صادق کے وقت انتقال کیا نماز جنازہ مولانا عبد الصمد رحمانی رحمہ اللہ نے پڑھائی اور دہلی میں قبرستان پنجابیان شیدی پورا میں مدفون ہوئے۔

عبدالسلام اسلم کانپوری

آپ کا نام ”عبدالسلام“ اور تخلص ”اسلم“ تھا۔ تخلص ہی سے مشہور عام ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبدالمعبود صاحب ایک عالم باعمل تھے۔ آپ کے برادر کبیر مولانا محمد احمد بھی ایک بلند پایہ عالم دین کے ساتھ خطیب ومقرر اور مناظر تھے۔ ایسے ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

ابتدائی تعلیم چھ سال کی عمر میں قلی بازار کانپور کے ایک دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ ۱۲ سال کی عمر میں آگرہ کے ایک مدرسہ میں داخلہ لیا، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اس لئے ایک سال کے بعد وہاں سے دہلی آگئے اور مشہور اہل حدیث ادارہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے تین سال تک مختلف علوم وفنون کے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ لیکن کسی وجہ سے چھوڑ کر مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں داخلہ لیا اور یکم جولائی ۱۹۴۴ء کو سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ کو فن طب حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا تو طبیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا اور تکمیل الطب کا کورس مکمل کر کے ۱۹۵۴ء میں حکمت کی سند حاصل کی۔ واپس آکر کانپور ہی میں مطب کیا۔ آپ چونکہ بڑے بڑے علماء اور حکماء کی صحبت سے مستفید ہو چکے تھے، اس لئے بڑا اچھا تجربہ تھا۔ اللہ نے آپ کو دست شفاعطا کیا تھا، اس لئے مریضوں کی لمبی قطار رہتی تھی۔ کم خرچ اور کم قیمت کے نسخے لکھتے تھے، تاکہ غریبوں پر بوجھ نہ پڑے۔

آپ جہاں ایک اچھے طبیب اور حکیم تھے، وہیں ایک بلند پایہ خطیب اور مقرر بھی تھے۔ دراصل فن تقریر میں مہارت آپ کے والد گرامی کی دین ہے۔ وہ جہاں بھی جلسوں میں جاتے تو آپ کو ساتھ لے جاتے اور اسٹیج پر کچھ نہ کچھ ان سے بھی کہلواتے اور بعد میں خامیوں کی نشان دہی کرتے۔ مولانا خود بھی دوسرے علماء کی تقریریں سن کر اسی کے مطابق تقریر کرنے کی

کوشش کرتے۔ چنانچہ والد کی زیر سرپرستی تقریر وخطابت میں مہارت اور ملکہ حاصل کرلیا۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ ملک کے دور دراز علاقوں میں تقریریں کیں۔ اہم جماعتی اجلاسوں میں شرکت کی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہی جلاس کامیاب مانا جاتا تھا جس میں آپ کا خطاب عام ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو لوگوں کو مولانا سے تاریخ لینے کے بعد اجلاس کی تاریخ متعین کرنی پڑتی تھی۔ اللہ نے آپ کو جو فن دیا اس کا حق ادا کیا اور تاحیات دعوت وتبلیغ اور وعظ وتلقین سے وابستہ رہے۔

آپ نے اہل محلہ کو بھی فیض پہنچایا۔ محلّہ کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ''مدرسہ محمدیہ'' نام کا ایک مکتب قائم کیا اور تاحیات اس کا انتظام وانصرام سنبھالے رہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر کروائی، اس کے تعلیمی معیار کر برقرار رکھا۔

آپ کی شخصیت کا ایک عظیم پہلو آپ کی شاعری ہے۔ ایک عظیم عالم دین، خطیب ومقرر اور طبیب ہونے کے ساتھ آپ ایک اچھے اسلامی شاعر بھی تھے۔ مزید یہ کہ خوش الحان تھے، جس محفل میں آپ کوئی حمد نعت پڑھتے تو سامعین مسحور ہو جاتے اور ایک سماں بندھ جاتا۔

آپ نے دوشادیاں کی تھیں، مگر قرآنی عدل کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ جس کے معترف اہل خانہ بھی تھے اور اہل محلہ بھی۔

۲۸ مارچ ۱۹۸۹ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور کانپور کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔ (ماہنامہ محدث بنارس، جنوری ۱۹۹۰ء)

حکیم عبدالشکور شکراوی

(۱۸۷۶ء-۱۹۶۱ء)

حکیم مولانا عبدالشکور شکراوی بن عبداللہ

موضع: شکراوا، تحصیل ہتھین، ضلع فرید آباد میوات، ہریانہ۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۷۶ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے آباء واجداد کا مجاہدین بالاکوٹ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ان کا شمار علاقہ میوات میں تحریک اہلحدیث چلانے والے مجاہدین میں ہوتا تھا۔آپ کے دادا وزیر خاں میواتی کا تذکرہ شہدائے بالاکوٹ کی فہرست میں ہے۔آپ کے دوسرے دادا جوہر خان نے بھی جنگ آزادی میں اپنے جوہر دکھائے چنانچہ انگریزی حکومت نے بغاوت کے جرم میں انہیں پھانسی کی سزا دی اور تمام جائداد ضبط کرلی۔آپ کے پھوپھا چودھری محمد اسرائیل کا تعلق ولی اللہی سلسلہ سے تھا،انہوں نے ایک دینی مکتب قائم کیا تھا جہاں ان کے خاندان کے علاوہ گاؤں کے بھی بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آپ کی پیدائش اپنے پھوپھا محمد اسماعیل کے گاؤں ''فیروز پور نمک''میں ہوئی۔ابتدائی مکتب کی تعلیم اپنے پھوپھا کے قائم کردہ مدرسہ میں ہوئی۔آپ کے پھوپھا نے اعلی تعلیم کے حصول کے لیے بنگلہ والی مسجد نظام الدین (دہلی) میں بھیج دیا جہاں مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی اور مولانا محمد الیاس کے برادر کبیر مولانا محمد سے ابتدائی اردو فارسی نیز نحو وصرف اورادب وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔مزید اعلی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ عالیہ فتح پوری میں داخلہ لیا اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کی۔دوران تعلیم مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) سے بیعت کرکے ان کے حلقۂ ارادت میں بھی داخل ہوگئے۔

طب اور حکمت کی تعلیم کے حصول کے لیے لکھنؤ گئے اور حکیم عبدالرحمٰن سے حکمت کی کتابیں پڑھیں۔تعلیم سے فراغت کے بعد موضع نیمکا میں ایک صاحب خیر نے رہائش کے لیے جگہ دے دی تو اس گاؤں کو آپ نے اپنا مستقل مسکن بنالیا اور وہیں کے ہوکر رہے۔اس لیے آپ نیمکا کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

دعوت وتبلیغ:

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے قیام کے

بعد ناظم اعلیٰ مولانا امرتسری کے مشورہ سے آپ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے مبلغ مقرر ہوئے تو آپ نے ۱۹۱۷ء تک مستقل سات ماہ تک تمام صوبوں کا دورہ کر کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔

مدرسہ اشاعت القرآن والحدیث:

آپ نے سوکھپوری میں مولانا عبدالجبار کے تعاون سے ۱۹۲۴ء میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کے استاد مولانا عبدالجبار اور مولانا داؤد راز کو بنایا اور حتی المقدور اسکی سرپرستی فرماتے رہے۔

علاقہ میوات اور میو قوم کی صلاح وفلاح کے لیے ''آل انڈیا میو پنچایت'' کی بنیاد رکھی اور اس کی طرف سے پندرہ روزہ اخبار ''آفتاب میوات'' ۱۹۲۸ء میں جاری کیا جو آٹھ سال تک پابندی سے نکلتا رہا۔ اس کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔

الجامعۃ السّلفیہ میوات:

اس جامعہ کا قیام بھی آپ ہی کی کوششوں سے عمل میں آیا اور ۲۲/جون ۱۹۳۲ء کو سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس میں حکیم صاحب عربی طلباء کو طب یونانی کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور بلا کسی طمع ولالچ کے بلا معاوضہ خدمت انجام دیتے تھے۔ از قیام تا وفات اس کے ناظم اعلی رہے۔ آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بے انتہا شوق تھا چنانچہ آپ کے کتب خانہ میں نادر ونایاب کتب کا ذخیرہ موجود تھا جو ۱۹۴۷ء کے فساد کی نذر ہو گیا۔

جمعیت علماء ہند:

آپ نے جمعیت علماء ہند کے قیام میں مولانا امرتسری کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور تاحیات اس کے اساسی رکن رہے۔

''اخبار اہلحدیث'' کے دوبارہ اجراء کے لیے حافظ حمید اللہ دہلوی سے مالی تعاون حاصل کیا

اور بڑی جد وجہد اور ردوکد کے بعد یکم فروری ۱۹۵۱ء سے اس کا دوبارہ اجراء عمل میں آیا۔ آپ اس کے تاوفات مدیر وایڈیٹر رہے۔ آج بھی آپ کے صاحب زادے حکیم اجمل خاں جیسے تیسے بہر حال اسکو زندہ کئے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں نیمکا میں آپ کے گھر وکتب خانہ کو نذر آتش کر دیا گیا تو آپ وہاں سے ہجرت کر کے دار العلوم شکراوا میں اقامت گزیں ہوگئے۔ وہیں سے اخبار اہلحدیث کے لیے مضامین لکھتے رہے۔ یہیں رہ کر آپ نے تذکرہ ثنائیہ کو قلم بند کیا۔ اس سے فارغ ہو کر تذکرہ نذیریہ کی تسوید میں مصروف تھے کہ اوائل ستمبر میں فالج کا حملہ ہوا جس سے آپ کی صحت زیادہ متاثر ہوگئی۔ پھر اواخر دسمبر میں دوسرا حملہ ہوا جس نے آپ کو صاحب فراش کر دیا۔ بالآخر چھ ماہ تک بیمار رہ کر ۱۸/اپریل ۱۹۶۱ء مطابق ۲/ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز سہ شنبہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

تصانیف وتالیفات:

(۱) تاریخ میوات (۲) حالات میوان

(۳) احسن البیان فی تنقید الفرق والادیان (۴) عزت کی زندگی

(۵) دہلی میں امام کاذب کاظہور (مولانا عبدالوہاب صدری کے رد میں)

(۶) تاریخ میو چھتری (۷) تدوین حدیث

(۸) کتاب التبلیغ (۹) کتابت حدیث

(۱۰) تردید آریہ سماج

(۱۱) براہین الہدیٰ فی وجوب الجمعۃ علی اہل القریٰ

(۱۲) تاریخ حقائق قدیم (۱۳) تذکرہ ثنائیہ

(۱۴) سرگزشت مجاہدین میوات (کتابچہ) (۱۵) کتاب ''دو اسلام'' کا جواب

(۱۶) مقام حدیث اور قرآن

نوٹ: نمبر۱۴،۱۲ اور ۱۵ کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں چھپ چکی ہیں۔

حکیم صاحب نے اپنے پیچھے اولاد کثیر چھوڑی۔ دو صاحب زادے پاکستان ہجرت کر گئے۔ ایک صاجبزادے حکیم اجمل خاں ''مجلّہ اہلحدیث'' کے ایڈیٹر ہیں اور مکمل طور پر آپ کے وارث وامین ہیں۔ چھوٹے صاحب زادے طبابت سے وابستہ ہیں۔

عبد الصمد رحمانی

(۱۹۲۹ء تا ۱۹۷۶ء)

مولانا عبد الصمد رحمانی بن شیخ عبد الغفور

ساکن: جیا، پوسٹ: کٹرہ، ضلع مظفر پور، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۹ء (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اسلامیہ میں مولانا نور محمد سے حاصل کی۔ پھر عربی وفارسی کی ابتدائی درجات کی کتب مولانا محمد اسحاق سے پڑھیں۔ حافظ محمد حنیف سے قرآن مجید کا ابتدائی ایک ثلث حفظ کیا، لیکن معاشی تنگی کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ چھوڑ کر تلاش معاش میں لگ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنے استاد مولانا نور محمد کے مشورہ سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے شعبان ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا عبید اللہ عزیز (پیغمبر پوری، دربھنگہ) مولانا عبد الوحید سلفی رحمانی (شیخ الجامعہ) قاری احمد سعید بنارسی وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

فراغت کے کچھ ہی عرصہ بعد مولانا نذیر احمد املوی کے مشورہ سے دہلی عازم سفر ہوئے اور مدرسہ سبل السلام (پھاٹک حبش خاں) سے تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا عبدالسلام بستوی نے آپ کے لیے سفارش کی۔ آپ مدرسہ سبل السلام کے معلم، مسجد میاں صاحب کے امام اور مسجد محتسب کے خطیب تھے۔ اور تاحیات ان تینوں ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔

ایک مرتبہ الحاج محمد صدیق صاحب متولی مسجد محتسب سے کسی بات پر ناراض ہوکر خطابت سے اپنے آپ کو الگ کرلیا اور مسجد اہل حدیث (عقب جی بی روڈ) میں خطبۂ جمعہ دینے لگے تو پھاٹک کے لوگ بھی وہاں پہنچنے لگے۔ پھر مجبور ہوکر متولی نے معافی مانگی اور آپ واپس آئے۔

قابل ذکر تلامذہ:

۲۲ سالہ تدریسی دور میں شاگردوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ پھر بھی چند ارشد تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں جو آپ سے استفادہ کر کے ملک وبیرون ملک دینی ودعوتی کاموں میں مصروف ہیں۔

مولانا مطیع الرحمٰن الحمیدی، مولانا عبدالوہاب خلجی، شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، حافظ ذکاء اللہ مدنی بہار، مولانا حفظ الرحمٰن بھوج پور یوپی، مولانا عبدالمنان شکراوی، مولانا عبدالجبار اندوری، مولانا محمد یونس بلرام پوری وغیرہم۔

صحافتی خدمات:

آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ساتھ علمی، دینی واصلاحی مضامین بھی لکھے جو اس دور کے جماعتی جرائد ومجلات میں شائع ہوئے۔ آپ نے طلاق ثلاثہ کے

موضوع پر ایک مقالہ لکھا تھا جو بخاری شریف اردو مترجم (مولانا داود راز) کے پارہ نمبر۱۲ میں شامل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک فتویٰ پر تعاقب کیا جو اخبار اہل حدیث میں ۳۸ قسطوں میں شائع ہوا۔ ضرورت ہے کہ علامہ کے ان مضامین کو یکجا کر کے کتاب کی شکل دی جائے۔ آپ کے یہ مقالے اور مضامین افادیت سے بھرپور ہیں اور اہم جماعتی سرمایہ ہیں۔

تبلیغی خدمات:

آپ خطابت کے لاثانی شہسوار تھے۔ اسی ہی کے ذریعہ آپ ممبئ، دہلی، علی گڈھ، کانپور، بنارس وغیرہ پورے ملک میں جانے جاتے تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کو خطابت سے دلچسپی تھی چنانچہ اکثر پارک والی مسجد میں خطبۂ جمعہ دیا کرتے تھے۔ مسجد محتسب میں خطبہ دینا شروع کیا تو مسجد اپنی کشادگی کے باوجود اس کا دامن تنگ ہوگیا۔ اپنے خطابت کی وجہ سے آپ دہلی میں جماعت کی پہچان اور فتاویٰ میں مرجع خلائق تھے۔ مسجد محتسب میں درس قرآن جاری رکھا اور دوران قیام دہلی ۲ مرتبہ قرآن مجید کا درس مکمل کیا۔ آپ کے مواعظ حسنہ، خطبات اور پراثر تقاریر سے ہر خاص وعام مستفید ہوتا تھا۔ آپ نے حلقۂ خواتین میں بھی غیر معمولی کام کیا۔ آپ کی ذات دلی والوں کے لیے شمشیر برہنہ تھی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آپ کی زبان تیر و نشتر کا کام کرتی تھی۔

بڑے ہی باحمیت اور باغیرت تھے۔ دلی کی ۲۲ سالہ زندگی میں آپ نے وہ دینی، دعوتی، اصلاحی، تدریسی، تعلیمی، تصنیفی وتالیفی خدمات انجام دیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

عہدے ومناصب:

آپ اپنے دور میں صوبائی جمعیت اہل حدیث دلی کے امیر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم تبلیغ اور رویت ہلال کمیٹی دہلی کے ممبر رہے۔

وفات:

آپ بالکل تندرست تھے کہ گھر ہی پر اچانک فالج کا حملہ ہوا۔ آپ کو فوراً تیرتھ رام

ہاسپٹل پہنچایا گیا، وہاں کے ڈاکٹروں نے حالت نازک دیکھ کر ارون (موجودہ لوک نائک جے پرکاش نارائن ہسپتال) ریفر کردیا۔ ہسپتال ہی میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد ۱۳/جون ۱۹۷۶ء، ڈھائی بجے دن میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

دوسرے دن مولانا داؤد راز نے نماز جنازہ پڑھائی اور شیدی پورا کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

عبدالظاہر سلفی

(۱۹۲۴ء-۱۹۹۵ء)

مولانا عبدالظاہر بن ولی اللہ بن حافظ عبداللہ

مقام: گواپوکھر کھنڈ، بھوارا، مدھوبنی

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ تخمینا

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم اپنے دادا حافظ عبداللہ سے حاصل کی۔ دادا حافظ قرآن اور فارسی کے اچھے عالم تھے۔ اپنے دادا سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں جماعت اولیٰ میں داخلہ لیا اور عربی کا آٹھ سالہ کورس مکمل کرکے ۱۱/شعبان ۱۳۵۶ء مطابق ۱۹۴۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق آروی نے سند اجازہ عطا کی۔

آپ کے ساتھ ۷ طلباء نے فراغت حاصل کی تھی۔ مولانا صدر الحق در بھنگوی، مولانا عبدالعلی آروی، مولانا محمد حکیم در بھنگوی، مولانا احسان اللہ بھاگل پوری، مولانا ارمان علی بیر بھومی، مولانا بہادر علی بیر بھومی، مولانا ابوالحیات کواری در بھنگوی۔

خدمات:

فراغت کے بعد اپنے دادا کے قائم کردہ مکتب بنام "اشاعت الاسلام" میں درس وتدریس

کا سلسلہ شروع کیا۔ دوران تعلیم مولوی عالم فاضل کا امتحان بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے پاس کیا۔ اور اسی ڈگری کی بنیاد پر واٹسن ہائی اسکول مدھوبنی میں ۳ سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ باقی اوقات میں گھر پر مدرسہ اشاعت الاسلام میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے تھے۔ پھر جب ۱۹۳۵ء میں مدرسہ اسلامیہ بھوارا کی بنیاد پڑی تو آپ نے وہاں تعلیم دینی شروع کی۔ درمیان میں مدرسہ اسلامیہ کے پرنسپل بنادیئے گئے اور ۱۹۹۰ء میں اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی آپ تاحیات تعلیم دیتے رہے۔

درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ علاقہ میں دعوت وتبلیغ کرتے تھے۔ بہت سی بستیاں آپ کی تنہا کوششوں سے شرک وبدعات سے تائب ہوئیں۔ گواپوکھر کے لوگوں نے مسلک کتاب وسنت کی تبلیغ کے جرم میں آپ کے گھر والوں کا بائیکاٹ کیا، سلام کلام، شادی بیاہ، لین دین بند کردیا۔ لیکن پھر بھی ساری مصائب ومشکلات کو جھیلا اور جماعت اہل حدیث کی گواپوکھر میں بنیاد ڈالی۔ آپ کے دعوت دینے کا انداز بڑا پیارا اور نرالا تھا۔ نہایت سادہ زندگی بسر گزارتے تھے۔ سبھی چھوٹے بڑوں سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ اس علاقہ میں آپ کی دعوت وتبلیغ کا ہی آج یہ ثمرہ ہے کہ ہر جا ومکان مسلک کتاب وسنت کے شیدائی نظر آرہے ہیں۔

مولانا عبدالرزاق محمدی بھواروی کی کتاب 'منہاج التقی لوجوب قرأۃ المقتدی' اور 'مصباح المتقی ردِ اسکاتِ المقتدی' پر آپ نے دوران تدریس مدرسہ اسلامیہ تقریظ لکھی ہے۔ مولانا خطبۂ جمعہ، عیدین کی امامت وخطابت برابر کرتے رہے۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث کے امیر بھی رہے ہیں۔

حلقہ ''بائسی'':

پہلے کے بزرگوں نے علاقوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کرکے الگ الگ نام دے رکھا تھا۔ اسی میں ایک حلقہ ''بائسی'' کہلاتا تھا جو ۲۲ گاؤں پر مشتمل تھا۔ اس کا صدر مقام اندھرا ٹھاڑی تھا۔ مولانا نے اس مرکزی مقام میں اہل حدیث مرکز قائم کرکے دعوت وتبلیغ کا

سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے چچیرے دادا حافظ عبدالغفار نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ بعد میں سبھی لوگ اہل حدیث ہوگئے اور شادی بیاہ کرنے لگے۔ علاقہ کے ہندو بھی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

وفات:

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد ۱۴ راگست 1995ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

عبدالعزیز رحمانی

(۱۹۰۷-۱۹۸۰ء)

مولانا عبدالعزیز بن عبدالقادر

تاریخ پیدائش: ۸ر نومبر ۱۹۰۷ء۔ آپ صوبہ آندھرا پردیش کے صدر مقام کرنول میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی تقویٰ شعار، دیندار تھے، چمڑے کے اچھے تاجر تھے اور بڑے متمول تھے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم مدرسہ شمسیہ کرنول میں حاصل کی۔ مگر حفظ قرآن مجید اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنیاد پر اپنے گھر پر کیا۔ پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ۱۹۳۵ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے وقت اپنے شیوخ کے ہاتھوں نہ صرف آپ کی دستار بندی ہوئی۔ بلکہ اونٹ کے اون کی ایک قیمتی خلعت بھی دی گئی جو آپ کے امتیاز پر دلالت کرتی تھی۔ اس خلعت کو موصوف عیدین اور جماعت کے اہم پروگراموں میں شرکت کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔

اجازت حدیث شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری سے حاصل کی۔ غالباً یہ اسی کا اثر تھا کہ سلسلۂ حدیث کی خدمت کے لیے ۱۹۲۴ء میں کرنول میں ''دارالحدیث عزیزیہ'' کو قائم کیا۔

اساتذہ میں مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری وغیرہم۔

آپ کے ہم عصروں میں مولانا عبدالرزاق رحمانی (سمرا) مولانا محمد یوسف رحمانی میسوری اور مولانا صدیق حسن خاں رحمانی وشاکھاپٹنم وغیرہ ہیں۔

دعوت وتبلیغ:

فراغت کے بعد مسجد اہل حدیث چار مینار کو دعوت وتبلیغ واشاعت دین کا مرکز بنایا اور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۰ء تک اس مسجد کے ممبر ومحراب سے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دی۔ اسی درمیان مولانا سید محمد اسماعیل رائے درگی کی خواہش پر آپ نے قلیل مدت تک کے لیے جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں بھی تعلیم دی۔

پھر واپس وطن آکر مسجد قمر کو مرکز بنایا اور وہیں سے اپنی تحریری وتقریری کاوشوں کا آغاز کیا۔ اور یہیں سے ایک رسالہ ''العزیز'' کا اجراء بھی کیا۔ چونکہ آپ ایک اچھے کاتب تھے اس لیے پرچہ کی ترقیب، تدوین وتزئین سب کچھ آپ خود اپنے ہاتھوں ہی کرتے تھے۔ آپ ہی کے دور صدارت میں ۱۹۷۹ء میں پرانی حویلی حیدرآباد میں ایک سہ روزہ دینی وتبلیغی اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس تاریخی اجلاس کو لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

آپ کے علمی کارناموں میں (۱) پندرہ روزہ العزیز (۲) حیات مسیح ابن مریم (۳) صحیح اسلام بجواب دو اسلام (۴) کتاب التوحید (۵) الاعجاز (۶) دلہن کنیز ہے یا بیوی (ایک چھوٹا سا اصلاحی رسالہ (۷) مطرق الحدید علی رد تقلید خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

تقریر وتحریر:

تقریر وتحریر کے مولانا دھنی تھے۔ یہ دولت انہیں اپنے اساتذہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ اسی طرح تحریر بھی سادگی کا ایک نمونہ تھی۔ رسالہ ''العزیز'' اس

کی مثال ہے جو آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ پرچہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عامر عثمانی مرحوم اور مولانا کے درمیان مسائل میں روز ٹھنی رہتی تھی۔ جو کچھ عامر عثمانی مرحوم لکھتے مولانا اس کا ترکی بہ ترکی جواب ضرور دیتے۔

مناظرہ:

مولانا مرحوم ایک حاضر دماغ، ذی علم اور سنجیدہ مناظر تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جامعہ رحمانیہ سے فراغت کے بعد مدراس، حیدرآباد وغیرہ میں آپ نے مناظرے کئے اور اپنی فتح کے نشان گاڑ دیئے۔ آپ عموماً مسئلہ قادیانیت، تصوف، تقلید جامد، وحدۃ الوجود، ردشرک واثبات توحید پر مناظرہ کرتے تھے۔ یہ آپ ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ آگے چل کر ولی الدین احمد نے قادیانیت سے توبہ کرلی اور بعد کی پوری عمر ردقادیانیت میں گزاری۔

وفات:

۱۷رنومبر ۱۹۸۰ء بروز سوموار ۳ ربجے دن مسجد قباء میں وفات پائی۔ آپ کو بلڈ پریشر اور ذیابطیس کا مرض تھا۔ انتقال والے دن بعد نماز مغرب ''شہادت حسین'' کے عنوان پر خطاب عام بھی تھا۔

آپ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ آپ کے شاگرد قاضی ماجد الرحیم نے پڑھائی اور ۱۸رنومبر کو بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔

عبدالعظیم

مولانا عبدالعظیم (اکرہرا)

(۱۹۰۰ء-۱۹۷۷ء)

مقام اکرہرا، پوسٹ: ڈھبروا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۰ء (تخمیناً)

آپ اٹوا کے پاس ایک گاؤں پپری میں پیدا ہوئے۔ پھر ننہال موضع اکرہرا آگئے اور یہیں کے ہو رہے۔ علاقہ کے مدارس میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ دار الکتاب والسنہ صدر بازار دہلی میں داخلہ لیا اور تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالوہاب صدری نے سند عطا فرمائی۔ فراغت کے بعد آپ کے ساتھی مولانا جونا گڑھی نے ایک ساتھ رہ کر دعوت و تبلیغ کا پروگرام بنایا، لیکن آپ وطن مالوف لوٹ آئے۔ گاؤں میں اپنے خاندان نیز گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم و تربیت دینے لگے۔ مطالعہ کے بڑے عاشق تھے۔ علامہ ابن القیم اور علامہ ابن تیمیہ کی کتابیں ہمیشہ مطالعہ میں رکھتے۔

محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، الحاج نعمت اللہ مؤسس جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، مولانا عبدالغفور بسکوہری وغیرہم اپنے دعوتی دوروں میں آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ بڑے نیک، متقی اور پرہیزگار تھے۔

آپ نے چار نرینہ اولاد چھوڑی اور الحمدللہ چاروں عالم دین۔ مولانا عبدالودود، مولانا عبدالصبور رحمانی، مولانا عبدالنور ندوی اور مولانا عبدالعلیم مدنی۔ اول الذکر تینوں تو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آخر الذکر لمبے عرصہ سے سعودی عرب میں اہل خانہ کے ساتھ آباد و شاداب ہیں۔

آپ کا انتقال ۲۹، نومبر ۱۹۷۷ء کو ہوا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

عبدالغفار سلفی

(۱۹۲۸ء تا ۱۹۷۷ء)

مولانا حافظ عبدالغفار سلفی بن مولانا عبدالستار دہلویؒ

ساکن: مدرسہ دار الکتاب والسنہ، صدر بازار، دہلی ۶

تعلیم و تربیت:

از ابتداء تا انتہاء جملہ علوم وفنون کی تحصیل والد گرامی کے زیر نگرانی دار الکتاب والسنہ میں

کی۔ قرآن مجید ناظرہ نیز حفظ کی تکمیل میاں جی نذیر احمد کی نگرانی میں کی۔ حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے بعد صرف ونحو، عربی وفارسی نیز حدیث وتفسیر کی جملہ تعلیم کی تکمیل کر کے ۲۲ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ:

آپ کے والد گرامی مولانا عبدالستار دہلوی، مولانا عبدالجلیل سامرودی، مولانا ظل الرحمٰن، مولانا فضل الٰہی، مولانا محمد اسماعیل ٹونکی اور میانجی نذیر احمد قابل ذکر ہیں۔

تدریسی و تعلیمی مراحل:

فراغت کے بعد آپ کو محمدی مسجد اہل حدیث میں پنج وقتہ نماز کا امام وخطیب بنادیا گیا اور ساتھ ہی جماعت غرباء اہل حدیث کے جنرل سکریٹری کی اہم ذمہ داری بھی تفویض کی گئی۔

آپ خوش الحان واعظ اور خطیب تھے۔ قیام پاکستان کے بعد والد گرامی مولانا عبدالستار دہلوی کے ساتھ ہجرت کر کے کراچی چلے گئے اور والد گرامی کے نگرانی میں درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ مولانا عبدالستار کے ۱۹۹۶ء میں انتقال کر جانے کے بعد آپ جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔

آپ مسلک اہل حدیث میں بڑے پختہ، بڑے ہی وسیع النظر اور وسیع القلب تھے۔ خالص دینی ذہن اور فکر رکھنے والے صاحب فضل وکمال عالم دین تھے۔ تحریک ختم نبوت میں بھی پیش پیش رہے اور اپنا فرض احسن طریقہ سے ادا کیا۔

مولانا نے اپنی زندگی کے آخری ایام بستر علالت پر گزارے اور مسلسل ۱۳ ماہ کا طویل عرصہ بخار میں مبتلا رہے۔ بالآخر ۶ اور ۷ ذی قعدہ (مطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۷۷ء) کی درمیانی شب انتقال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن بعد نماز جمعہ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرحمٰن سلفی نے نماز جنازہ پڑھائی اور یوسف پورا قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

عبدالغفور بسکوہری

(۱۹۰۵ء-۱۹۷۹ء)

مولانا عبدالغفور خاں بن جعفر خاں (پٹھان ایرانی النسل)

ساکن: بسکوہر، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۵ء (تخمینا)

قصبہ بسکوہر کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کی سرزمین کو جلیل القدر اور عظیم المرتبت علمائے اہل حدیث نے مرکز رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ بنایا۔ مولانا اظہر مسلم بہاریؒ نے خود اس قصبہ کا دورہ کیا اور اپنا جانشین اللہ بخش بسکوہری کو مقرر کیا۔ جنہوں نے یہاں سے رسوم و بدعات، تعزیہ داری، قبر پرستی، نذر و نیاز اور فاتحہ خوانی کی رسموں کا قلعہ قمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اسی سرزمین سے مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا ذکر اللہ ندوی، مولانا عبداللہ بسکوہری، مولانا محمد حنیف ہاتف، مولانا جیش اللہ، مولانا عبدالشکور دور صدیقی، (تینوں بیت نار) مولانا خدا بخش بسکوہری، مولانا حکیم محمد اسحاق (چیوٹہوا) نے کتاب و سنت کا علم لہرایا اور تعزیہ داری و قبر پرستی کو مدفون کر دیا۔ خاص کر مولانا اللہ بخش اور خدا بخش کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا مقصود علی خاں شاہ جہاں پوری سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء و فضلاء سے اکتساب علم کیا۔ ادب و دیگر علوم مولانا اعجاز علی اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی سے پڑھا اور حدیث کی تعلیم مولانا انور شاہ کشمیری سے حاصل کی اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دوران تعلیم الہ آباد بورڈ سے فاضل کا امتحان بھی دیا۔

تدریس و تعلیم:

فراغت کے بعد بلرام پور ڈگری کالج سے تدریس کی ابتداء کی۔ لیکن وہاں کی فضا راس نہ آئی اور مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے مختلف ادوار میں مدرسہ فیض عام مئو، مدرسہ بحر العلوم انتری بازار، مدرسہ اسلامیہ بسکوہر بازار، مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر، مدرسہ رحمانیہ کلکتہ، دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، دار الحدیث رحمانیہ دہلی وغیرہ میں مسند درس وتدریس سے ہزارہا طالبان علوم کو فیض پہنچایا۔ آخری منزل مدرسہ جامعہ اعظم (پنجابی پھاٹک، بلیماران دہلی) تھا، یہاں سے مستعفی ہونے کے بعد ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوگئے۔

آپ ایک منجھے ہوئے باصلاحیت اور بارعب وجلال معلم ومدرس تھے، آپ کو استاذ الاساتذہ کا مقام حاصل تھا۔ عربی زبان گویا آپ کی مادری زبان تھی۔ جب آمد کی کیفیت طاری ہوتی تو سیکڑوں مصرعے فی البدیہہ کہہ ڈالتے تھے۔ آپ کے اردو، فارسی اور عربی اشعار سے اس دور کے جماعتی مجلّات بھرے پڑے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں شاہ سعود کی آمد پر عربی میں جو استقبالیہ قصیدہ پیش کیا تھا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نوگڑھ کا افتتاح بھی آپ کے عربی قصیدہ سے ہوا تھا اس سے آپ کی عربی علم ادب میں دسترس اور فقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

انہیں اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہوجائے (کاش آپ کے وارثین اس طرف توجہ دیتے)

دعوت وارشاد:

تدریس سے الگ ہوکر آپ نے دعوت وتبلیغ اور خطابت کی طرف توجہ دی، تو آپ ہر اجلاس میں مسند صدارت پر نظر آئے۔ گویا کہ مسند صدارت اور آپ کی ذات لازم ملزوم تھی۔

گونڈہ وبستی کے ہر اجلاس عام میں آپ نے شرکت کی اور اسکی صدارت فرمائی۔ آپ

بیک وقت ایک مدرس بھی تھے اور مربی بھی۔ منتظم بھی تھے اور داعی بھی۔ آپ ان چند گنے چنے لوگوں میں سے ہیں جن پر بجا طور افراد جماعت کو فخر ہے۔

آپ کے ارشد تلامذہ میں مولانا اقبال حسین (ریواں) مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالقیوم دودھونیاں، مولانا عبدالخالق کھنڈیلوی (حال کراچی) مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (پاکستان)، مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار، مولانا عبدالمبین منظر، حکیم مقبول اور حکیم جمیل وغیرھم۔

۱۴ رمئی ۱۹۷۶ء کو انتقال کیا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ پس ماندگان میں ۳ بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ ان میں مولانا ذکر اللہ خاں ندوی آپ کے خلف رشید ہوئے۔

عبدالقیوم رحمانی

(۱۹۲۰ء۔۲۰۰۸ء)

ہمہ جہت شخصیت:

مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی شخصیت بے نظیر، بے مثل اور بے بدل تھی۔ آپ ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے ماہر، میدان دعوت وتبلیغ کے مرد، کہنہ مشق خطیب، حریت وطن کے مجاہد، ماہر سیاست داں، عوام کے نباض، حالات کے اتار چڑھاؤ پر گہری نظر رکھنے والے، مدارس ومساجد کے فاؤنڈر، مصلح ملت اور عالم باعمل شخصیت تھے۔

عبدالقیوم بن زین اللہ بن سلیمان بن امانت بن خدا بخش.........۱۹۲۰ء (تخمیناً) میں موضع دودھونیاں بزرگ، ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) یوپی میں پیدا ہوئے۔

خاندانی ماحول:

آپ کے اجداد کا اصلی وطن موضع سلیم پور مجھولی، ضلع دیوریا تھا۔ مل سنگھ نامی ٹھاکر کے

چشم وچراغ تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد اسلام لائے۔ پہلے اسلام لانے والے شخص کا تعین نہ ہوسکا۔ سلیم پور سے ترک مکانی کر کے اٹوا بازار کے پاس ایک موضع ''بڑی کرہی'' آئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کے جد اعلیٰ خدا بخش دودھونیاں آ گئے۔

علمی ماحول:

مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی، قاری عبدالحق (بانسی)، مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا عباداللہ اور مولانا اظہر مسلم بہاری رحمہم اللہ وغیرھم کی کوششوں سے علاقہ میں اسلامی رجحان تھا اور مسلمانوں میں کچھ دینی جذبہ تھا۔ لیکن تعلیمی ماحول نہ کے برابر تھا۔ علاقہ میں نہ کوئی بڑا دینی مدرسہ تھا، نہ سرکاری اسکول۔ صرف سیورا اور ڈھکہری میں پرائمری اسکول تھا۔ اطراف میں چالیس کلومیٹر کی دوری پر بانسی میں ہائی اسکول تھا۔ اس وقت نوگڑھ شہر کا ڈگری کالج بھی نہ تھا۔ چنانچہ علم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے سیاست میں بھی لوگ پیچھے تھے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم سیورا کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ دادا کے سگے بھائی ڈی ظہور محمد سے ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں۔ پھر جھنڈانگر میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی و عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا جھنڈانگری سے ابتدائی فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۳ء میں مدرسہ فیض عام میں عربی اول میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالرحمٰن مئوی نحوی سے نحومیر، میزان منشعب، اور فارسی وعربی کی دیگر کتابیں پڑھیں۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ:

۱۹۳۴ء میں حکیم مولانا محمد اسحٰق رحمانی (چیوٹہوا) کے توسط سے دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ حکیم صاحب ان دنوں رحمانیہ میں ساتویں جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ وہاں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ سے بلوغ المرام، مولانا نذیر احمد املوی

سے نور الانوار، مولانا عبد الغفور بسکوہری سے مشکوۃ المصابیح کی دونوں جلدیں اور ادب کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ایک پنجابی مولانا جو حنفی المسلک تھے ان سے دیوان متنبّی، مقامات حریری، دیوان حماسہ اور کتاب المراثی پڑھی۔

سند فراغت:

چنانچہ آپ نے دہلی ہی میں رہ کر مدرسہ زبیدیہ میں شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاپ گڑھی اور مدرسہ سعیدیہ میں مولانا شرف الدین دہلوی سے پڑھ کر علوم الحدیث کی تکمیل کی، نیز پنجاب بورڈ سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

سیاست:

بقول مولانا عبد الصبور رحمانی (اکرہرا) دہلی آکر وہاں کے حالات سے متاثر ہوکر مولانا سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں سیاسی جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ مولانا آزاد سے بہت متاثر تھے۔مولانا نے اپنی ڈائری میں سیاسی اسفار کے بارے میں بھی لکھ رکھا ہے۔ جیسے لکھنؤ ۱۶ر فروری ۱۹۴۷ء۔ سفر نینی تال ۱۳ر تا ۲۰ جون ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۲ء میں گاندھی جی کی تحریک ''کرو یا مرو'' میں بھرپور حصہ لیا تو ۲۲ر اگست ۱۹۴۲ء کو گاؤں ہی سے گرفتار کرکے بستی جیل، پھر گورکھپور جیل بھیج دئے گئے۔ پھر وہاں سے نینی تال الہ آباد بھیج دیئے گئے۔ ان دنوں سندر لال، فیروز گاندھی، لال بہادر شاستری، کملا پتی ترپاٹھی، بلبھ بھائی پٹیل، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ نینی ہی کی جیل میں بند تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی سوانح حیات ''نقش حیات'' میں بھی مولانا کا ذکر کیا ہے۔ ۲۲ر مئی ۱۹۴۳ء کو آپ نینی کے جیل سے رہا ہوئے۔

۱۹۴۷ میں پنڈت جواہر لال نہرو کی کوشش سے ایشیائی کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا نے اسمیں شرکت کی۔ جواہر لال نہرو کے کہنے پر آپ نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ جنگ آزادی میں آپ کے ساتھی شیتل پرساد ترپاٹھی (ممبر آف پولٹ بیورو بھارتی کمیونسٹ پارٹی

صوبائی رینج) بھی تھے۔آپ کی ڈائری میں بڑی بڑی شخصیتوں کے آٹوگراف بھی موجود ہیں۔آزادی وطن کے بعد آپ صوبائی کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

۱۹۶۷ء میں شہرت گڑھ ودھان سبھا علاقہ سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے الکشن لڑے، لیکن بد قسمی سے شکست سے دوچار ہوئے۔آپ کا چناؤ نشان ہاتھی تھا۔پھر یہیں سے سرگرم سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

۱۹۴۷ء کے بعد بڑھنی بازار کی شوگر فیکٹری کے مالکان نے علاقہ میں بدامنی پیدا کی تو آپ نے کامریڈ کرشن چندر شاستری کے تعاون سے مل کو وہاں سے ہٹانے کے لئے لکھنؤ جاکر وزیر اعلیٰ بلبھ پنت سے آرڈر کروایا۔چنانچہ فیکٹری میرٹھ میں موانہ کے مقام پر لگائی گئی۔آپ ہمیشہ سے گاؤں کے پردھان منتخب ہوتے رہے۔

سیاسی تعلقات:

آپ کا سیاسی تعلق، مولانا حسین احمد مدنی، پنڈت جواہر لال نہرو، لال بہادر شاشتری، پنڈت بلبھ پنت،، خان عبدالغفار خاں سرحدی، پنڈت سمپورتا نانند، پنڈت کملاپتی ترپاٹھی ،اندرا گاندھی، قاضی عدیل عباسی، قاضی جلیل عباسی، رفیع احمد قدوائی، کیشو دیو مالیہ اور چرن سنگھ وغیرہ سے تھا۔کیشو دیو مالویہ کی لڑکی کا ممبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے۔آپ جب ممبئی جاتے تو وہ ضرور آپ کو بلاتی اور گھر لے جاتی تھی۔مولانا آزاد کے سکریٹری اجمل سے بھی اچھے تعلقات تھے۔وہ چکڑالویت کی طرف مائل تھے، چنانچہ آپ نے انھیں بہت نصیحت کی۔قاضی عدیل عباسی اور آپ تو ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔

آزادی کے جشن سیمیں کے موقع پر شریمتی اندرا گاندھی کی طرف سے بابو جگجیون رام نے گورکھپور کے پاس چوری چورا کے مقام پر مجاہدین آزادی کو ایوارڈ تقسیم کیا تھا، جس پر ہر مجاہد آزادی کا نام لکھا تھا، آپ کو بھی ملا تھا۔ضلع کلکٹر سدھارتھ نگر آپ کو ''سدھارتھ بھوم گرو'' کی شیلڈ بھی دے چکا ہے۔جنگ آزادی کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے

مولانا محترم کو ۲۰۰ بیگہ زمین عنایت کی تھی جو آج بھی مولانا کے وارثین کے قبضے میں ہے۔

درس وتدریس:

مولانا کی کوششوں سے ۱۹۴۴ء میں درس گاہ اسلامیہ اکرہرا میں عربی درجات کی تاسیس عمل میں آئی تو آپ نے سال بھر تک مفت تعلیم دی، پھر مدرسہ گاؤں والوں کے حوالے کر کے چلے آئے۔ اسی طرح جب آپ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر کی منتظمہ کمیٹی کے صدر تھے، تو مختلف جماعتوں کے طلباء کو درس بھی دیتے تھے۔ یہ خدمت بھی بلا معاوضہ انجام دی۔

خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کو شرپسندوں نے بالجبر نظامت سے بے دخل کردیا۔ اس دوران مدرسہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا، تو مفسر قرآن نے کوشش کر کے دوبارہ آپ کو بحال کرایا۔ اس کام میں مولانا عبدالصبور رحمانی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ چند عصری ودینی تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے بڑھنی بازار سدھارتھ نگر میں ایک ہائی اسکول کی بنیاد رکھی جو اب انٹر کالج بن چکا ہے۔ موضع مہدیا ضلع سدھارتھ نگر میں ''مسلم ہائر سیکنڈری اسکول'' قائم کیا، وہ اب ایک تسلیم شدہ کامیاب ادارہ ہے۔

ماہنامہ شاہراہ اسلام:

جنوری ۱۹۹۴ء میں آپ کی سرپرستی میں ایک مجلّہ بنام ''شاہراہ اسلام'' کا اجراء عمل میں آیا جس کا صرف ایک شمارہ ہی منظر عام پر آسکا۔ اور اپنے پہلے شمارہ کی اشاعت کے بعد ہی بند ہوگیا۔ اس کے صفحات مع سرورق ۵۲ تھے اور عبدالصبور ندوی مدیر اعلیٰ تھے۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں مختلف مضامین لکھے جو اس زمانہ میں ماہنامہ محدث دہلی وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔

بقول مولانا (۱) خیر الامم (اردو) (۲) حاضر وناظر (اردو) دو کتابچے لکھے تھے۔

ایک عربی کتابچہ "تاریخ الیہود والنصاری فی القرآن الکریم" (۳۲ صفحات) مطبوعہ دستیاب ہے۔ جسمیں یہود ونصاری سے متعلق عربی میں عناوین ہیں اور استشہاد میں انہیں کے مطابق قرآنی آیات کا ذکر ہے۔ یہ بہت مشہور ہے کہ مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے جو ضخیم مسودہ کی شکل میں موجود ہے، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

دعوتی وخطاباتی خدمات:

چونکہ آپ کا رجحان سیاست کی طرف بھی تھا، اس لیے دینی ودعوتی اور اصلاحی اسٹیج پر کم کم نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۳ء کی نوگڑھ جیسی عظیم الشان کانفرنس میں آپ نظر نہیں آتے۔ لیکن ۱۹۶۷ء کے ودھان سبھا کے الکشن میں شکست کے بعد دلبرداشتہ ہوگئے اور دینی ومذہبی اسٹیج کی طرف رجحان بڑھا۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں ریاستی کانفرنس تلسی پور میں شرکت کی اور اس اجتماع میں زبردست خطاب عام فرمایا، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی اجلاس میں خطاب کے بعد سے آپ کا شہرہ ہوا۔ اس کے بعد سے خطابات اور کانفرنسوں میں شرکت آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ الحمد للہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں خصوصاً یوپی، بہار اور بنگال میں تقریریں کیں۔ شاید ہی کوئی اہل حدیث گاؤں ہو جہاں آپ نے تقریر نہ کی ہو۔

کچھ عربی لوگ آپ سے سند اجازہ لینے آتے تھے۔ کویت بھی اسی تعلق سے سفر کیا۔ طائف کے ایک عالم دین نے سند اجازہ کے تعلق سے ایک پرفارما چھپوایا ہے۔

بحیثیت مفسر قرآن:

آپ کو بحیثیت مفسر قرآن نسلیں یاد رکھیں گی۔ کسی بھی موضوع پر تقریر کرتے تو استشہاد میں برجستہ قرآنی آیات پیش کرتے۔ آپ کی گھنٹوں کی تقریر قرآنی آیات اور اس کے ترجمہ پر مشتمل ہوتی۔ سامعین خاموشی کے ساتھ یکسو ہوکر سنتے اور سر دھنتے، آپ نے پورے ملک میں اور خاص کر اضلاع گونڈہ، بستی، بلرام پور اور سدھارتھ نگر میں کتنی تقریریں

کی ہیں، اس کا کوئی شمار ہی نہیں۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں آپ کی صدائے دعوت وتبلیغ نہ پہنچی ہو۔

ذات ستودہ صفات:

آپ بے نفس، بے لوث، سادہ دل، سادہ لوح اور سادہ طبیعت وفطرت کے انسان تھے۔ موٹا جھوٹا پہنتے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ جو کچھ موقع پر ملا کھاپی لیا اور پہن اوڑھ لیا۔ آپ کی اس سادگی پر ہر کوئی جان چھڑکتا تھا۔ ریا ونمود، نمائش، ٹیم ٹام، تام جھام اور طمطراق سے کوسوں دور تھے۔ میلوں پیدل چل کر خود ہی جلسہ گاہ پہنچ جاتے۔ نذو نیاز اور تحفہ وتحائف سے بے نیاز تھے۔ خالی اوقات میں ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ دوران تقریر قرآنی استحضار اتنا حیرت انگیز تھا کہ اچھے سے اچھے حافظ قرآن بھی انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ اپنی پیرانہ سالی، ضعف طبیعت اور ناسازی صحت کے باوجود پوری بیدار مغزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ بسا اوقات ہر روز اور ایک ہی روز میں کئی کئی اجلاس میں شامل ہوتے۔ آپ نے کبھی بھی دعوت کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنایا۔

پیرانہ سالی، ناسازی صحت اور جسمانی کمزوری کے باوجود ۱۶ رمئی کی شام کو موضع امونا تیواری (ضلع سدھارتھ نگر) میں اجلاس عام کی صدارت فرمائی اور ایک گھنٹہ صدارتی خطاب بھی فرمایا۔ ۱۷ رمئی کو دیون مئو پرتاپ گڑھ کے اجلاس عام شرکت فرمائی۔ وہاں سے ۲۲ رمئی کو وطن اس حالت میں پہنچے کہ اسہال کے شکار تھے۔ اہل خانہ نے فوراً ہی گھریلو علاج کیا۔ لیکن جب ۲۷ رمئی کو اسہال نے کافی شدت اختیار کر لی اور بے چینی بڑھ گئی تو ۲۸ رمئی کو بذریعہ جیپ لکھنؤ لے جائے گئے۔ وہاں اسپتال میں بمشکل ۲ گھنٹہ رہے کہ روح پرواز کر گئی۔ نعش ۱۱ ر بجے شب واپس لائی گئی اور دوسرے دن ۲۹ رمئی ۲۰۰۸ بروز چہارشنبہ سو ادس بجے مولانا عبدالحمید رحمانی کی امامت میں تقریباً ۶ ر ہزار افراد نے نماز جنازہ ادا کی اور گاؤں کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

علاقہ کے عوام کے علاوہ گونڈہ، بستی، سدھارتھ نگر، بلرام پور اور نیپال کے مدارس کے علماء وطلباء، بڑے بڑے زمینداران وعہدے داران نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

چونکہ آپ فریڈم فائٹر (مجاہد آزادی) تھے اس لیے صوبائی سرکار کی طرف سے ڈی۔ایم۔سی اوتھانہ ڈھبروا کا پورا اسٹاف، ایس پی آفس کے جملہ معاونین کے علاوہ ماتا پرساد پانڈے (موجودہ ایم۔ایل۔اے اٹوا) محمد مقیم (ایم۔پی حلقہ اٹوا) دنیش سنگھ (سابق ریاستی وزیر) بریندر پرتاپ (پپو) (موجودہ ایم۔ایل۔اے شہرت گڑھ) کے علاوہ اور دیگر اہم شخصیات نے شرکت کی۔

عبدالکریم مسلم

(۱۲۲۹ھ-۱۳۸۰ھ)

مولانا عبدالکریم مسلم (صاحب دیوان گلشن ہدایت) کا نام مندر لال ولد دیپ لال تھا۔آپ ضلع سارن کے معروف گاؤں ''زیروٹی'' میں ۱۲۲۹ھ کو پیدا ہوئے۔آپ کی خصوبصورتی کو دیکھ کر والدین نے آپ کا نام ''سندر لال'' رکھ دیا۔

آپ کے والد گرامی دیپ لال اسلام لانے کے بعد عبدالہادی کہلائے اس وقت آپ کی عمر ۵ سال کی تھی۔چنانچہ والدین کے ایمان لانے کے ساتھ ہی آپ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔اور آپ کا نام عبدالکریم رکھا گیا۔اور آپ کی نشو ونما دین اسلام کے دائرے میں ہونے لگی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔والدین نے بچپن میں دینی تربیت کی۔پھر مزید علوم دینیہ کے حصول کے شوق میں دہلی کے لیے رختِ سفر باندھا اور وہاں مولانا محمد اسحاق دہلوی سے علوم عالیہ وآلیہ کی تکمیل کے بعد فراغت حاصل کی اور وطن مغربی چمپارن لوٹ آئے۔

جہادی سرگرمیاں:

چونکہ آپ کے والد گرامی مولانا عبدالہادی خود تحریک شہیدین کی جہادی سرگرمیوں سے وابستہ تھے اس لیے فطری طور پر آپ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چل پڑے اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ بدعات وخرافات اور اعمال شرکیہ کی بیخ کنی میں مصروف ہوگئے۔ آپ کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور گم کردہ راہ اسلام مسلمانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ آپ بھی اپنے والد کی طرح تحریک شہیدین سے وابستہ تھے، اسی لیے محاذ جنگ پر اور دیگر مجاہدین کی طرح جہاد کیا اور گولیاں کھائیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے جسم پر ستر سے زائد زخم تھے۔ محاذ جنگ پر پولیس نے گرفتار کر کے آپ کو مرکز استھانہ پہنچادیا۔ وہاں سے کسی صورت راہ فرار اختیار کی اور صحیح سلامت بیر گنج نیپال کے بوری محلہ میں پہنچے اور وہاں سکونت اختیار کی۔

علمی ودینی کارنامے:

آپ چونکہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے نحیف ولاغر تھے اس لیے میدان جہاد سے اپنے آپ کو الگ کر کے قلمی جہاد میں مصروف ہوگئے۔ اپنا تخلص ''مسلم'' رکھا۔ اسلامی شاعری کرتے اور قریہ قریہ بستی بستی دعوت وتبلیغ کرتے۔ چلتے پھرتے جو مصرعے ذہن میں آتے انہیں قلم بند کر لیتے آج وہی ''دیوان گلشن ہدایت'' کے نام سے عوام میں مقبول ومحبوب ہے۔

''دیوان گلشن ہدایت'':

اس کا ہر مصرعہ قرآنی آیات واحادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ ہر ہر مصرعہ سے توحید خالص کی آواز آتی ہے۔ چنانچہ اسی اہمیت کے پیش نظر کچھ اداروں نے اسے اپنے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا۔ اب تک اس کے سینکڑوں ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پھر بھی ہل من مزید کی آوازیں ہر چہار جانب سے آرہی ہیں۔ آپ نے اس دیوان کو ۱۳۰۶ھ میں مکمل کیا۔ مولانا محمد عفان اصلاحی نے تو بہار یونیورسٹی سے اس کتاب پر پی ایچ

ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔آپ کی دوسری کتاب ''قاطع حجۃ الفجار'' ہے جو زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی۔آپ نے جھمکا میں ''مدرسہ چشمہ رحمت'' کی داغ بیل ڈالی جو ایک مدت تک دعوت و تدریس کے میدان میں کردار ادا کرتا رہا۔

اولاد احفاد:

آپ صاحب اولاد تھے۔نرینہ اولاد میں عبدالرشید اور حافظ شریف احمد کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں جو آپ کے سچے وارث اور امین ہیں۔

انتقال:

آپ آخری عمر تک دعوت و تبلیغ کے سلسلہ سے جڑے رہے۔چنانچہ دعوت و تبلیغ کی غرض سے ایک موضع ''لال پرسہ'' گئے وہیں طبیعت ناساز ہوگئی۔علاج و معالجہ کے باوجود بیماری بڑھتی گئی، بالآخر اسی گاؤں میں ۱۳۸۰ھ کو انتقال کر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ ایک بڑے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔آپ کے خاندان کو علم وفن اور سیاست میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔اللہ کی توفیق سے اسلام وایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔آپ کے عقیدہ ومنہج کے بارے میں آپ کا دیوان شاہد عدل ہے۔کتاب وسنت کے شیدائی اور اسی کے داعی اور مناد تھے اور اسی کی تبلیغ میں اپنی عمر عزیز وقف کر دی۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

عبدالمبین منظرؔ

(۱۹۲۰ء۔۱۹۸۹ء)

عبدالمبین نام، ابوالحسین کنیت، منظرؔ تخلص اور مناظر اسلام لقب ہے۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۸ھ (تخمینا)۔

خاندانی پس منظر:

آپ کا آبائی گاؤں امارے ڈیہہ ہے، جو تحصیل ڈومریا گنج سے تقریبا ۱۲ کلومیٹر موضع

کھنڈا کے پاس جنوب مشرق میں واقع ہے۔آپ کے والد گرامی محمد فاضل مرحوم دین پسند شخص تھے اور کتاب وسنت سے وابستہ تھے۔ برخلاف پورا گھرانہ کفروشرک اوراوہام پرستی کی طرف مائل تھا، چنانچہ ترک وطن کر کے مقام سمرا آ گئے اور یہی آپ کا مولدومسکن قرار پایا۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مقامی مکتب میں مولانا عبدالرزاق سمراوی سے حاصل کی۔ پھر یکے بعد دیگرے مولانا عبدالمعید یوسف پوری، میاں شمس اللہ، مولانا محمد اسحاق اور اپنے ماموں مولانا محمد علی سے کسب فیض کیا۔

سراج العلوم جھنڈا نگر:

۱۹۳۰ء کے آس پاس اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں داخلہ لیا اور عرصہ چار سال تک دینی ودرسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

یہاں کے اساتذہ میں ادیب اریب مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد زماں رحمانی اور مولانا زین اللہ طیب پوری کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔مولانا عبدالرحمٰن بجواوی سے باقاعدہ درس تو نہیں لیا لیکن اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے آں موصوف سے قریب تر رہ کر روحانی فیوض وبرکات سے محروم نہ رہے۔

دارالحدیث رحمانیہ:

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر چار سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔لیکن بدقسمتی سے میعاد داخلہ ختم ہو جانے کے سبب نامراد رہے۔چنانچہ مدرسہ نذیر حسین محدث دہلوی (پھاٹک حبش خاں) میں داخلہ لیا وہاں شیخ الحدیث مولانا محمد یونس پرتاپ گڑھی اور مولانا عبیداللہ رحمانی ٹونکی سے کسب فیض کیا۔ساتھ ہی روزانہ مدرسہ صدیقیہ اور مدرسہ فتح پوری میں بھی حاضری دے کر استفادہ

کرتے رہے، اسی طرح ''مختصر المعانی'' اور ''ہدیہ سعدیہ'' کتب کو وہیں پڑھا اور اسی جذبے کے ساتھ سال پورا کیا کہ آئندہ سال دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لینا ہے۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

دوسرے سال جب داخلہ کا وقت آیا تو دارالحدیث کے متولی و مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن کا انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے مدرسہ بے رونقی کا شکار ہو گیا اور اس طرح دوسرے سال بھی رحمانیہ میں داخلہ کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

چنانچہ حسب سابق دوسرے سال بھی مدرسہ میاں صاحب، مدرسہ صدیقیہ اور فتح پوری میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ساتھ ہی اعیان واعوان واخوان جماعت کی بارگاہ میں بھی حاضری دیتے رہے۔ مولانا محمد جوناگڑھی (ایڈیٹر اخبار محمدی) مولانا عبدالحنان (ایڈیٹر اہلحدیث گزٹ) مولانا عبدالسلام بستوی (مدیر ماہنامہ الاسلام) اور شیخ الحدیث مولانا شرف الدین وغیرہم جیسے اساطین علوم وفنون سے قریب رہ کر ان سے مستفید ہوتے رہے۔

سراج العلوم جھنڈانگر میں دوبارہ داخلہ:

اسی اثناء آپ کے برادر معظم مولانا محمد خاں رحمانی جو آپ کے والدین کے انتقال کے بعد آپ کے مربی وسرپرست تھے، تپ دق کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ آپ دہلی میں اپنا دوسرا سال کسی طرح مکمل کر کے وطن واپس لوٹ آئے اور دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لے لیا، تاکہ بھائی کی عیادت کے ساتھ ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ لیکن بھائی صاحب اس مہلک مرض سے جانبر نہ ہو سکے اور مجبوراً تعلیمی سلسلہ سے وابستگی بھی باقی نہ رہ سکی۔

جامعہ رحمانیہ بنارس:

کچھ سال یونہی بے کاری میں گزار کر ۱۳۵۹ھ میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالوحید سلفی (ناظم جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا فیض الرحمٰن مئوی، مولانا محمد اسید

رحمانی (نیپالی) وغیرہم سے کسب فیض کیا۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (پاکستان) سے کتب ادب اور آفتاب علم وادب عبدالمعید حریری سے ادب میں دیوان حماسہ اور بعض تفاسیر کا درس لیا۔ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے مسلم و ترمذی، مولانا محمد منیر خاں بنارسی سے منطق، فقہ وفلسفہ وابوداؤد اور جامع صحیح بخاری کے اکثر پارے پڑھے۔ صحیح بخاری کی تکمیل حجۃ الاسلام مولانا سیف بنارسی سے کی۔

سند فراغت:

مولانا محمد منیر جونپوری ثم بنارسی کے جنوری ۱۹۲۸ء میں چھت پر گر جانے سے کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے (دیکھیں اہلحدیث امرتسر ۱۹۲۸ء شعبان ۱۳۴۶ھ) ان کی علالت کی وجہ سے ذمہ داران جامعہ نے آپ کو دارانگر جا کر حضرۃ العلام سیف بنارسی سے بخاری و مسلم کے دورہ کی اجازت دے دی۔ مدن پورا سے دارانگر تقریباً ۳ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ آپ علی الصباح ساتھیوں کے ہمراہ جاتے اور بارہ بجے تک لوٹ آتے۔ یہ سلسلہ چار ماہ تک جاری رہا۔ اس طرح صحیحین کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

سند فراغ:

مولانا سیف بنارسی، سند فراغ میں نام کے ساتھ کنیت بھی درج کرتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ میں اپنی سند لینے کے لیے ۲۸/ذوالحجۃ الحرام ۱۳۶۱ھ کو آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا کہ تمہاری کنیت کیا رکھ دی جائے؟ میں نے کئی کنیتیں بتائیں، لیکن پسند نہ کیا۔ آخر اپنی پسند سے کنیت ''ابوالحسین'' رکھ دی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تمہارے عزم وحوصلہ میں پختگی آئے گی۔ پھر سند کی خالی جگہ میں اپنے دست مبارک سے یہ تحریر فرمایا:

ھو رجل شاب، لقن، ذو فھم واسع وذھن ساطع (وقال فی الوصیة) إنی اوصیه بتقوی اللہ فی السر والعلانیة وأن لا یھاب بصوت

الجمهور.....الخ

الحمدللہ! مولانا اپنے مشفق استاد کی اس وصیت کے مطابق بتوفیق الہی باطل پرستوں کے ہجوم میں تن تنہا اعلان حق کرتے اور احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور قوم وملت وجمعیت وجماعت کو اپنی خدمات جلیلہ سے مستفید کرتے رہے۔

کارگاہ عمل میں:

۱۳۶۱ھ میں فراغت کے بعد گاؤں ہی کی مسجد میں مقامی بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع کیا اور گاؤں کے صاحب ثروت لوگوں کو مدرسہ کی الگ عمارت کی تعمیر کے لیے توجہ دلاتے رہے۔ چند سالوں کے بعد گاؤں ہی کے چند احباب نے مدرسہ کے لیے زمین وقف کردی۔ یہ وہی زمین ہے جس پر آج مدرسہ شمس العلوم سمرا کی عمارت کھڑی ہے۔ آپ ہی کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۳۷۱ھ میں کھپریل کی مسجد وجود میں آئی۔ اس طرح آپ نے مدرسہ ومسجد کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا اور تعمیر کے بعد اس کے معیار تعلیم کو بلند کرتے ہوئے لائق وفائق اساتذہ کی تقرری عمل میں لائے۔ آپ کے دور میں نسواں تو نہیں تھا، لیکن بحمد اللہ! بعد میں وہاں کے عوام نے اپنی علمی بے داری کا ثبوت فراہم کیا اور آج عمارت نسواں بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ کھڑی ہے۔

جماعتی خدمات:

۱۹۴۷ء میں ملک کے دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہی جماعت کا بھی شیرازہ منتشر ہوگیا، دارالحدیث رحمانیہ بند ہوگیا۔ تنظیمی تگ وتاز ختم ہوگئی۔ اور لگ بھگ دس سال کے طویل عرصہ تک تنظیم موت وحیات سے دوچار رہی۔ چنانچہ آپ نے دیگر رفقاء جماعت مولانا عبدالوہاب آروی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی، مولانا نذیر احمد املوی اور مولانا عبدالجلیل رحمانی کی معیت میں ملک گیر دورے کئے اور جماعت کو دوبارہ منظم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مختلف اضلاع کے دورے کر کے ہر جا صوبائی، ضلعی اور مقامی جماعتیں قائم

کرنے پر زور دیا۔ الحمد للہ! آپ کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں اضلاع بستی و گونڈہ کے مشترکہ پلیٹ فارم پر مولانا عارف سراجی کو ناظم بنادیا گیا اور اس کی پہلی ضلعی کانفرنس ۲۳/ جنوری ۱۹۵۹ء کو بانسی میں منعقد ہوئی۔ پھر ضلعی جمعیت کی سہ روزہ کانفرنس ۱۳/۱۴/۱۵ ۱۹۶۰ء بمقام پھریندہ منعقد ہوئی، جسمیں ضلعی جمعیت کی نظامت آپ کے سپرد کی گئی۔

آل انڈیا نوگڑہ کانفرنس:

آپ ہی کے دور نظامت میں ۱۶/۱۷/۱۸/۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس اسی کانفرنس کی دین ہے۔ آپ ضلعی جمعیت کے تین بار ناظم اور ایک بار صدر منتخب کے گئے۔ ۲۴/ جون ۱۹۷۹ء کو مرکزی دارالعلوم بنارس کی ایک اہم میٹنگ میں آپ کو صوبائی جمعیت اہل حدیث یوپی کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ آپ نے اس بار گراں کو ۳۱/ جولائی ۱۹۸۲ء تک اٹھایا۔ ۷/ نومبر ۱۹۸۸ء یکشنبہ کو پھر مشرقی یوپی کے امیر بنائے گئے۔ تا آنکہ ممبئی میں کار ایکسیڈینٹ میں پیر کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے مستعفی ہونا پڑا۔ روبصحت ہوجانے کی بعد دوبارہ صوبہ مشرقی یوپی کے صدر چنے گئے اور اس عہدۂ جلیلہ پر تاحیات فائز رہے۔

آپ کے دور نظامت وصدارت میں بہت سی کانفرنس ہوئیں۔ چمن اسلام (مولفہ: مولانا نذیر احمد املوی) کو آپ نے اہل حدیث مدارس کے نصاب میں شامل کرایا۔ وغیرہ ذلک۔

تصنیفات وتالیفات:

آپ کی چھوٹی، بڑی تصانیف کی تعداد تقریباً چودہ ہیں۔

(۱) خالد بن ولید (۵۰۰ صفحات) (۲) عقائد اسلام (۲۹۶ صفحات)

(۳) قرآن کریم کے دس اسباق (۶۴ صفحات)

(۴) فرقہ بندی سے نجات (۴۸ صفحات)

(۵) تبلیغ دین کا موثر طریقہ (۳۶ صفحات)

(۶) سبیل الرشاد اصاحب سعی العباد (۲۸۹ صفحات)

(۷) نیا مذہب فکر (۳۶ صفحات) (۸) پیغمبر عالم (۸۶۸ صفحات)

(۹) منظر رمضان (۸ صفحات) (۱۰) الظفر المبین (۱۶ صفحات)

(۱۱) مناظرہ گوجیدرہ (اڑیسہ، اردو قلمی) سنہ تصنیف ۱۹۶۳ء

(۱۲) الحق المبین منظوم (۱۶ صفحات)

(۱۳) زمزمہ حق منظوم (۲۰ صفحات)

(۱۴) اہلحدیث اور اس کا پس منظر (۲۰ صفحات)

بحیثیت مناظر و مباحث:

مولانا جس طرح ایک بے مثال خطیب و ادیب تھے، وہیں میدان مناظرہ کے شہ سوار بھی تھے۔ آپ نے اپنی حیات میں مختلف مکتب فکر کے لوگوں سے مناظرہ کیا اور حق ادا کر دیا ضلع سدھارتھ نگر کے موضع بھینسہوا اور بھاؤ پور کا مناظرہ ہو یا شہر اڑیسہ کے مولوی حبیب الرحمٰن کٹکی سے۔ اہل بڑھیا اور مٹھنا کے لوگوں سے بجرڈیہہ (بنارس) کے لوگوں سے۔ بھمن پور شکرولی (ضلع گونڈہ) کا ہو یا انگ پور کلیا (نزد بیر گنج نیپال) کا۔ بڑھنی جھنڈا نگر کا مناظرہ ہو یا موضع سکھیا (نزد ٹکریا) کا۔ آپ نے ہمیشہ مبتدعین کے چیلنج کو قبول فرمایا اور احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔

آپ اپنے زمانہ میں مناظرہ کے شہ سوار تھے۔ اس کا اندازہ معروف و مشہور عالم دین قاری سعید بنارسیؒ کے ایک خط سے لگایا جا سکتا ہے جو آں موصوف نے مولانا منظر صاحب کے نام دسمبر ۱۹۵۶ میں لکھا تھا۔

حمایت اللہ بخاری نے جریدہ ترجمان ۷ر مارچ ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں لکھا ہے۔ ”جمعیت اہل حدیث گوجیدارہ سے آپ کو قلبی ہمدردی تھی۔ یہ جمعیت سخت آزمائش میں پھنسی تو بنارس، دربھنگہ، بستی وغیرہ کے علماء سے مدد چاہی، لیکن اس آڑے وقت میں گوجیدارا کی کشتی

کو بچانے والے مولانا منظرؔ تھے۔

آجکل یہاں پر بدعتیوں کا بڑا زور ہے۔ بدعتی مولوی ہر ہر محلے میں تقریریں کر رہے ہیں۔ضرورت ہے کہ بدعت کی تردید میں جوابی تقریریں ہوں۔ میری نظر اس وقت آپ پر پڑ رہی ہے۔آپ سے عرض ہے کہ چندروز کا موقع نکال کر ضرور آئیں۔ہم ہر محلے میں آپ کی تقریر کرائیں گے،تا کہ بدعت کا قلع قمع ہو سکے''۔

بحیثیت شاعر:

آپ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ چنانچہ اپنی خودنوشت سوانح میں لکھتے ہیں:'' دہلی میں رہبر پرتاپ گڑھی کی صحبت میں شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔میرا تخلص منظرؔ انہیں کا تجویز کردہ ہے''۔شاعری کی ابتداء نظم سے کی۔ بعد میں غزلیں، رباعی اور مراثی بھی کہی ہیں۔

تلامذہ وشاگردان:

آپ سے مستفیدین کی فہرست طویل ہے۔ چند چیدہ وچنیدہ مستفیدین کے اسماء گرامی ذیل میں ہیں۔مولانا عبدالحمید رحمانی،مولانا نور عظیم ندوی،مولانا عبدالصبور ندوی رحمانی مالیگاؤں ،ڈاکٹر سید احمد (ناظم مدرسہ دارالتوحید میناں عیدگاہ) ڈاکٹر عبدالرؤف اکرہرا،مولانا صلاح الدین مقبول احمد اونرہوا،مولانا عاشق علی اثری وغیرہم۔

ارتحال:

پیشاب کی نلی میں غدود بڑھنے کی وجہ سے پیشاب بند ہوجانے کی شکایت تھی۔ چنانچہ بنارس کے ایک پرائیوٹ نرسنگ ہوم میں آپریشن ہوا جو ناکام رہا اور ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ بروز جمعہ انتقال کیا۔آپ کی نعش بنارس اسپتال سے آبائی وطن سمرا لائی گئی۔ ۲۸/اکتوبر کو مولانا زین العابدین ریاضی (صدر مدرس مدرسہ اتحاد ملت اٹوابازار) نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدرسہ شمس العلوم سمراہی کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

اولادواحفاد:

آپ کی شادی سمراہی میں ہوئی تھی۔آپ کے بالترتیب تین لڑکے اور ایک لڑکی عبدالہادی، عبدالباقی مظہر، عبدالباری، شہیدہ خاتون پیدا ہوئے۔ سبھی صاحب اولاد ہیں۔

عبدالمعید بنارسی

(۱۹۱۱ء-۱۹۸۰ء)

مولانا عبدالمعید رحمانی بن مولانا عبدالمجید بن عبدالقادر

ساکن: محلہ امیامنڈی، شہر بنارس (یوپی)

تاریخ پیدائش: ۲۶ رتمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲ رشوال ۱۳۲۹ھ۔

آپ کی کنیت ''ابوعبیدہ'' تھی۔آپ کے والد گرامی ماہر طبیب اور جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کے برادر کبیر مولانا عبدالحمید مکی بھی عالم دین تھے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گھر پر والدہ سے حاصل کی، نیز اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی سے پڑھیں۔ جامعہ رحمانیہ مدن پورا میں نہایت مختصر مدت میں قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا۔ تکمیل حفظ کے بعد مولانا محمد منیر خاں سے عربی تعلیم حاصل کی۔ مولانا سید اکبر علی بنارسی سے کتب فارسی پڑھیں۔ مولانا محمد عمر اعظمی سے دیگر کتب کو پڑھا۔ پھر مزید اعلی تعلیم کے حصول کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں مولانا مفتی عبدالقادر فرنگی محلی (م ۱۳۷۹ھ) اور فن ہیئت کے ماہر مولانا سید علی زینبی امروہوی سے علم ہیئت کی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا زینبی قیلولہ کے اوقات میں آپ کو اپنے گھر بلا کر پڑھاتے تھے اور مولانا کئی کلومیٹر پیدل چل کر روزانہ آپ کے پاس جاتے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں بھی داخلہ لیا اور شیخ الحدیث مولانا مبارکپوری سے علم حدیث حاصل کیا۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد آپ نے اپنی پوری حیات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزاری۔ ایک آدھ سال چھوڑ کر تقریبا تمام ہی عمر اہلحدیث اداروں سے جڑے رہے۔ جامعہ مظہر العلوم بنارس میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ کچھ عرصہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی جڑے رہے۔ مادر علمی جامعہ رحمانیہ میں بھی ۱۳۶۰ھ میں درس دیا۔ مدرسہ سلفیہ مان بھوم اڑیسہ، مدرسہ دلال پور، بنگال میں بھی کچھ سال مدرس رہے۔ جامعہ فیض عام مئو میں ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۶ء رہے۔ پھر شیخ الحدیث مولانا مبارکپوریؒ کے مشورہ پر جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس تشریف لائے اور تا حیات اسی ادارہ میں تدریسی خدمت سے وابستہ رہے۔

مولانا رحمہ اللہ صاحب استعداد اور اعلی علمی صلاحیت کے مالک تھے۔ معقولات ہی نہیں، ہر فن پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ہر طرح کے مسائل میں علماء کا مرجع تھے۔ ہیئت کی کتاب ''تصریح'' کی تدریس کے دوران طلباء کو دشاسمیدھ گھاٹ کے اس مقام پر لے جاتے جہاں ایک رصد گاہ ہے، وہاں دھوپ گھڑی وغیرہ بھی نصب ہے، اور طلباء کو پریٹکلی سمجھاتے۔ طلباء سے بڑی محبت کرتے تھے۔ کسی نہ کسی طالب علم کو اپنے ساتھ ضرور کھلاتے۔ کبھی طلباء کی دعوت بھی کرتے۔

تواضع اور خاکساری:

آپ بڑے متواضع، منکسر المزاج، سادگی پسند اور خوددار تھے۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کیا۔ بڑے قناعت پسند تھے، مختصر سی تنخواہ پر گزارا کرتے۔ سادہ اس قدر رہتے تھے کہ کوئی اجنبی دیکھ کر سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ عالم دین ہیں۔ کرتا ٹوپی اور تہبند پہنتے۔ شہرت اور نام ونمود سے بہت احتراز فرماتے تھے۔ کذب بیانی سے سخت نفرت تھی۔ بڑے خلیق اور ملنسار تھے۔

کتاب وسنت پر عمل:

تقویٰ طہارت، عزلت نشینی میں اپنے والد مولانا عبدالمجید کے نمونہ تھے۔ سنت کے پابند تھے۔ جس طرح تدریس کا فریضہ اہلحدیث مدارس میں انجام دیا، اسی طرح تراویح بھی اہل حدیث مسجد میں پڑھائی۔ نماز اول وقت میں پڑھتے۔ اپنے بیٹے عبدالعزیز سے کہتے کہ تمہیں جامعہ سلفیہ میں داخل ہی اسی لیے کیا ہے کہ تم سنت کو سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

احساس ذمہ داری:

آپ ایک با اصول آدمی تھے۔ اصول اور ضابطے کی سختی سے سے پابندی کرتے۔ گھر ہو یا مدرسہ، یا کتاب کی دوکان، اصول وضابطے کی کبھی خلاف ورزی نہ کی۔ تعطیل کے بعد مولانا کا یہ دستور تھا کہ پہلے روز درسگاہ میں حاضر ہوتے اور درس کا سلسلہ شروع کردیتے خواہ ایک ہی طالب علم کیوں نہ ہو۔ جب آپ مدرسہ مظہر العلوم میں استاذ تھے تو پاس ہی آپ کی کتابوں کی دوکان تھی۔ گھنٹی کا وقت قریب آتے ہی مولانا فوراً دوکان بند کردیتے اور پانچ منٹ پہلے ہی مدرسہ میں پہنچ جاتے۔ ڈیوٹی کے سخت پابند تھے۔

تصنیف وتالیف:

آپ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ دوران تدریس ابتدائی تعلیم کی مشکلات کو جو تجربہ ہوا، اس کے پیش نظر ایسی چھوٹی چھوٹی کئی کتابیں لکھیں جو عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے انتہائی نفع بخش اور مفید ہیں۔ مولانا علیہ الرحمہ نے اپنی تواضع کی وجہ سے بہت سی اپنی تصانیف کو ترجمہ کا نام دیا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ترجمہ نہیں، بلکہ مستقل تصنیف ہیں۔

(۱) اردو کا آسان قاعدہ
(۲) عربی کا آسان قاعدہ
(۳) مصادر
(۴) آسان خوشخطی

(۵) فرہنگ اردو زبان کی پہلی کتاب ''مولانا محمد اسماعیل میرٹھی''۔

(۶) فصول اکبری مع حاشیہ اصغری (۷) امین الیسری

(۸) اردو میزان منشعب (۹) امین الصرف

(۱۰) امین النحو (۱۱) امین المنطق

(۱۲) امین الادب (۱۳) امین الہدایۃ

(۱۴) امین الکافی (۱۵) السیر الحثیث فی علم الحدیث (۱۶) دائمی اسلامی جنتری

اللہ نے آپ کو ۳ نرینہ اولاد عطا فرمائی۔ آپ کی صحت کافی سالوں سے خراب رہا کرتی تھی۔ بالآخر ۲۲/دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۳/صفر ۱۴۰۱ھ کو اپنے دولت کدہ پر انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی نے پڑھائی۔ اور بنارس میں مدفون ہوئے۔

عبدالواحد سلفی

(۱۹۱۲ء تا ۱۹۹۸ء)

مولانا عبدالواحد سلفی بن مولانا عبدالوہاب دہلوی

مسجد و مدرسہ دارالکتاب والسنہ، صدر بازار، دہلی ۶

تاریخ پیدائش: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۲ء

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان علم و عمل میں فائق تھا نیز اپنی سیادت و قیادت کا اہل تھا۔ والد گرامی مولانا عبدالوہاب صدری اپنے زمانہ کے مایہ ناز معلم، مدرس، مبلغ اور مصنف تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی احیاء کتاب و سنت کے لیے وقف کردی۔ آپ کے برادر کبیر مولانا عبدالستار سلفی دہلوی بھی اپنے دور کے ماہر عالم اور کتاب و سنت کے داعی و مناد تھے۔ گھر ہی میں مدرسہ تھا اور پڑھانے اساتذہ تھے۔ ایسے علمی و دینی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے از ابتداء تا انتہاء پوری تعلیم اپنے والد گرامی مولانا عبدالوہاب صدری کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالکتاب والسنہ'' صدر بازار میں حاصل کی۔ چونکہ گھر میں ہی مدرسہ قائم تھا، جس میں باہر کے طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کرتے تھے، اس لیے آپ کو دوسرے مدرسہ میں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

آپ کے اساتذہ میں والد گرامی مولانا عبدالوہاب دہلوی، برادر کبیر مولانا عبدالستار سلفی (پیدائش ۱۳۲۳ھ) مولانا عبدالجلیل سامرودی۔ آپ کا گھر علم وعرفان کا گہوارہ تھا اس لیے والد اور برادر سے خوب اکتساب علم کیا اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

تدریس وتعلیم:

فراغت کے بعد اپنے برادر کبیر مولانا عبدالستار سلفی کا مدرسہ کی تعمیر وترقی میں بھرپور ساتھ دیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد جب مولانا عبدالستار سلفی پاکستان ہجرت کر گئے تو صدر بازار مسجد کی امامت، مدرسہ دارالکتاب والسنہ کی نظامت اور جماعت غرباء اہل حدیث ہند کی امارت افراد جماعت نے ابوعبدالکبیر عبدالجلیل سامرودی کو سونپ دی اور مولانا عبدالواحد سلفی نائب امام مقرر ہوئے۔ مولانا سامرودی تا حیات (یعنی ۱۹۷۳ء تک) جماعت غرباء اہل حدیث کے امیر رہے۔ مدرسہ دارالکتاب والسنہ صدر بازار کی نظامت کی ذمہ داری مولانا عبدالواحد (بحیثیت نائب امیر) نبھاتے رہے۔ جماعتی امور مولانا سامرودی کے مشورہ سے طے کرتے رہے۔ کیوں کہ مولانا سامرودی اپنے وطن سامرود میں مقیم تھے اور مسند درس پر فائز تھے۔

مولانا کے انتقال کے بعد آپ امیر بنے تو بڑھاپے میں سہارا کے لیے اپنے صاحب زادے مولانا عبدالماجد کو کینیا (افریقہ) سے بلالیا۔ وہ سعودی عرب کی طرف سے کینیا میں مبعوث تھے۔ (ماہنامہ طوبیٰ جماعت غرباء اہل حدیث، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، صفحہ ۲۸-۲۹)

مولانا اپنے بھائی کے ساتھ پاکستان ہجرت کرنا چاہتے تھے لیکن دہلی والوں کی خواہش اور دباؤ کے سامنے جھکنا پڑا اور پاکستان ہجرت کا ارادہ ترک کر کے مسجد، مدرسہ کی نظامت سنبھالے رکھا، دہلی میں رہ کر مدرسہ کے تعلیمی معیار کو بلند کیا، اقامتی طلباء کے لیے قیام وطعام کا اچھا نظم کیا۔ باصلاحیت اساتذہ کو مقرر کیا۔ جماعتی افراد میں نظم وضبط پیدا کرنے کے لیے ہر گاؤں میں مقام امیر مقرر کیا۔ اس طرح مقامی سے ضلعی اور ضلعی سے صوبائی سطح پر افراد جماعت کو ایک شیرازہ میں پرو دیا۔

تاحیات مسجد کے امام وخطیب رہے۔ خطبات جمعہ وعیدین آپ ہی دیتے۔ آپ کی موجود میں کسی کو منبر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔

دعوت وتبلیغ:

آپ دعوت وتبلیغ میں مداہنت اور صلح کل کے طریقہ کو اپنانے کو سخت ناپسند کرتے تھے، مسلک میں اتنے سخت تھے کہ احناف کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز کہتے تھے۔ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور جاگتے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے۔ طلباء واساتذہ سے بڑی محبت کرتے۔ بڑے مہمان نواز، دیانت دار، معاملہ فہم اور مدبر ومفکر تھے۔

مرتب کتاب ہذا (خالد حنیف صدیقی) نے بھی مولانا سعید احمد بستوی کے ساتھ کئی سال تک مدرسہ دارالکتاب والسنہ میں آپ کے زیر نگرانی تدریسی فریضہ انجام دیا ہے۔ لہذا آپ کو بہت قریب سے دیکھا اور آپ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ نہایت مستعد اور جفاکش عالم دین تھے۔ پچاس سال تک مسلسل درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور دعوت دین کا فریضہ ادا کیا۔ جرأت ایمانی، عزم وحوصلہ اور مسلکی حمیت وغیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مسلک کے خلاف معمولی سے معمولی عمل کر برداشت نہیں کرتے تھے۔ دینی مسائل میں آپ کے کچھ شذوذ ہیں، جن کا علماء نے ہمیشہ انکار کیا ہے۔

بالآخر کتاب وسنت کا یہ خادم ۸۶ سال کی عمر میں اگست ۱۹۹۸ء میں اپنے مالک، حقیقی سے جا ملے آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحب زادے حافظ مولانا عبدالماجد سلفی

مدرسہ کے ناظم اور جماعت کے امیر ہیں۔ نیز اس ادارہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''صحیفہ اہل حدیث طوبیٰ'' کے مدیر ہیں۔ جواں سال وجواں فکر ہیں اس لیے مستقبل میں آپ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

عبدالوحید سلفی

(۱۹۲۴ء-۱۹۸۹ء)

سابق ناظم جامعہ سلفیہ بنارس اور سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا عبدالوحید سلفی بن الحاج عبدالحق بن حافظ عبدالرحمن ۲۳ رجنوری ۱۹۲۴ء مطابق ۱۴ر جمادی الاخری ۱۳۴۲ھ بروز چہار شنبہ مدن پورہ بنارس میں پیدا ہوئے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم محلّہ کے مکتب سے شروع کی، پھر جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذۂ کرام:

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد منیر خاں بنارسی، مولانا سعید محدث بنارسی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، مولانا عبدالمجید حریری، مولانا عبیداللہ عنبر، مولانا ابوالقاسم مولانا حبیب اللہ، قاری احمد سعید بنارسی اور انگریزی کے استاد ماسٹر اکبر خاں قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۳ء میں الہ آباد بورڈ یوپی سے عالم کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں پرائیوٹ طور پر انٹر کا امتحان دیا اور اچھی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس سے تدریس کا آغاز کیا۔ ۳۶ سال کی عمر میں دسمبر

۱۹۶۰ء کو جامعہ رحمانیہ کے ناظم منتخب ہوئے اور نومبر ۱۹۶۶ء تک اس اہم عہدے پر فائز رہے۔ پھر ۱۹۶۳ء میں جامعہ سلفیہ دار العلوم بنارس کی تاسیس سے لے کر آخر عمر تک اس ادارہ کے بھی ناظم اعلیٰ رہے۔ آپ نے جس محنت اور جانفشانی سے اسے ایک تن آور شجر کی شکل میں کھڑا کیا، اربابِ جماعت سے پوشیدہ نہیں۔

آپ ابتداء ہی سے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ممبر تھے۔ ۱۹۷۲ء کے انتخاب میں آپ نائب صدر کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔ اس وقت ڈاکٹر سید عبد الحفیظ سلفی صدارت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ پھر ستمبر ۱۹۷۹ء کے انتخابات میں مرکزی جمعیت کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں بنگلور اجلاس کے انتخاب میں بھی دوبارہ آپ ہی پر صدارت کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ چنانچہ تا وفات نومبر ۱۹۸۹ء لگ بھگ آٹھ سال تک آپ نے جماعت کی قیادت فرمائی۔

اپنے دور صدارت میں مرکزی جمعیت کی تعمیر و ترقی میں بھر پور کردار ادا کیا۔ جمعیت کو منظم اور مربوط کیا، صوبوں اور ضلعوں کو مرکز سے منسلک کیا، شعبۂ دعوت و تبلیغ کو متحرک کیا، ریلیف فنڈ قائم کیا۔ جماعت کو متحرک بنانے کے لیے متعدد پروگراموں کو تشکیل دیا اور سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ جامع مسجد جیسے مرکزی مقام پر مرکزی جمعیت کو ایک مستقل بلڈنگ بنام ''اہل حدیث منزل'' دلانے میں تعاون کیا۔

آپ نے بلاد عرب کے مختلف اجلاس میں بھی جماعت کی نمائندگی فرمائی۔ چنانچہ ''موتمر المسجد فی العالم'' مکہ مکرمہ (منعقدہ ۱۳۹۵ھ) ''موتمر رسالة المسجد'' اور ''الموتمر العالمی الاول للتعليم الاسلامی'' مکہ مکرمہ میں شرکت فرمائی۔ ۱۱ر مئی ۱۹۸۵ء کو بنگلور کا تاریخ ساز اجلاس آپ ہی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ ''حرمت حرمین کانفرنس'' منعقدہ دہلی اور ''شبان اہل حدیث کانفرنس'' بھی آپ ہی کی صدارت میں ہوئی۔ آپ کا دور صدارت ہر اعتبار سے ترقی پذیر رہا۔ بالآخر ۲۵ر نومبر ۱۹۸۹ء کو ۶۵ سال کی عمر میں اس گنجینۂ علم و فضل اور پیکر صبر و رضا نے عالم جاوداں کو لبیک کہا۔ انا لله وانا اليه راجعون. اللهم اغفر له وارحمه.

عبدالوحید رحمانی

مولانا عبدالوحید رحمانی بن مولانا حافظ محمد ابوالقاسم بن الحاج محمد رفیق

محلہ: مدن پورا (شہر بنارس) یوپی۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتداء سے لے کر انتہا تک تعلیم اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل جامعہ رحمانیہ بنارس میں کی۔ اردو، فارسی اور ابتدائی نحو وصرف کی کتابیں مولانا حبیب اللہ (چھپرا بہار) سے پڑھیں۔ حساب اور جغرافیہ کے استاد ماسٹر اسرار اللہ تھے۔ سنن ترمذی، مولانا عبیداللہ عنبر اور صحیحین وغیرہ مولانا نذیر احمد املوی سے پڑھیں۔ دیوان متنبّی، مقامات حریری وغیرہ ادیب عصر عبدالمجید حریری (م۱۹۷۲ء) سے پڑھیں۔

قابل ذکر اساتذہ:

ماسٹر عبدالحمید جون پوری، محمد منیر خاں بنارسی (م۱۹۴۵ء)، عبدالغفار حسن رحمانی (پاکستان)، عبدالمجید حریری (م۱۹۷۲ء)، حافظ محمد ابوالقاسم (م۱۹۶۵ء)، قاری احمد سعید بنارسی (م۱۹۶۴ء)، حبیب اللہ (چھپرا بہار)، ماسٹر اسرار اللہ۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد اپنے مادر علمی جامعہ رحمانیہ ہی سے تدریس کی بسم اللہ کی اور ۱۹۶۵ء تک ادب وحدیث کا درس دیا۔ ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کا تعلیمی افتتاح ہوا تو آپ اس کے مدرس مقرر ہوئے۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ''شیخ الجامعہ'' کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ جامعہ میں ۱۹۶۹ء تک ''شیخ الجامعہ'' کا عہدہ نہیں قائم ہوا تھا۔ مولانا رئیس الاحرار ندوی کی تحریک پر اس شعبہ کا اضافہ ہوا اور آپ اس جامعہ کے پہلے شیخ

الجامعہ بنے۔ اور یہ خطاب آپ کا لازمی جزء بن گیا۔ چنانچہ آپ نام سے کہیں زیادہ اسی خطاب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

آپ اور دیگر مناصب پر بھی فائز رہے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک جامعہ رحمانیہ بنارس کے نائب ناظم، ضلعی جمعیت اہلحدیث بنارس کے امیر اور اجتماعی رویت ہلال کمیٹی کے صدر رہے۔ مارچ ۱۹۹۷ء میں آپ کو جامعہ سلفیہ کا نائب صدر بھی بنایا گیا۔

جامعہ سے وابستگی:

آپ کو جامعہ سے بڑی الفت اور شیفتگی تھی۔ آپ کی ہمیشہ ہی کوشش رہی کہ جامعہ سر سبز وشاداب اور آباد رہے، دن دونی رات چوگنی ترقی کے مدارج طے کرے۔ جامعہ کی عظیم لائبریری میں بے شمار کتب ہیں، ان میں کتب کے اضافہ میں آپ کی کوشش شامل حال ہے۔

تعلیمی وتدریسی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا بھی بے پناہ جذبہ وملکہ تھا، بڑی میٹھی اور شیریں زبان میں تقریر کرتے، اپنے تلامذہ کو بھی اس طرح کرنے کی ترغیب دلاتے۔ آپ نے خطبۂ جمعہ کا فریضہ تاحیات بڑی مستعدی سے انجام دیا، فراغت سے پہلے اور اس کے بعد بھی مسجد نمیا میں خطبہ دیتے رہے۔ پھر مسجد باگڑبلی کے مستقل خطیب ہوگئے۔ آپ شکر تالاب عیدگاہ کے امام عیدین تھے۔ کئی بار بیت اللہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے۔

آپ کا خاص وصف آپ کی پرہیزگاری، خودداری اور استغنیٰ تھا۔ زہد وقناعت اور بے نفسی کی زندہ مثال تھے۔ بڑے ہی رحم دل، اور شفیق ومہربان تھے، سب کے ساتھ ہمدردی، شفقت اور محبت ومروت کا برتاؤ کرتے۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ سے بے شمار تشنگان علوم الحدیث نے سیرابی حاصل کی اور علمی ودینی دنیا میں لوگوں کو سیراب کررہے ہیں۔ چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

ڈاکٹر وصی اللہ عباس (سدھارتھ نگر)، ڈاکٹر عبدالعلی (مئو)، ڈاکٹر جاوید اعظم (بنارس)، ڈاکٹر صغیر احمد (بلرامپور)، عبدالسلام مدنی (سدھارتھ نگر)، عبدالباری فتح اللہ مدنی (سنت کبیر نگر)، شمیم احمد خلیل سلفی (سدھارتھ نگر)، ڈاکٹر عبدالعلیم (سدھارتھ نگر) مولانا عبدالقدوس (سدھارتھ نگر)، ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی (الہ آباد)، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی (سدھارتھ نگر)، ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی (بلرام پور)، اصغر علی امام مہدی سلفی (چمپارن)۔

تالیفات:

جامعہ سلفیہ بنارس کے اہم مناصب پر فائز رہنے، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں بے پناہ مصروف رہنے کی وجہ سے آپ کو لکھنے پڑھنے کا کچھ زیادہ موقع نہ مل سکا، پھر بھی آپ نے قیمتی وقت نکال کر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عربی تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ آپ کے ترجمہ میں زبان وبیان کی شگفتگی کے ساتھ سلاست وروانی خوب ہے۔

(۱) تقویۃ الایمان (اردو ترجمہ) صفحات: ۱۶۱، ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

(۲) فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور مسائل قربانی، صفحات: ۲۸، ناشر، شبان المسلمین بنارس۔

وفات:

آپ کو ٹی بی کا مرض تھا، جو بڑھاپے میں عود کر آتا تھا، اس لیے اکثر دوا کا استعمال کرتے تھے۔ کبھی تندرست رہتے اور کبھی بیمار ہو جاتے۔ بالآخر ۶/اگست ۱۹۹۷ء کو دل کا دورہ پڑا۔ لیکن علاج ومعالجہ سے افاقہ ہوگیا۔ ۷/دسمبر ۱۹۹۷ء کو دوبارہ دل کا دورہ پڑا۔ سیوا سدن ہسپتال بنارس میں ایڈمٹ کئے گئے اور ۱۰/دسمبر ۱۹۹۷ء چہار شنبہ کی شب پونے تین بجے انتقال کیا۔ دوسرے دن شیخ الجامعہ احسن جمیل مدنی سلفی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

عبدالوہاب آروی

(۱۸۸۱ء-۱۹۸۳ء)

خاندانی پس منظر:

آپ کے خاندان کے اکابرین نے سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی تحریک جہاد میں شرکت کی تھی اور معرکہ بالاکوٹ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

آپ کے والد محترم تاجر اور صاحب ثروت تھے، علاقے میں آپ کا کافی رعب و دبدبہ تھا۔ عوام وخواص سبھی لوگ آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

پیدائش:

آپ ضلع بھوجپور کے ایک گاؤں ڈومریا میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ اٹھائیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ کے موقع سے شائع شدہ ''یادگار مجلّہ'' میں آپ کی جائے پیدائش شہر الہ آباد کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ کے اکلوتے بیٹے جناب عبدالتواب نے آپ کے الہ آباد میں پیدا ہونے کی یہ کہتے ہوئے تردید کی ہے کہ ''میرے والد صاحب کی پیدائش صوبۂ بہار کے مشہور ومعروف ضلع بھوجپور کے ایک گاؤں ڈومریا میں ہوئی تھی۔''

اس بات کی تائید آپ کی سند اجازت سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ کی نسبت ڈومریاوی مرقوم ہے۔ یہ سند اجازت آپ کے استاد مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی نے آپ کو دی تھی۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا وہاں سے میرٹھ پہنچ کر دارالحدیث خندق (میرٹھ) میں داخلہ لیا۔ پھر آپ نے مدرسہ سعیدیہ

(دہلی) میں داخلہ لے کر مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی سے حدیث، تفسیر اور دیگر علوم شرعیہ پڑھ کر سند اجازت حاصل کی۔

اساتذۂ کرام:

آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا عبدالنور در بھنگوی اور آپ کے بڑے بھائی مولانا ثناء اللہ بہاری رحمہم اللہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

علمی مقام:

آپ علوم شرعیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ حدیث وتفسیر، فقہ، اصول فقہ کے علاوہ منطق وفلسفہ اور علم کلام بھی آپ کا خاص میدان تھا۔ ان علوم وفنون میں آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ ایک بے باک خطیب اور کامیاب داعی الی اللہ تھے۔ علوم شرعیہ کے علاوہ علم طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

آرہ میں منتقلی:

آپ اپنے آبائی وطن ڈومریا ضلع بھوجپور سے ۱۹۳۱ء میں اپنے پورے اہل وعیال کے ساتھ آرہ منتقل ہو گئے اور محلہ دودھ کٹورا میں مقیم ہو گئے، اسی مناسبت سے آپ آروی کہلائے۔

تدریسی خدمات:

آپ ایک کامیاب مدرس تھے۔ آپ نے دارالحدیث خندق میرٹھ میں تدریسی فرائض انجام دیئے، آپ اس مدرسہ کے صدر اور منتظم بھی رہے۔

آپ نے مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، جامعہ دارالسلام عمر آباد، مدرسہ مطلع العلوم خندق میرٹھ اور کولکاتا میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر بھی فائز رہ کر دارالعلوم کی عظیم خدمت کی۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے انوار احمدیہ کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے شاگردوں کی فہرست میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ شامل ہیں۔ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (صاحب مرعاۃ المفاتیح)، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری (صاحب تصانیف کثیرہ)، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالجلیل رحمانی ششہنیاں، مولانا عبدالواحد عمری، مولانا خلیل احمد رحمانی ٹکریاوی اور مولانا عبدالمتین صاحب وغیرہم کا نام کافی مشہور ہے۔

مناظرہ:

آپ نے درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور طبابت کے ساتھ مختلف فرقہ کے لوگوں سے مناظرے بھی کیے ہیں۔

آپ کی زندگی کے دو مناظرے قابل ذکر ہیں:

(۱) ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان کسی سال آپ نے آریہ سماج کے ایک متشدد پنڈت سے مناظرہ کیا۔ اس نے رام اور رحیم کو ایک ہی ذات قرار دے کر لوگوں کو بھٹکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مسلمان تین دنوں تک کافی پریشان رہے پھر مولانا کے پاس آئے۔ آپ نے پہلے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا پھر اصرار پر آپ نے مناظرے کی دعوت قبول کرلی اور مناظرہ کر کے جیت گئے۔

(۲) دوسرا مناظرہ آپ نے کٹک اڑیسہ میں بریلویوں سے کیا۔ بریلویوں نے اپنی ہار کے آثار دیکھ کر حنفیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے تقلید کے مسئلے کو چھیڑ دیا، جب آپ نے تقلید کے مسئلہ کی وضاحت فرمائی تو حنفی بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور بریلویوں سے جاملے۔

تنظیمی خدمات:

آپ تنظیمی صلاحیتوں سے مالامال تھے۔ حکمت وتدبر، عقلمندی اور دانش مندی میں اپنی

مثال نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مختلف تنظیموں اور تحریکوں کی قیادت کی اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے ذریعہ ملک وملت کو زبردست فائدہ پہنچایا۔ ذیل میں آپ کی تنظیمی خدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے:

مرکزی جمعیت اہل حدیث:

۲۸/اکتوبر ۱۹۴۴ء کے اجلاس عاملہ زیر صدارت سید فرید سلفی بمقام کوٹھی حاجی عبدالکریم پھاٹک جبش خاں دہلی میں آپ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور انتخاب ۱۹۷۲ء تک صدارت کے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ آپ نے سب سے طویل عرصہ تک کانفرنس کی قیادت کی۔ آخری اجلاس منعقدہ ۱۹۴۴ء بمقام دہلی کی صدارت آپ نے ہی فرمائی تھی۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات اور تقسیم ہند کے نتیجہ میں جماعت کا شیرازہ بری طرح منتشر ہوچکا تھا۔ پھر حالات کے سازگار ہونے کے بعد آپ ہی نے جماعت کی نئے سرے سے شیرازہ بندی کی اور دوبارہ شورائی نظام قائم کر کے ملک میں دعوت وتبلیغ اور اجلاس عام کا سلسلہ جاری کیا۔

چنانچہ ۱۹۴۷ء کے بعد عاملہ کا پہلا سہ روزہ اجلاس ۱۸/جولائی ۱۹۵۲ء کو مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں آپ ہی کے زیر صدارت ہوا جس میں آپ دوبارہ صدر کانفرنس اور حاجی محمد صالح نائب صدر اور مولانا عبدالجلیل رحمانی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ آپ ہی کے دور صدارت میں نومبر ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا پچیسواں اجلاس عام منعقد ہوا جس کے نتیجہ میں جامعہ سلفیہ بنارس جیسا عظیم دینی، علمی اور سلفی ادارہ وجود میں آیا۔

جمعیت علماء ہند:

یہ تنظیم جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں شیخ المناظرین مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید داود غزنوی وغیرہما کی دعوت پر ہندوستانی علماء کے ایک اجتماع

میں قائم کی گئی۔ مولانا آروی رحمہ اللہ سب سے پہلے ۱۹۲۲ء میں جمعیت علماء ہند کے صدر مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی دعوت پر گیا میں منعقد جمعیت کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اسی میں آپ کو مجلس منتظمہ کا ممبر چنا گیا اور جمعیت سے آپ کا یہ تعلق تادیر قائم رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶؍اپریل ۱۹۷۲ء میں جمعیت کی مجلس عاملہ نے آپ کو صدر منتخب کرلیا۔ اس کے بعد مرکزی جمعیت علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ کا ۲۲ اور ۲۳؍دسمبر ۱۹۷۲ء مطابق ۱۵-۱۶؍ذی القعدہ ۱۳۹۲ھ کو آپ کی صدارت میں تیسواں اجلاس ہوا، جس میں بہت سے اہم امور طے پائے۔ (دیکھئے: یادگار مجلّہ الجمعیہ ۲۰۰۰ء دہلی، صفحہ: ۱۳۱)

ان تنظیموں کے علاوہ بھی آپ نے مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی رکنیت اختیار کی اور اپنی صلاحیتوں اور تجربات سے علماء اور عوام الناس کو خوب خوب استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔

مسلم وقف ایکٹ بل:

تقسیم ہند کے بعد جب ہندوستانی پارلیمنٹ میں مسلم وقف ایکٹ بل پیش ہوا تو اس میں جماعت اہل حدیث کو بالکل نظر انداز کردیا گیا تھا۔ آپ نے اس بل کو جماعت اہل حدیث کے خلاف کھلا چیلنج تصور کیا اور کانفرنس کی جانب سے اس میں آئینی ترمیمات مرتب کرکے پارلیمنٹ بھیج دیا اور پوری جرأت مندی کے ساتھ حکومت کے اعیان کو یہ باور کرایا کہ جماعت اہل حدیث ہندوستان کی مسلم جماعتوں میں ایک اہم اور مثالی جماعت ہے اور مسلم وقف بل میں اس جماعت کو نظر انداز کرنا جمہوریت اور سیکولرزم کے منشا کے خلاف ہے۔ آپ کے اس جرأت مندانہ اقدام کا یہ اثر ہوا کہ ۱۹۵۴ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ نے جو مسلم وقف ایکٹ بنایا تو اس میں ہندوستان کے سنی مسلمانوں میں جماعت اہل حدیث کا نام سرفہرست رہا۔

شاہ سعود کی آمد:

ہندوستان کی آزادی کے بعد مولانا آروی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے شاہ سعود کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ انہیں دونوں کی دعوت پر ۱۹۵۵ء میں شاہ سعود رحمہ اللہ

ہندوستان آئے اور سترہ روز تک اس ملک میں قیام فرمایا۔ آپ نے متعدد مقامات کا دورہ کیا، مختلف جماعتوں اور تنظیموں نے آپ کی خدمت میں سپاس نامے پیش کئے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے بھی آپ کا پرتپاک استقبال کیا اور دہلی کے لال قلعہ میں ان کی خدمت میں مولانا آروی رحمہ اللہ نے کانفرنس کی طرف سے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو سپاس نامہ پیش فرمایا اور اہل حدیثان ہند کی نمائندگی فرمائی۔

مولانا کی عائلی زندگی:

مولانا آروی رحمہ اللہ کی شادی ضلع شاہ جہاں آباد کے شہر رامپور میں ہوئی تھی۔ آپ کے صرف ایک لڑکے عبدالتواب اور تین لڑکیاں سعیدہ خاتون، نجمہ خاتون اور زیب النساء، ہوئیں۔

وفات:

علوم وفنون کا یہ کوہ گراں، حق وصداقت کا علمبردار اور سلفیت کا داعی ومناد اپنی زندگی کی ایک صد بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں اس جہان فانی سے دار بقاء کو کوچ کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نماز جنازہ میں بڑی تعداد نے شرکت کی اور اپنے محبوب عالم دین کو سپرد خاک کر دیا۔

عبدالوہاب خلیل سلفی

دکتور عبدالوہاب بن خلیل الرحمٰن سلفی رحمہ اللہ یکم اگست ۱۹۴۹ء کو بھٹ پراٹولہ پنڈت پور کے ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولانا خلیل الرحمٰن اور دادا مولانا قربان علی دونوں ایک بلند پایہ عالم گزرے ہیں۔، جنہوں نے مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا کو ۱۹۱۵ء میں قائم کیا۔

مولانا عبدالوہاب نے ابتدائی تعلیم معہد مفتاح العلوم میں حاصل کی۔ پھر جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور سدھارتھ نگر ایک سال تعلیم حاصل کی، مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ فیض عام میں داخلہ لیا۔ ایک سال کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمیت سال اول میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں وہاں سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد کچھ مدت گھر پر یوں ہی رہے کی اسی اثناء ۱۹۷۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ سے منظوری آ گئی۔ وہاں ۴ سال اکتساب علم کر کے ۱۹۸۷ء میں B.A. کی ڈگری حاصل کی۔ پھر مزید حصول علم کے لیے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں داخلہ لیا اور وہیں ''الرد علی الرافضہ'' نامی کتاب کی تحقیق کر کے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر دار الحدیث الخیریہ مکہ مکرمہ میں بحیثیت استاد و مدرس مقرر ہوئے اور اہل وعیال کے ساتھ وہیں مقیم ہو گئے۔

آپ علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم وتعلم سے آپ کے خاندان کے لوگوں کا رشتہ برقرار رہا۔ آبائی مدرسہ معہد مفتاح العلوم کی ذمہ داری تاحیات نبھاتے رہے۔

مولانا قربان علی، مولانا خلیل الرحمٰن اور مولانا عبدالوہاب اصلا شہر فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کے خلاف ناکام تحریک چلی اور انگریزوں نے جب کامیابی حاصل کر لی تو وہاں کے ہندوستانی فوجیوں کو گرفتار کرنے لگے۔ چونکہ مولانا قربان علی کا تعلق فوج سے تھا اس لیے فیض آباد سے بھاگ کر بھٹ پرا آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہے۔

آپ کے برادران سیف الاسلام، مولانا عبدالآخر اور مولانا عزیز الرحمٰن سلفی سبھی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور آپ کے لڑکے محمد، احمد، اور عبدالرحمٰن جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے تعلیم یافتہ ہیں امید ہے کہ یہ سب اپنے والد محترم کے سچے وارث اور جانشین ہوں گے۔

موصوف اپنے بچوں کے ساتھ طائف گھومنے گئے تو وہیں دل کا دورہ پڑا اور ۱۹ رجولائی ۲۰۰۶ء بروز بدھ وار ساڑھے ۵ ربجے دن بعمر ۵۶ سال انتقال فرما گئے۔ حرمین میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت المعلاۃ میں دفن کیے گئے۔ موصوف ذیابطیس کے مریض تھے

اور کافی عرصہ سے امراض قلب میں بھی مبتلا تھے۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے تصنیف وترجمہ سے بھی لگاؤ رکھا۔آپ کی تالیفی خدمات درج ذیل ہیں۔

(۱) الرد علی الرافضة– تحقیق و دراسه– یہ ماجستر کا رسالہ ہے۔

(۲) الدعوة السلفیه فی شبه القارة الهندیه– یہ پی۔ایچ۔ڈی کا رسالہ ہے۔

(۳) انسان ایک عجیب مخلوق (ترجمہ) اردو

(۴) شہادتین-مفہوم اور تقاضے (ترجمہ) اردو

(۵) مجلس میلاد کا حکم (ترجمہ) اردو (۶) نماز (ترجمہ) اردو

دعوتی وتنظیمی خدمات:

والد گرامی کے انتقال کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا کے ناظم رہے۔سوہانس بازار (ضلع سدھارتھ نگر) میں ''مرکز الدعوة السّلفیة'' قائم کیا۔اس مرکز کے ذریعہ تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور رفاہی اعمال انجام دئے گئے۔اس کے اشراف میں کئی مساجد تعمیر کی گئیں۔آپ دارالحدیث الخیریہ (مکہ مکرمہ) کے مجلس تاسیسی کے ممبر رہے۔مکہ مکرمہ کی ۳۵ سالہ زندگی میں دعوت وتبلیغ کے بہت سارے کام کئے۔مختلف موضوعات پر دروس ومحاضرات کا سلسلہ جاری کیا۔آپ کے اردو خطابات کی بہت ساری آڈیو کیسٹس ہیں جن سے عوام مستفید ہورہے ہیں۔

عبدالوہاب سلفی

(۱۸۷۵ء-۱۹۵۰ء)

مولانا عبدالوہاب بن محمد شجاعت علی

مقام وپوسٹ: بندھولی، تھانہ جالہ، ضلع دربھنگہ۔

تاریخ پیدائش: ۱۸۷۵ء موافق ۱۲۹۲ھ۔

خاندانی پس منظر:

جس وقت سے یہ خاندان آباد ہے علمی وجاہت، مال وثروت کے لحاظ سے تقریبا اطراف وجوانب میں اپنی نظیر آپ ہے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی میاں الٰہی بخش اور مولوی خیرات علی وغیرہم سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ نستہ میں داخل ہوئے۔ جب مدرسہ امدادیہ نستہ سے دربھنگہ منتقل ہوا تو آپ بھی نستہ سے دربھنگہ آگئے پھر وہاں سے مدرسہ اسلامیہ جھگروا مسجد دربھنگہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ وہاں کے مشہور استاذ مولانا محمد مرتضیٰ آپ کے اتالیق اور مشفق استاذ تھے۔ وہاں تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ احمدیہ آرہ میں داخلہ لیا اور ہیں سے اپنی تعلیم مکمل کر کے ۱۳۲۰ھ میں فارغ ہوئے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ سے فارغ ہونے والے گروپ میں آپ کا گروپ دوسرا تھا۔

قابل قدر خدمات:

آپ نے معاش کے تلاش میں مختلف شہروں کا سفر کیا۔ آخر میں جوتے کی ایک دوکان کانپور میں کھولی۔ اسی درمیان آپ کا تعلق تحریک شہیدین سے ہوا۔ بہار وبنگال اور پوربی علاقوں سے خبر رسانی کا صدر مقام کانپور کو بنایا گیا اور اس کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔ خراسان سے متعلق سارے کاغذات اپنی دوکان یا رہائش گاہ (مسجد کا حجرہ جہاں قیام تھا) میں نہیں رکھتے تھے بلکہ جماعت کے دو غریب افراد شیخ نتھو وشیخ چھیدی کے یہاں رکھتے تھے۔

رمضان کا مہینہ تھا آپ بعد افطار آگرہ کے لیے روانہ ہوئے تاکہ عید کے لیے نیا مال لائیں۔ کانپور ریلوے اسٹیشن پر پولیس نے وارنٹ دکھلا کر گرفتار کرلیا، پھر نہایت خاموشی سے کوتوالی لے گئی اور فوراً ہی آپ کی دوکان اور رہائش گاہ کا محاصرہ کر کے تلاشی لی، مگر

سوائے کاروباری کاغذات کے کچھ نہیں ملا۔

راتوں رات آپ کو دہلی، پھر لاہور جیل میں منتقل کر دیا۔ جیل میں ایک ماہ رہے۔ اس وقت جیلر، مولانا محمد صالح کے ہم سبق پنجابی کے داماد تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ساتھی کو خط لکھا۔ اور انہوں نے اپنے داماد کو خط لکھا۔ جیلر صاحب نے اپنی رپورٹ میں آپ کے تعلق سے کچھ اس طرح لکھا کہ آپ جلد رہا ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ بہت دفعہ خراسان بھی گئے اور وہاں فوجی ٹریننگ لی۔ آپ کے ساتھ آپ کے علاوہ حکیم عبدالحئی، حاجی محمد ہاشم وحاجی محمد خلیل بھی متعدد بار خراسان گئے اور ہاں فوجی ٹریننگ لی۔

وفات:

آپ نے ۳۱ رجنوری ۱۹۵۰ء موافق ۱۳۶۹ھ بدھ کا دن گزار کر تقریباً دس بجے رات بعمر ۷۷ سال وفات پائی اور تجہیز و تکفین یکم فروری کو انجام پائی۔ جب ڈاکٹر محمد فرید علیہ الرحمہ کو آپ کے وفات کی خبر ملی تو آپ نے خبر بھیجی کہ میرے آنے کا انتظار کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے آنے کا انتظار کیا گیا، بعد نماز ظہر آپ نے ہی جنازہ کی نماز پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اللہم اغفرلہٗ وارحمہ

عبدالوہاب دہلوی

(۱۸۶۴-۱۹۳۲ء)

مولانا عبدالوہاب دہلوی بن الحاج محمد بن میاں خوشحال

ساکن: واسو آستانہ، ضلع جھنگ، پنجاب (موجودہ پاکستان)

تاریخ پیدائش: ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۰ھ (واسو آستانہ)

خاندانی حالات:

آپ کے والد گرامی محمد حج بیت اللہ سے سرفراز ہو چکے تھے، اس دور میں حج کرنا اور

واپس آجانا بہت بڑی بات تھی۔ پھر جب آپ ۲ سال کے ہوئے تو آپ کے والد گرامی جھنگ کی سکونت کو خیر آباد کہہ کر ملتان کے ایک مقام ''مبارک آباد'' آباد ہو گئے۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم مبارک آباد کے پرائمری مدرسہ میں حاصل کی۔ وہیں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اپنے چھوٹے بھائی نور محمد کو ساتھ لے کر لکھو کے پہنچے اور وہاں کے ''مدرسہ محمدیہ'' میں داخلہ لے کر صرف ونحو اور بعض مروجہ علوم کی کتابیں پڑھیں اور قرآن مجید حفظ کیا۔ وہاں سے امرتسر مولانا عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بلوغ المرام، ریاض الصالحین وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر دونوں بھائی دہلی کے لیے عازم سفر ہوئے اور وہاں میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ پرانی دہلی مسجد حفیظ اللہ خاں میں اس وقت سکونت کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس مسجد میں پنج وقتہ نماز پڑھاتے، مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے۔ مسجد کے کنویں سے دونوں بھائی پانی کھینچ کر نمازیوں کے لیے وضو کا انتظام کرتے تھے۔ یہ ساری خدمات کے صلہ میں بارہ آنے مہینے ملتے۔ اس کے دونوں بھائی ضروری کتابیں خریدتے اور کھانے پینے کا انتظام کرتے۔

اس طرح برادران تقریباً بیس سال کی عمر میں مروجہ تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ وشیوخ میں حافظ محمد لکھوی (۱۸۹۲ء) مولانا سید عبداللہ غزنوی (۱۸۸۱ء) شیخ العرب والعجم میاں نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۹۰۲ء) اور امام شوکانی کے تلمیذ خاص مولانا منصور الرحمٰن کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد دہلی میں رہ کر خدمت دین کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دہلی کے محلہ کشن گنج میں ''مدرسہ دار الکتاب والسنہ'' کے نام کا ۱۸۸۲ء میں ایک ادارہ قائم کیا اور تدریس وتعلیم میں

مصروف ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کو محلہ کشن گنج کی مسجد سے دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا تو اس کے لیے الحاج عبدالغنی نے صدر بازار کے علاقہ میں زمین خرید کر ایک عالیشان مسجد بنوادی اور مولانا کی رہائش کے لیے ایک اچھا سا مکان بھی بنوادیا۔ مولانا نے مدرسہ کو اس مسجد میں منتقل کر کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بعد میں مولانا نے رنگون کا دینی ودعوتی دورہ کیا اور جماعتی احباب سے مل کر اچھی خاصی رقم اکٹھا کر کے اس سے صدر بازار میں جگہ خرید کر مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کی۔ (یہ مسجد اور مدرسہ آج بھی پان منڈی میں موجود ہے، جس میں مولانا عبدالماجد صاحب تعلیم وتدریس دے رہے ہیں)

تلامذہ:

آپ نے کم وبیش پچاس سال تک تعلیم وتدریس اور وعظ وتقریر کا فریضہ انجام دیا۔ اس اثناء میں بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان میں سے چند مخصوص تلامذہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالجلیل سامرودی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد جونا گڑھی، امام حرم شیخ ابوالسمح عبدالظاہر مکی، مولانا عبدالستار کلانوری، مولانا عبدالجلیل اسلاموی دہلوی، مولانا عبداللہ اوڈ، مولانا عبدالعزیز میمن جونا گڑھی، مولانا عبداللہ لائل پوری، حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی، مولانا محمد اسحاق حصاروی اور مولانا محمد سورتی وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

صحیفہ اہل حدیث:

آپ نے ۱۸۸۳ء میں ''دارالکتاب والسنہ'' کے نام سے صدر میں مدرسہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ کتاب وسنت کی اشاعت کی، وہیں ۱۹۲۰ء میں ''صحیفہ اہل حدیث'' نام کا ایک ماہنامہ جاری کیا جو اٹھاسی سالوں سے پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ پہلے دہلی سے نکلتا تھا، پھر بعد میں کراچی سے شائع ہونے لگا اور آج بھی وہیں سے شائع ہو رہا ہے۔ مسلک اہل حدیث کا اس وقت یہ رسالہ سب سے قدیم رسالہ ہے جو پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

تصنیف وتالیف:

آپ کو درس وتدریس، وعظ وتبلیغ کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ درج ذیل کتب آپ نے تصنیف فرمائیں:

۱-ہدایۃ النبی المختار الی یصلی یوم الفرار

۲-الامر الکلی فی قول الرسول ''صلوا کما رأیتمونی اصلی''

۳-اقامۃ الحجۃ علی ان لافرق بین صلوٰۃ المرء والمرأۃ

۴-عربی زبان میں مشکوٰۃ شریف پر حاشیہ ۵-الدلائل الواثقۃ فی مسائل الثلاثۃ

آپ بڑے دلیر اور جرأت مند عالم دین تھے۔ بلا کسی خوف کے دھڑلے سے کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کی۔ بلا کسی خوف لومۃ لائم ہر مجلس اور ہر مقام پر نعرۂ حق بلند کیا۔ آپ نے دہلی میں کچھ ایسی سنتوں پر عمل کا آغاز کیا جس پر لوگ عمل نہیں کرتے تھے:

۱-عید کی نماز احناف مسجدوں میں پڑھتے تھے اور صرف چھ تکبیروں کے ساتھ۔ آپ وہ پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے کھلے میدان میں نماز پڑھنے کی طرح ڈالی اور بارہ تکبیروں کے ساتھ ڈالی۔

۲-عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کا اعلان کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اسی پر عمل ہونے لگا اور آج بحمد اللہ اس پر بڑی کشادگی سے عمل ہو رہا ہے۔

۳-دہلی میں نماز جنازہ سری پڑھی جاتی تھی۔ آپ نے جہری پڑھنے کو رواج دیا۔

۴-آپ نے اس فتوے کو عام کیا کہ مظلومہ عورت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ظالم شوہر سے نکاح کو فسخ کرا کے دوسری جگہ نکاح کر لے۔ پہلے تو اس کی سخت مخالفت کی گئی، لیکن بعد میں اس پر عمل ہونے لگا۔

غرباء اہل حدیث:

آپ نے ۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۱۳ھ میں ''غرباء اہل حدیث'' کے نام سے ایک جماعت کی تنظیم قائم کی تھی۔ اس کی علماء نے ہمیشہ مخالفت کی اور آپ کی امامت سے اختلاف کیا

ہے۔اس جماعت کے آپ تاحیات امیر رہے۔آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا عبدالستار دہلوی امیر بنے۔

اخلاق وعادات:

آپ بڑے خلیق تھے۔ بڑے سلجھی انداز میں تقریر فرماتے۔قرآن مجید نہایت حسن ترتیل سے پڑھتے۔ بڑی سادا زندگی بسر کرتے اور معمولی لباس پہنتے تھے۔طلباء سے محبت کا برتاؤ کرتے اور لوگوں سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔اتباع سنت میں سخت اور عام گفتگو میں بڑے نرم تھے۔تبلیغ دین میں نہایت حریص تھے۔احادیث کی کتب خریدنے کے بڑے شائق تھے۔نادر ونایاب قلمی کتاب کا کہیں پتہ چلتا تو خود جا کر اپنے ہاتھ سے نقل کرتے اور کتب خانہ کی زینت بناتے۔حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے۔آپ کو اللہ پاک نے ۹ بار حج بیت اللہ کی توفیق عطا فرمائی۔

وفات:

جماعت غرباء اہل حدیث کے بانی، مشہور عالم دین، واعظ اور اس محدث نے ۷، ۸ رجب المرجب ۱۳۵۱ھ (پیر اور منگل) کی درمیانی شب کو (گیارہ بجے کے قریب) مطابق ۱۹۳۲ء اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہا۔تمام مکتب فکر کے لوگوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے مشرقی جانب دفن کیے گئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اولاد واحفاد:

آپ نے نو بیٹے اور چھ بیٹیاں چھوڑیں۔(۱) مولانا حافظ عبدالستار (۲) حاجی عبدالخالق (۳) مولانا عبدالقہار سلفی (۴) مولانا عبدالواحد سلفی (۵) الحاج عبدالحیٰ (۶) مولانا عبدالرحمٰن مکی (۷) عبدالودود (۸) عبدالقدیر (۹) عبدالاحد۔

ان میں سے کچھ کم عمری میں وفات پا گئے اور باقی عالم، مبلغ اور داعی اور واعظ ہوئے۔ ان میں سے بعض نے قرآن مجید حفظ کیا۔

عبدالہادی جھمکاوی

(۱۲۰۵ھ تا ۱۲۶۵ھ)

مقام: زیرہ دیئی، ضلع: چھپرا، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۲۰۵ھ

خاندانی حالات:

آپ ۱۲۰۵ھ میں چھپرا ضلع کے زیرہ وٹی نامی گاؤں کے ایک معزز کائستھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام دیبی لال بن دیپ لال تھا۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قریبی رشتہ دار تھے۔ آپ کے خاندان کے تین افراد نے اپنا آبائی دھرم تبدیل کر کے مشرقی چمپارن کے جھمکا نامی گاؤں کو مسکن بنایا۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد چھپرا ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور انگریزی، اردو، فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر چھپرا ہی میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کلکتہ کے بعض کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لے کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ پھر لندن جا کر بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی اور واپس آکر چھپرا ہائی کورٹ سے وکالت شروع کی۔ بعد میں کلکتہ ہائی کورٹ میں جج مقرر ہوئے۔ اپنی مسلسل کوششوں سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آپ جب کلکتہ ہائی کورٹ میں وکیل تھے اسی زمانہ میں پٹنہ میں ایک دینی اجلاس عام منعقد ہوا جس میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید بھی شریک تھے۔ ان حضرات کی تقریر سن کر ۱۲۳۳ھ میں اسلام قبول کر لیا۔ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور سید اولاد حسن قنوجی

(نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے والد گرامی) اور دیگر شیوخ سے اسلامی علوم وفنون کا اکتساب کیا۔ اسلامی علوم وفنون میں مزید استحکام کے لیے دہلی کے علماء ومشائخ سے بھی بھر پور استفادہ کیا۔

خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ بیٹا اسلام لے آیا ہے تو انہوں نے جھکا آ کر اپنے گھر واپس چلنے کی گزارش کی، لیکن مولانا عبدالہادی راضی نہ ہوئے۔ بعد میں آپ نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سید صاحب نے آپ کو سارن اور چمپارن میں اپنا نائب بنایا۔ وہاں آپ کی دعوت وتبلیغ سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچا اور ہزاروں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اپنے بیوی بچوں میں بھی تبلیغ کی، انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا اور ساتھ میں رہنے لگے۔

مجاہدانہ کارنامے:

آپ نے جہاد بالاکوٹ کی سرگرمیوں میں عملی طور پر حصہ لیا اور بنفس نفیس شریک ہوئے اور تاحیات تحریک سے وابستہ رہے۔ انگریزوں کے مکروفریب سے عوام کو آگاہ کیا اور مجاہدین کے ساتھ پٹنہ واپس لوٹے۔ آپ جہاں ایک اچھے عالم دین اور خطیب تھے وہیں ایک اچھے مناظر بھی تھے۔ آپ کی کوششوں سے چمپارن، سارن، دمکا، دارجلنگ، بنگال اور مضافات کے علاقوں کے لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور عقائد باطلہ بدعات اور رسوم ورواج سے توبہ کی۔

۱۲۶۵ھ میں حج بیت اللہ کے ارادے سے ممبئی تشریف لے گئے کہ ناگہاں فالج کا حملہ ہوا اور وہیں انتقال کر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

عبدالودود دیوان

مولانا عبدالودود دیوان بن مولانا شہاب الدین دیوان

ساکن: کوکیلا، پوسٹ: کوکیلا، تھانہ: آبھایاپوری، ضلع بونگائی گاؤں۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۴۴ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد اور جد امجد کا شمار آسام کے مشہور علمائے اہلحدیث میں ہوتا ہے، آپ کے دادا منشی منیر الدین دیوان، بنگلہ دیش کے ایک ضلع میمن سنگھ میں سوسال قبل پیدا ہوئے۔ تقریبا سو سال سے کوکیلا، بونگائی گاؤں میں اپنے خاندان سمیت مقیم ہوئے۔

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم کوکیلا پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے رنگیا عربک کالج میں داخل ہوئے، اور وہاں سے ممتاز المحدثین (M.M) کی ڈگری حاصل کی، جنرل تعلیم کے لئے ہیلا پاکوڑی، حولی، بارپیٹا، ہائی مدرسہ کی طرف رخ کیا اور وہاں علم دنیا اور علم دین سے ہمکنار ہوئے۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا اسلام الدین ازہری، مولانا نذیر احمد (اعظم گڑھ)، مولانا عبدالودود (اعظم گڑھ)

قابل ذکر تلامذہ:

عبدالعزیز دیوان (پروفیسر بنو جاتی کالج بارپیٹا، عبدالشکور (مجسٹریٹ ضلع دھوبوری، عبدالصمد چودھری (وکیل گوہاٹی ہائی کورٹ)

قابل قدر خدمات:

آپ نے سب سے پہلے آسام میں ایک اہلحدیث مدرسہ قائم کیا جو اس وقت سونپورہ بارپیٹا (آسام) میں واقع ہے۔ ۱۹۳۹ء میں سرکاری ہائی اسکول چکلہ میں عربی ٹیچر کی حیثیت سے داخل ہوئے اور یہاں ۱۹۷۶ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ہزاروں طلباء نے آپ سے عربی میں استفادہ کیا۔

سرکاری خدمات کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ دینی اور جماعتی خدمات کو بھی اچھی طرح انجام دیتے رہے۔ سب سے پہلے ۱۹۷۳ء میں تمام اہلحدیث کے بکھرے ہوئے افراد کو ایک کڑی میں لانے کے لیے آل آسام اہلحدیث کانفرنس کی جمیر گول، بارپیٹا ضلع میں بنیاد ڈالی جو آج بھی ان کے نقش قدم پر ہر سال جاری ہے۔ اس کانفرنس میں بنگال اور آسام کے ممتاز عالم شیخ عین الباری عالیاوی تشریف لائے تھے۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تا حیات جمعیت اہلحدیث کے صدر کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ اپنی حیات میں ۱۹۷۱ء میں گونپال گوری عربک کالج اور گونپال گوری ہائی اسکول اور کالگاچھیا جنرل کالج کی تعمیر میں شریک کار رہے۔ آپ عوام الناس کے لیے تعلیمی، تعمیری اور فلاحی ہر طرح کی امداد میں ہاتھ بٹاتے رہے۔

امامت وخطابت:

کوکیلا اہلحدیث جامع مسجد میں امامت وخطابت کی خدمت تا حیات انجام دی، مختلف گاؤں اور قصبوں میں جا کر قرآن وسنت کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔

عبید الرحمٰن عاقل رحمانی

مولانا عبید الرحمٰن عاقل رحمانی بن مولانا محمد ابراہیم

موضع: پیغمبر پور، ضلع: دربھنگہ، بہار۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۰ء (پیغمبر پور)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر اپنے والد گرامی مولانا محمد ابراہیم سے حاصل کی۔ پھر دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لے کر اپنے والد کی تربیت میں (جو وہاں مدرس تھے) فضیلت تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے سند فراغت مکمل کرنے کے بعد مزید اجازہ وسند کے حصول کی غرض سے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور دو سال تک شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ

پرتاپ گڑھی، مولانا سکندر علی ہزاروی اور دیگر مشاہیر اساتذہ سے فن حدیث، معقولات اور دوسرے مروجہ فنون کی تکمیل کر کے ۱۹۲۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

تدریسی مراحل:

تکمیل تعلیم کے بعد جامعہ دارالسلام عمر آباد (تامل ناڈو) میں تقرری ہوئی اور وہاں سترہ سال تک بحیثیت استاد تعلیمی و تدریسی خدمت انجام دی۔ دوران قیام عمر آباد انگریزی کی تعلیم پر توجہ دی اور لکھنے پڑھنے نیز ترجمہ کرنے کی بھرپور صلاحیت پیدا کر لی۔ تقسیم ملک سے پہلے مذہبی فسادات کے پھیلنے کے بعد وطن واپس چلے آئے۔

۱۹۴۷ء کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں بحیثیت صدر المدرسین و شیخ الحدیث تشریف لائے اور تادم واپسیں یہیں خدمت انجام دیتے رہے۔ دوران تدریس بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ مدرسہ سے نکلنے والے مجلّہ ''الہدیٰ'' کی ادارت بھی فرمائی۔ جمعیت ابنائے سلفیہ کے کافی عرصہ تک صدر بھی رہے۔

قابل ذکر اساتذہ:

والد گرامی مولانا محمد ابراہیم، مولانا سعید احمد (اسراہا)، مولانا عبدالحق (کنور) منشی دلاور حسین (پیغمبر پور) یہ بھی ابتدائی مرحلے کے اساتذہ ہیں۔ دارالعلوم کے اساتذہ میں: سید نذیر الدین بنارسی، اصغر علی چھپراوی، مولانا بخش خاں (بڑاکری) ابو طاہر بہاری۔ دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ میں: شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاپ گڑھ، سکندر علی ہزاروی وغیرھم۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر حبیب المرسلین، پروفیسر خلیل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالعزیز سلفی، مولانا خورشید عالم مدنی، مولانا محمد علی سلفی، مولانا محمد اشفاق سلفی مدنی وغیرہم۔

تصنیفات:

آپ کو جس طرح تعلیم وتدریس میں ملکہ حاصل تھا، اسی طرح تصنیف وتالیف، ترجمہ وتعلیق میں بھی یکتا ویگانہ تھے۔ آپ کی تصنیفی وتالیفی خدمات درج ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر جواہر (علامہ طنطاوی کی تفسیر کا اردو ترجمہ) ۲ جلدیں، صرف ایک ہی جلد چھپ سکی ہے۔ (۲) شان خدا (مطبوعہ بجنور)

(۳) شان رسول (کارلائل کی کتاب Hero and Heroworship کے ایک باب کا اردو ترجمہ)

(۴) دور بنوامیہ میں علم وفن (غیر مطبوع، کچھ حصہ ''الہدیٰ'' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے)

(۵) زہریلا بوسہ (ناول، غیر مطبوع) (۶) کالج کی بیٹی (ناول، غیر مطبوع)

(۷) برادر خورد کی سوانح حیات (غیر مطبوع) (۸) تاریخ اہلحدیث ترہت (غیر مطبوع)

(۹) سوانح عمری (بانی دار العلوم عمر آباد کی سوانح - غیر مطبوع)

(۱۰) النوامیس الفکریہ (عربی) مطبوع (۱۱) النوامیس الالہیہ (عربی) مطبوع

بحیثیت شاعر:

آپ ایک کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔ علامہ محوی لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ نے کتنی ہی غزلیں ونظمیں کہیں، لیکن سب ضائع ہوگئیں۔ دو شعری مجموعے جو طباعت کے لیے تیار تھے چوری ہوگئے۔

آپ نے اپنی مختصر عمر میں ایک عظیم معلم، مدرس، مصنف، خطیب وشاعر اسلام کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ علم ودانش کے اس پیکر نے ۵/ جولائی ۱۹۸۲ء مطابق ۱۳/ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ بروز دوشنبہ اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

آپ کی شخصیت پر ضیاء وارث شمس صاحب ریسرچ کر رہے ہیں۔

شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی

مبارکپوری رحمہ اللہ

(۱۳۲۷ھ۔۱۴۱۴ھ)

شیخ الحدیث، ابوالحسن علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری بن مولانا عبدالسلام (صاحب سیرۃ البخاری) مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی۔

خاندانی پس منظر:

سرزمین مبارکپور کی خوش بختی ہے کہ اسے سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ترکہ کا ایک وافر حصہ ملا اور مولانا محدث مبارکپوری نے اسے تاحیات زندہ رکھا۔ آپ نے میاں صاحب سے براہ راست استفادہ تو نہیں کیا لیکن ان کے شاگردوں میں علامہ عبدالسلام مبارکپوری ''صاحب سیرۃ البخاری''، شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ پرتاپ گڑھی، محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری سے علم الحدیث میں استفادہ کرکے اس سلسلۃ الذھب کی ایک سنہری کڑی بن گئے اور اپنے استاد کبیر صاحب تحفہ الاحوذی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرعاۃ المفاتیح جیسی ایک مستند اور معتمد علیہ شرح کا آغاز کیا، جسے کتاب البیوع تک نو ضخیم جلدوں میں پورا کیا۔

آپ کی ولادت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے ابوالحسن عبید اللہ بن محمد عبدالسلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین۔ مورث اعلیٰ حسام الدین مجاہدین بالاکوٹ میں سے تھے اور ۱۲۴۴ھ میں سرحد کے کسی علاقہ میں فرنگیوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

تعلیمی مراحل:

آپ کے والد گرامی مولانا عبدالسلام آپ سے حد درجہ محبت کرتے تھے۔ چنانچہ جہاں درس وتدریس کے لئے جاتے، وہاں آپ کو ساتھ رکھتے۔ جب آپ پڑھنے لکھنے کی عمر کو

لہذا آپ پہنچے تو اس وقت والد گرامی جامعہ عالیہ مئوناتھ بھنجن میں مسند تدریس پر فائز تھے، لہذا آپ نے اسی مدرسہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور تین سال اس جامعہ میں رہ کر اردو، فارسی کی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید کے تقریبا ۱۲ پارے حفظ کئے۔

۱۹۱۷ء میں جب آپ کے والد گرامی مولانا عبدالسلام جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (بلرام پور) بحیثیت مدرس تشریف لے گئے تو آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے، چنانچہ آپ نے وہاں کافیہ، شرح جامی، شرح الوقایہ، مشکوۃ المصابیح، سراجی، شرح تہذیب، قطبی اور متنبی وغیرہ کی تعلیم اپنے والد گرامی کی زیر سرپرستی اور زیر تربیت رہ کر حاصل کی۔

۱۹۲۳ء میں جب والد گرامی دارالحدیث دہلی گئے تو وہاں بھی آپ کو ساتھ لے گئے۔ آپ نے وہاں داخلہ لیکر دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے مقررہ نصاب سے فضیلت تک کی تعلیم مکمل کی۔ بخاری ومسلم اور موطاامام مالک شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاب گڑھی سے پڑھی، ہدایۃ الحکمۃ، شمس بازغہ، شرح مسلم حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی، شرح مواقف التصریح، شرح چغمینی، مسلم الثبوت وغیرہ مولانا غلام یحییٰ کانپوری سے۔ نورالانوار، تفسیر جلالین، جامع ترمذی، مقامات حریری، دیوان حماسہ مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسوی سے۔ ، ہدیہ سعیدیہ، سنن ابی داؤد مولانا ابوطاہر بہاری سے۔ مقدمہ ابن خلدون، شمس بازغہ (کچھ حصہ) مولانا عبدالغفور جیراجپوری سے، الفوز الکبیر مولانا محمد اسحاق آروی سے۔ صدرا، شرح مطالع مولانا عبدالوہاب آروی سے۔ اور تفسیر بیضاوی کا کچھ حصہ مولانا محمد گوندلوی سے پڑھا۔ ایام تعطیل میں گھر پر محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری سے ترمذی، شرح نخبہ اور مقدمہ ابن صلاح پڑھ کر سند اجازت حاصل کی۔

۱۳۴۵ھ میں آپ دارالحدیث رحمانیہ سے فارغ ہوئے تو اسی سال شوال سے آپ دارالحدیث رحمانیہ میں مدرس مقرر ہوئے اور لگ بھگ اٹھارہ سال تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اسی دوران ۱۹۳۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک شیخ الحدیث رہے اور تا حیات مستفتی حضرات کے سوالات کے جوابات تحریر فرماتے رہے۔

دوران تدریس جب مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی بینائی حد درجہ کمزور ہوگئی تو تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کے کام کی تکمیل میں ہاتھ بٹانے کے لیے دارالحدیث رحمانیہ کی طرف سے دو سال کے لیے آپ مبارکپور تشریف لے گئے۔ اور اپنے رفیق کار مولانا عبدالصمد حسین آبادی مبارکپوری (مولانا کے سالے) اور مولانا محمد صاحب لاہوری پنجابی کے تعاون سے تحفہ کی تیسری اور چوتھی جلد کی تکمیل میں تعاون کیا۔ اور مؤلف تحفۃ الاحوذی کے انتقال کے بعد مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی تکمیل اور نظر ثانی بالترتیب حضرت مولانا عبدالصمد مبارکپوری اور صاحب ترجمہ شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہما اللہ نے کی۔ پھر واپس دارالحدیث آگئے۔ اس دوران آپ کو مدرسہ کی طرف سے مشاہرہ ملتا رہا۔ وہاں آپ کو جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، بخاری شریف اور موطا مالک کی تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی سونپا گیا۔

محدث کی ادارت:

دارالحدیث رحمانیہ سے ایک ماہنامہ بنام ''محدث'' نکلتا تھا، جس کے ایڈیٹر پیغمبر پور (ضلع دربھنگہ) کے مولانا عبدالحلیم ناظم تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اکتوبر ۱۹۳۵ء سے اسکی ادارت کی ذمہ داری حضرت الشیخ اور مولانا نذیر احمد املوی کے سر ڈال دی گئی۔ چنانچہ مولانا املوی مدیر مسئول اور آپ مدیر تھے۔ پھر ۱۹۳۸ء سے نگران اصول کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ بعد میں عوام الناس کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے فتاوی کے باب کا اضافہ کردیا گیا جس میں آپ کے پُر از معلومات افادات پر مشتمل فتاوی پابندی سے شائع ہوتے تھے۔

تلامذہ:

شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ۱۸ سالوں تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اس مدت میں کتنے لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا اس کا شمار مشکل ہے۔ پھر بھی چند چیدہ وچنندہ مستفیضین کی ایک مختصر فہرست درج ہے۔

عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، عبدالمعید بناری، زین اللہ طیب پوری، عبدالجلیل

رحمانی، محمد اقبال رحمانی، محمد اویس آزاد رحمانی، عبدالرحیم بستوی، محمد زماں رحمانی، عبدالغفار حسن رحمانی، خلیل رحمانی، حکیم عبیداللہ رحمانی (رائے بریلی)، عبدالحکیم مجاز اعظمی، محمد عابد رحمانی، احمد اللہ رحمانی دلال پوری بنگالی، عبدالقیوم دودھونیاں، عبدالصبور اکرہرا، محمد یوسف رحمانی بہرائچی، محمد مسلم رحمانی مالدہ بنگال، عبدالستار رحمانی مالدہ بنگال، محمد حسن رحمانی اونروہوا (ضلع بلرام پور)، محمد امین اثری رحمانی (علی گڑھ) حکیم محمد اسحاق رحمانی، حافظ عبدالخالق رحمانی، مطیع اللہ رحمانی، محمد یوسف رحمانی لہباوی، عبداللہ کڑوی، ظہیرالدین رحمانی (کرنول) عبدالرحیم رحمانی فیصل آباد (پاکستان) رضاء اللہ نبیرہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، امام الدین رحمانی وغیرہم۔

برصغیر کے ان علماء کے علاوہ بیرون ہند کے جن علماء نے حضرت الشیخ سے سند اجازہً حاصل کی ان میں شیخ اسماعیل الانصاری باحث دار الافتاء الریاض، عبدالوہاب حلبی دمشق، الشیخ صبحی صالح سامرائی عراق، شیخ سیف الرحمٰن دہلوی مدینہ منورہ، دکتور ربیع بن ہادی مدخلی، شیخ عمر فلاتہ، مدینہ وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تالیف وتصنیف:

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں دار الحدیث رحمانیہ بند ہوگیا تو اس کے ساتھ ہی آپ کا تدریسی سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ اور آپ ایک سال تک گھر ہی پر مقیم رہے۔ جب یہ بات مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا حافظ محمد زکریا (پاکستان) کے علم میں آئی تو دونوں صاحبان نے آپ سے تحشیہ مشکوٰۃ المصابیح لکھنے کی پیش کش کی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمالیا اور ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۷ھ سے تحشیہ کا کام شروع کردیا۔ تکمیل تحشیہ کا کام اندازاً چار سال کا تھا۔ لیکن شیخ نے تو مختصر تعلیقات وحواشی کا کام شروع کیا لیکن آپ کی مہارت فی الحدیث، جامعیت اور غزارت علمی نے قلم کو سیّال بنادیا۔ جب پیچھے مڑکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو مشکوٰۃ کی غیر مسبوق، مفصل اور مبسوط شرح ہے۔ اس درمیان مولانا حافظ محمد زکریا کا انتقال ہوگیا تو ان کے والد گرامی مولانا محمد باقر نے اپنے بیٹے کے جاری کیے ہوئے اس کار

خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کرلیا اور تعاون جاری رکھا۔

آپ اپنے کام میں مصروف رہے اور ۱۹۶۱ء مطابق ۱۳۸۰ھ میں مرعاۃ المفاتیح جلد اول کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آگئی۔ درمیان میں ہندو پاک کے مابین تلخی بڑھ جانے کے سبب لین دین سب کچھ بند ہوگیا تو آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد اقبال رحمانی مہتمم مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار نے تعاون کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور وظیفہ مہیا کرا کے دو جلدوں پر مزید کام کروا کر شائع کیا اور شیخ صاحب کو ہبہ کردیا۔ اب تک اسکی ۹ جلدیں مکتبہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہو چکی ہیں۔ دسویں جلد کے ۱۸۰ صفحات چھپ چکے تھے اور آگے کا کام بھی جاری تھا، لیکن بعض عوارض کی وجہ سے شرح کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ اللہ تعالی اس کی تکمیل کی کوئی شکل پیدا فرمائے۔

اس مبسوط شرح کے علاوہ بھی آپ کی مصنفات میں ۳ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) رمضان المبارک کے فضائل واحکام (مطبوع۔اردو)

(۲) بيان الشريعة فى محل أذان خطبة الجمعة (مطبوع۔عربی)

(۳) لائف انشورنس (بیمہ) کی شرعی حیثیت (مطبوع اردو)

وفات:

۵ر جنوری ۱۹۹۶ء مطابق ۲۲ر رجب المرجب ۱۴۱۴ھ بروز چہار شنبہ بوقت صبح پانچ بج کر پچپن منٹ پر ۸۷ سال کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن بعد نماز مغرب آپ کے صاحب زادے مولانا عبدالرحمٰن نے نماز جنازہ پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اہل وعیال:

آپ کے چھ صاحب زادگان تھے۔ (۱) محی الدین (۲) فضل حق (۳) عبداللہ (۴) فضل الباری (۵) عبدالرحمٰن (۶) عبدالعزیز ان میں سے علی الترتیب پہلے، دوسرے اور

تیسرے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ فضل الباری کی تعلیم بہت مختصر ہے، کسی درسگاہ سے فارغ بھی نہیں ہیں۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری جامعہ رحمانیہ بنارس سے فارغ اور مدینہ منورہ (کلیۃ الشریعہ) کے خریج ہیں۔ مدرسہ عربیہ دارالعلوم کے ۷ ارسال تک مدرس منتظم رہے۔ شیخ الحدیث مرحوم کے قائم کردہ ادارہ جامعۃ المعارف الاسلامیہ (اسلام پورہ مبارک پور) کے ناظم ہیں۔ حافظ عبدالعزیز جامعہ سلفیہ سے فارغ نیز مدینہ منورہ کے متخرج ہیں۔ جامعہ ام القری سے دکتورہ کی ڈگری بھی حاصل ہے۔ فی الحال کلیۃ فاطمۃ الزہراء مئو ناتھ بھنجن میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اخلاق وعادات:

آپ کی شخصیت ایسی جامع تھی جسکی مثال نہیں ملتی۔ جن اوصاف حمیدہ سے آپ کو یاد کیا جائے ان اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں۔ علم، تقوی، قناعت، صبر وشکر اور تواضع میں نمونہ سلف تھے۔ علم وفضل اور خشیت الٰہی میں اپنی مثال آپ تھے۔

عجز وانکساری، اخلاق ومحبت، صداقت وامانت، صبر واستقامت، تحمل وشکر، عفت و پاکبازی، عام انسانی ہمدردی، خوف خدا، مہمان نوازی، جذبہ خدمت خلق سے متصف تھے ائمہ محدثین نے علم حدیث کی تحقیق وتصنیف کا جو پودا لگایا تھا اس کی آبیاری میں علامہ مبارکپوری نے جس کاوش اور جانفشانی سے حصہ لیا، اہل علم وفضل ہمیشہ اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے۔ طالبان علوم نبوت کے لیے علم وتحقیق کا جو اعلی معیار قائم فرمایا اس سے آئندہ نسلیں برابر روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔ پاسبان کتاب وسنت، قاطع شرک وبدعت، پیکر اخلاق وکردار، وسیع النظر فی وعلوم مرتبت اخلاق وبے نفسی کا جو نمونہ آپ نے پیش کیا وہ ہم سب کے لیے لائق تقلید ہے۔

دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے زمانہ تدریس سے لیکر تا وفات آپ کے جتنے فتاوے مختلف جماعتی رسالوں اور مجلات میں شائع ہو چکے ہیں یا جو ابھی شائع نہیں ہو سکے، اور وہ

فتاوی جو لوگوں نے انفرادی طور پر حاصل کر کے انکو اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ ممکنہ طور پر تمام کو یکجا و جمع کر کے ''فتاوی شیخ الحدیث'' کے نام سے مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند بہت جلد منظر عام پر لا رہی ہے۔

عبید اللہ کشمیری

پروفیسر عبید اللہ بن مولانا محمد عبد الرحمٰن (ڈوکمی) بن محمد یعقوب

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد گرامی مولانا عبد الرحمٰن ضلع سدھارتھ نگر میں ایک مشہور قصبہ بانسی کے پاس ڈوکم نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مولانا عبد الرحمٰن نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا بشیر احمد سہسوانی اور حافظ عبد اللہ غازی پوری وغیرہم سے علم القرآن والحدیث حاصل کیا۔ دعوت و تبلیغ کا بے حد ذوق تھا، اس لیے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے ایک عرصہ تک مبلغ بھی رہے۔ اس دوران پورے ملک کا تبلیغی دورہ کیا۔ دورہ کرتے ہوئے رائے بریلی پہنچے۔ اور وہیں پر ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ محمدیہ'' کی بنیاد ڈالی اور تاحیات اسی میں تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دیا اور وہیں انتقال بھی کیا۔

مولانا حکیم ابوالحسین عبید اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے، کیوں کہ والدین وہیں مقیم تھے۔ تاریخ پیدائش کا علم نہ ہو سکا۔ ابتدائی تعلیم رائے بریلی ہی میں اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر عربی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ سعیدیہ دارانگر (بنارس) میں داخلہ لیا۔ وہاں رہ کر مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبد الکبیر بہاری بنارسی، مولانا عبد الآخر وغیرہم سے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں بھی زیر تعلیم رہے۔ طب و حکمت کا داعیہ پیدا ہوا تو تکمیل الطب لکھنؤ سے فن طب کا علم حاصل کیا۔ کچھ سرکاری امتحانات بھی دیئے۔

فراغت کے بعد لمبے عرصہ تک طبیہ کالج کشمیر میں لکچرر کی حیثیت سے رہے۔ اس لیے عبیداللہ کشمیری کہلائے۔ ورنہ کشمیر سے اور کوئی نسبت نہیں ہے۔

آپ کا خاندان ضلع سدھارتھ نگر میں ہونے کی وجہ سے اس علاقہ میں برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ آپ کی ایک ہمشیرہ مولانا عبدالقیوم رحمانی کے گاؤں دودھونیاں میں مولانا عبدالصمد کی زوجہ تھیں۔ اس مناسبت سے اور بھی زیادہ آنا جانا تھا۔

آپ بڑے بے باک، جری اور باہمت شخصیت کے مالک تھے۔ بڑی جوشیلی تقریر کرتے۔ ۱۹۷۲ء میں جب اندرا گاندھی نے ایمرجنسی لگائی تھی تو اسے ''امرِ جنسی'' کہتے تھے۔ بڑی بے لاگ تقریر کرتے تھے، چنانچہ حوالہ قفس بھی کیے گئے۔ جماعتی حلقوں میں اپنی پرجوش خطابت، کثرت معلومات اور قوت حافظہ کی وجہ سے کافی مشہور تھے۔

کچھ عرصہ تک کشمیر کی جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، بعد میں نظریاتی اختلافات کے سبب علیحدگی اختیار کرلی۔ ایک مدت تک رائے بریلی میں مقیم رہنے کی وجہ سے اس علاقہ کی اہل حدیث بستیوں سے بڑی انسیت تھی۔ مرتب کتاب ہذا کو بھی اپنے گھر موصوف کی میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ مولانا بیت نار دادا جان سے ملنے برابر جاتے تھے۔

آپ تحریری میدان میں اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کے مقالات ومضامین جماعتی رسائل ومجلّات میں برابر شائع ہوتے تھے۔ آپ کی کچھ کتابیں غالباً جمعیت اہل حدیث جموں وکشمیر کی طرف سے شائع ہوچکی ہیں۔ آپ کے کچھ غیر مطبوعہ مقالجات بھی ہیں۔

۲۴رجنوری ۲۰۰۴ء بروز شنبہ شام رائے بریلی میں انتقال کیا اور تدفین دوسرے دن بروز یکشنبہ عمل میں آئی۔

محمد عزیر سلفی

(۱۹۲۵ء تا ۱۹۸۷ء)

مولانا عزیر سلفی بن مولانا محمد ابراہیم

موضع: افضل پور (سمیرا) ضلع مظفر پور، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۵ء

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد ایک خوشحال، فارغ البال اور صاحب حیثیت آدمی تھے۔ لیکن ان کا انتقال ایسے وقت میں ہوا جب کوئی صحیح طور پر جانشینی کے لائق نہیں تھا۔ اس لیے سارا سرمایہ غیروں کے دست تصرف میں چلا گیا، جب آپ نے ہوش سنبھالا تو گھر پر ادبار کا سایہ تھا۔

تعلیمی مراحل:

آپ کے اندر تحصیل علم کا شوق بچپن سے تھا، اس لیے اپنے ماموں مولانا زین العابدین کے یہاں ابتدائی تعلیم کے حصول کی بسم اللہ کی، پھر آپ کے ماموں مدرسہ اصلاحیہ قصبہ بارہ، ضلع غازی پور تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ تو آپ بھی ان کے ساتھ گئے، اور وہاں ان کے ساتھ رہ کر اردو فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ اصلاح المسلمین سنگی مسجد پٹنہ میں داخل ہو گئے۔ اور مولانا عبدالغفار آروی صدر مدرس سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں درسیات کی تکمیل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، مولانا مصلح الدین، مولانا محمد اسحاق، مولانا عبیدالرحمان عاقل، مولانا نذیر احمد رحمانی اور مولانا عبدالغفار آروی قابل ذکر ہیں۔

درس و تدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۵۰ء سے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں تعلیمی فرائض انجام دینے لگے۔ خانگی الجھنوں کے باعث درمیان میں ایک سال مجبوراً گھر پر رہنا پڑا۔ لیکن پھر دارالعلوم

سے منسلک ہو گئے، شروع میں درس وتدریس کے ساتھ مجلہ ''الہدیٰ'' کے دفتری فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

طبیعت میں اصلاح پسندی اور کارکردگی کا جذبہ غالب تھا۔ جواں ہمتی کے ساتھ ہر کام کو انجام دیتے تھے۔ وفات ۲۱ر رمضان ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں ہوئی۔

عزیز احمد گونڈوی

(۱۹۳۴ء۔۲۰۰۵ء)

مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف بن محمد حسن بن چاند بابا خاں۔

موضع بونڈیہار، ضلع گونڈہ (حال بلرام پور)۔

تاریخ پیدائش: ۱۲ر اگست ۱۹۳۴ء۔

تعلیمی مراحل:

پرائمری درجات سے لے کر تیسری جماعت (موجودہ ثانویہ ثانیہ) تک مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء کے آخری ایام میں دار الحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا اور دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ ملک کی آزادی کے بعد دار الحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم ہو گیا تو وطن واپس لوٹ آئے اور دوبارہ سراج العلوم میں داخلہ لیا۔ یہاں ایک سال تعلیم حاصل کر کے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچے اور چوتھی جماعت میں داخلہ لے کر تعلیم شروع کی۔ اور ۱۹۵۲ء یا ۵۳ میں وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا رحم اللہ صاحب جنہوں نے ابتدائی درجات کی تعلیم دی۔ مولانا عبد الغفور بسکوہری، مولانا محمد اقبال رحمانی۔ دہلی اور ندوہ کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۶ تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۶۹ء میں مولانا عبدالقدوس ناظم جامعہ رحمانیہ بنارس کی خواہش پر بنارس آگئے اور کم وبیش ۲۷ سال تک جامعہ میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ وہاں آپ پرنسپل (صدر المدرسین) کے عہدہ پر فائز رہے۔ تدریس وتعلیم کا بڑا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ جامعہ رحمانیہ سے ریٹائرڈ ہوکر وطن واپس آئے تو ذمہ داران خیر العلوم (ڈومریا گنج) نے آپ کی خدمات حاصل کرلیں، چنانچہ آپ عرصہ دوسال تک خیر العلوم ڈومریا گنج میں تعلیم وتدریس سے وابستہ رہے۔ ضعف پیری اور کبر سنی کی وجہ سے کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہوگئی تھیں، اس لیے خیر العلوم سے الگ ہوکر گھر ہی پر آرام فرماتے۔ بالآخر ۲۰۰۵ء میں دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

علی احمد سامرودی

(سن وفات: ۱۳۱۴ھ)

مولانا علی احمد بن محمد بن ہاشم

آپ مولانا عبدالجلیل سامرودی کے والد گرامی ہیں۔ میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔ میاں صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ ۱۳۱۴ھ میں پلیگ کی بیماری میں انتقال کیا اور سامرود میں مدفون ہوئے۔

حکیم علی نعمت پھلواروی

(۱۸۵۵ء-۱۹۱۳ء)

مولانا حکیم علی نعمت پھلواروی کے والد کا نام مولانا عنایت رسولؒ تھا۔ تاریخ ولادت ۷ر

رجب ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء ہے۔ ابتدائی کتابیں اپنے دادا مولوی محمد یحیٰ سے پڑھیں۔ بقیہ درسیات کی تکمیل غازی پور میں حافظ عبداللہؒ سے کی، اور حدیث کی تکمیل مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ دہلی میں طب کی بھی تعلیم حاصل کی۔ مذہبا اہل حدیث تھے۔ آپ بہت ذہین وسیع النظر عالم تھے۔ بعض علمی یادگاریں اب تک موجود ہیں، شاعر تھے، سورہ فاتحہ کی منظوم تفسیر لکھی تھی، عربی ادب سے خاص مناسبت تھی، تمام عمر درس وتدریس اور مشغلہ طبابت میں بسر کی۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا شاہ عین الحق اور حافظ انور علی مونگیری وغیرہ مشہور ہیں۔

۲۰ رشوال ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء میں وفات پائی اور مقبرہ مجیبیہ میں مدفون ہوئے۔ (حکمائے بہار)

عمیس اختر سلفی

(وفات: ۱۹۸۱ء)

مولانا عمیس اختر سلفی بن محمد صدیق

ساکن: اموا، ضلع: شیوہر، بہار

تاریخ پیدائش: نامعلوم

تعلیمی مراحل:

قدیم زمانے سے ہی ریاست وامارت میں آپ کا خاندان مشہور چلا آرہا تھا۔ آپ کے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ آپ کا بچپن نانیہال میں گزرا۔ ابتداء میں موضع سپہی کے اپر اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک خاص اتالیق سے جو فارسی میں مہارت رکھتے تھے، گھر پر رہ کر فارسی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ڈھاکہ کے مدرسہ میں داخل ہوگئے، اور فصول اکبری وغیرہ تک مولوی امداد الٰہی سے پڑھی، ۱۹۳۵ء میں دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لے لیا۔ پھر وہاں سے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر گئے لیکن آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے چند ماہ کے بعد وطن واپس لوٹ آئے۔ اور پھر دار العلوم احمدیہ سلفیہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے

اور مولانا اسحاق آروی، مولانا محمد عثمان فاضل جامعہ ازہر اور مولانا عبدالغفور جیسے اساتذہ سے اکتساب علم وفضل کیا۔ ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد تعلیم وتعلم کا سلسلہ مدرسہ دارالتکمیل مظفر پور سے شروع کیا، وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اس لیے گھر پر رہنے لگے۔ لیکن ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی نے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے لیے طلب کرلیا۔ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے کے باعث آپ کو نہ ملازمت کی خواہش تھی اور نہ ضرورت، مگر خدمت دین کے جذبہ کے تحت دارالعلوم میں تعلیمی فرائض انجام دیتے رہے۔

شعروشاعری کا مذاق رکھتے تھے اور اختر تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام میں لطافت، رنگینی، جاذبیت اور طنز ومزاح کا عنصر غالب ہے۔

مولانا کی وفات ۵/ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۴/اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ہوئی۔

عین الحق سلفی

(۱۹۰۸ء-۱۹۸۲ء)

مولانا عین الحق سلفی بن مولانا محمد رضاء اللہ

ساکن: بنکٹوا، ضلع: مدھوبنی (بہار)

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ھ (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

۱۵ برس کی عمر تک گھر پر ہی رہ کر اردو اور پھر کچھ فارسی کی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ محمدیہ دیودھا میں مولانا عبدالوہاب سے ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ دیودھا میں ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء تک قیام رہا۔ اس کے بعد دارالعلوم

احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لیا۔ اثنائے تعلیم ہمیشہ اول درجہ سے کامیاب ہوتے رہے۔ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، لہریا سرائے دربھنگہ سے فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالوہاب، مولانا عبدالغفار آروی، مولانا ابوطاہر بہاری، مولانا اصغر علی چھپراوی، مولانا محمد اسحاق آروی، مولانا نذیر الدین بنارسی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد آپ کے شفیق اساتذہ نے آپ کو دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے مسند درس وتدریس کے لیے منتخب فرمایا۔ اور دارالعلوم کے مہتمم جناب ڈاکٹر سید محمد فرید کی طلبی پر آپ نے اپنی خدمات دارالعلوم کو تفویض کر دیں۔ چنانچہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء سے ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء تک برابر دارالعلوم کی خدمت کرتے رہے۔

دعوت وتبلیغ:

۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں آپ کو خیال ہوا کہ اپنے علاقہ کے عوام میں کچھ دینی کام کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ترائی نیپال کے اس علاقہ میں جو آپ کے مولد ومنشا سے قریب تر تھا، مسلمانوں کی دینی اور مذہبی حالات ناگفتہ بہ تھی، وہ شعائر اسلام سے بالکل نابلد تھے، اور جاہلانہ رسم ورواج میں پھنس چکے تھے۔ اس لیے آپ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے الگ ہو کر تبلیغ واشاعت دین کے لیے تیار ہوئے۔ اور ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء سے ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء تک آپ نے تبلیغ واشاعت کی خدمت انجام دی۔ اور اس علاقہ کا نقشہ بدل دیا۔ جگہ جگہ مدارس دینیہ قائم کرائے۔ مسلمانوں کو تعلیمات اسلام سے روشناس کرایا، بے شمار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

پھر دار العلوم احمدیہ سلفیہ کی ضرورت کے پیش نظر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں دار العلوم تشریف لائے اور تدریسی خدمات انجام دی۔

آپ کو صدر جمہوریہ کی جانب سے ایوارڈ بھی دیا گیا۔

تصانیف:

(۱) ہماری دعائیں (۲) ہماری نمازیں

(۳) ہمارے جواہر پارے (مجموعہ چہل حدیث)

یہ کتابیں کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے خاص طور پر لکھی گئی ہیں۔

مولانا کی وفات ۲۷/دسمبر ۱۹۸۲ء کو ہوئی۔ اور اپنے آبائی گاؤں میں مدفون ہوئے۔

عین الحق پھلواروی

شیخ عالم محدث عین الحق بن علی حبیب بن ابوالحسن بن نعمت اللہ جعفری پھلواروی ایک عالم و بزرگ تھے۔ ان کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ تھا۔ پھلواری شریف میں پیدا ہوئے، اور وہیں پرورش و پرداخت ہوئی۔ درسی کتابیں مولانا نعمت پھلواریؒ سے پڑھیں۔ اور بعض کتابیں مولانا عبداللہ غازی پوری سے پڑھیں۔ بچپن میں ہی جانشیں بنادئے گئے۔ پھر حجاز کا سفر کیا۔ حج و زیارت کی۔ جب ہندوستان واپس آئے تو گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

۱۱/جمادی الاخر ۱۳۳۳ھ/۱۹۴۱ء میں فالج کی بیماری کی وجہ سے لکھنؤ میں وفات پائی۔

فرحت حسین صادقپوری

(۱۸۱۱ء-۱۸۵۸ء)

خاندانی پس منظر:

سلسلہ علماء صادقپور میں ایک اہم اور قابل قدر نام مولانا فرحت حسین صادقپوری رحمہ

اللہ کا بھی ہے۔ آپ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں صادقپور کے دیگر علماء کرام کی طرح آپ کی سرفروشی اور جاں نثاری کے روشن کارنامے بھی جلی حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ آپ مولانا ولایت علی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے اور آپ ''چھوٹے حضرت'' سے معروف مشہور تھے۔

پیدائش: آپ ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے درسی علوم وفنون کا بیشتر حصہ اپنے والد محترم مولانا فتح علی رحمہ اللہ سے حاصل کیا۔ اسی زمانہ میں آپ نے قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا۔ آپ نے شاہ محمد واعظ رحمہ اللہ نموہیہ سے بھی مختصر تعلیم حاصل کی۔ آخر میں آپ نے اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علی رحمہ اللہ سے بھی پڑھا اور سند حدیث انہیں سے لی۔ نیز انہیں کے زیر تربیت رہ کر آپ نے اسلامی علوم وآداب سیکھے۔ آپ اپنے بڑے بھائی کی بہت زیادہ قدر کرتے اور انہیں اپنے مصلح ومرشد کی نگاہ سے دیکھتے۔ مولانا ولایت علی رحمہ اللہ بھی آپ کو بہت زیادہ مانتے تھے۔ آپ جب بھی باہر جاتے تو انہیں کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے۔

اعمال وخدمات

آپ بدستور لوگوں کو تعلیم دیتے اور تعلیم یافتہ لوگوں سے نو آموز لوگوں کو تعلیم دلاتے، نماز ظہر کے بعد قرآن وحدیث کا درس دینا آپ کا معمول تھا، آپ کے وعظ وارشاد کی محفلوں میں مرد وعورت دونوں بڑے ذوق وشوق اور رغبت کے ساتھ شریک ہوتے اور آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے۔ آپ کے طریقۂ تعلیم وتدریس اور منہج وعظ وارشاد سے بہت لوگ متاثر ہوئے، ایک خلق عظیم نے آپ سے استفادہ کرکے حق کی راہ اپنائی اور اپنے خالق ومالک کو پہچانا۔

عادات واطوار:

آپ نہایت کم گو، متحمل مزاج اور بردبار تھے۔ آپ کو غصہ بہت کم آتا تھا، آپ فہم وفراست مومن کی عظیم صفت سے بدرجہ اتم متصف تھے۔ آپ کا لباس نہایت ہی سادہ اور موٹا ہوتا تھا۔ آپ ظاہری رکھ رکھاؤ سے کوسوں دور رہتے۔ آپ کے پاس جو کچھ آمدنی آتی اسے طلبہ، فقراء ومساکین اور مہمانوں پر خرچ کر دیتے۔ آپ کے بیٹے صاحب تذکرہ جناب مولانا عبدالرحیم صاحب صادقپوری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق آپ کے پاس ہمیشہ دوسو تین سو طلبہ رہا کرتے اور آپ سے کسب فیض کرتے۔ ان سب کے کھانے پینے کا انتظام آپ ہی کرتے تھے اور آپ بھی انہیں طلبہ کے ساتھ معمولی قسم کا کھانا کھالیتے۔

فنون جنگ سے دلچسپی:

جناب مولانا فرحت حسین صاحب فن حرب وضرب میں بھی بڑے ماہر تھے اور شجاعت وبہادری جیسی مومنانہ صفات سے متصف تھے۔ آپ گھوڑے کی سواری نہایت ہی عمدہ طریقے پر کرتے تھے۔ بدذات اور شریر قسم کے گھوڑوں کی سواری بھی آپ بآسانی کرلیتے۔ آپ کے بندوق کا نشانہ اتنا اچھا تھا کہ اڑتی چڑیا پہ بھی آپ کا نشانہ خالی نہ جاتا۔ بنوٹ وغیرہ بھی آپ بہت اچھا جانتے تھے۔ کھلاڑی چاروں طرف سے آپ پر حملہ کرتے اور آپ ہر ایک کی کاٹ کرکے اس پر حملہ کر دیتے۔ کنویں کی منہ پر ایک فٹ چوڑا تختہ رکھوا کر اس پر کھڑے ہوجاتے اور چاروں طرف سے ڈھیلے برسانے کو کہتے۔ آپ پر ڈھیلوں کی بارش ہوتی، مگر ایک ڈھیلہ بھی بدن پر لگنے نہ دیتے۔ دریا کی سباحت میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ تیراکی کے مختلف طریقے جانتے تھے۔ غرضیکہ آپ ہر قسم کے فنون سپہ گیری کے ماہر اور اچھے مشاق تھے۔

امارت:

ابتداء میں مال واسباب کی فراہمی کے کام مولانا ولایت علی رحمہ اللہ کے زیر نگرانی ہوا

کرتے مگر جب مولانا ولایت علی مستقل طور پر بیرون سرحد ہجرت کر گئے تو مولانا فرحت حسین صاحب نے اندرونی نظام وتبلیغ کا کام سنبھالا اور تمام کاموں میں لوگ ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اندرون ملک کی سربراہی ورہنمائی کے کام یکسر آپ کی وفات تک آپ ہی کے ہاتھ میں رہے۔

وفات:

۴۸ برس کی عمر میں ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء کو آپ بیمار ہو کر صاف فراش ہوئے اور اسی سال وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ اپنے اس عظیم مجاہد کی لغزشوں کو درگزر فرما کر اس پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ہمیں آپ کی زندگی سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

ڈاکٹر سید محمد فرید سلفی

(۱۸۸۰ء-۱۳۷۰ھ)

لہریا سرائے، دربھنگہ، بہار۔

تاریخ ولادت: ۱۸۸۰ء (تخمینا)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم سے لے کر مڈل تک کی تعلیم پٹنہ ضلع کی ایک مشہور بستی ''ویشالی'' میں ہوئی۔ یہاں کی تعلیم مکمل کر کے محمد محسن ہائی اسکول گلزار باغ پٹنہ میں داخلہ لے کر انگریزی تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ساتھ مولانا یحیٰی علی کے فرزند مولانا عبدالقیوم سے فارسی کی بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہاں سے میٹرک پاس کرنے کے بعد میڈیکل اسکول سبزی باغ میں داخلہ لیا اور ڈاکٹری کورس کی تکمیل کی۔

کورس کی تکمیل کے معا بعد ہی دربھنگہ کے ایک موضع ''بجولی'' میں بحیثیت ڈاکٹر تقرری

عمل میں آئی یہاں آپ فطری ذہانت وصلاحیت کی بنیاد پر دربھنگہ کے بنواری لال ہاسپٹل کے انچارج بن گئے۔آپ کی شہرت اطراف وجوانب پھیلی تو ہاسٹل کے علاوہ مکان پر بھی مریضوں کی بھیڑ لگنے لگی۔ بالآخر آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفی دے دیا اور پرائیوٹ ڈاکٹری کرنے لگے اور ساتھ ہی دعوت وتبلیغ کا بھی موقع ملنے لگا۔

مطب اور دعوت وتبلیغ:

ڈاکٹر فرید علیہ الرحمۃ طبابت کے ساتھ ہر مریض کو دعوت وتبلیغ بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض انہیں صرف طبیب ہی نہیں، اپنا روحانی طبیب بھی سمجھتے تھے۔آپ ہمیشہ سستی سے سستی دوائیاں لکھتے ،بعض مرتبہ مالدار لوگ سستہ نسخہ دیکھ کر اس کے استعمال میں تامل کرتے ،لیکن فائدہ ہونے کے بعد تعریف کرتے۔ گھر پر اور باہر مریضوں کو دیکھنے جاتے تو فیس کا کبھی مطالبہ نہ کرتے۔ جبکہ ڈاکٹروں نے اپنی فیس تین گنا بڑھادی تھی۔ کمپاونڈروں کو مریض کے ساتھ حسن سلوک کی ہمیشہ تلقین کرتے۔

دار العلوم احمدیہ سلفیہ:

مولانا رحیم آبادی نے اس ادارہ کے قیام کی جو منصوبہ بندی فرمائی تھی اللہ پاک نے اس منصوبہ کی تکمیل آپ کے ہاتھوں کرائی۔ اگر رحیم آبادی اس کے بانی تھے تو ڈاکٹر صاحب اس کے معمار، آج دار العلوم جو سرسبز وشاداب ہے وہ آپ ہی کی مخلصانہ کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

مسلم اسکول دربھنگہ:

اس کے قیام میں آپ نے اپنی توانائیاں صرف کردیں۔ بابو محمد شفیع تاحیات اس کے صدر رہے تو ڈاکٹر صاحب سکریٹری۔ بحمد اللہ ان کی یادگار آج بھی قائم ودائم ہے۔آپ نے اپنے ذاتی پیسے سے کمرے تعمیر کرائے اور گورنمنٹ سے منظوری حاصل کی۔ آج کل اس میں ”انجمن اسلامیہ“ قائم ہے۔

بحثیت ممبر اسمبلی:

بحثیت ممبر اسمبلی بھی آپ نے ملکی وملی خدمت انجام دی۔ اس میں اگر قدم رکھا تو اسی نیت سے کہ اسی بہانے یہاں بھی ملک وملت کی کچھ خدمت انجام دیں۔ چنانچہ ہمیشہ مفید تجاویز اور مشوروں سے نوازا۔

سلسلۂ دروس قرآن:

آپ جہاں رہے وہاں ہمیشہ درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا رحیم آبادی، مولانا عبدالحکیم صادق پوری، مولانا محمد اسحاق وغیرھم کی تربیت اوران سے استفادہ کے بعد آپ کے اندر یہ شغف پیدا ہوا اور ہمیشہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ آپ نے ایک تفسیری نوٹ بھی لکھا تھا جو مسودہ کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔

اخلاق وعادات:

جن لوگوں نے آپ کو خلوت وجلوت میں قریب سے دیکھا اوران کے سیرت وکردار کا جائزہ لیا ہے انہوں نے آپ کو ہمیشہ کریم النفس، شریف الطبع، اخلاق حمیدہ کا پیکر پایا۔ بڑے دردمند دل والے تھے۔ یتیموں، بیواوں، غریبوں کی ہمیشہ مدد کرتے، سخاوت، صداقت اور عدالت میں ممتاز تھے۔ آپ کے اوصاف وکمالات پر روشنی ڈالنے کے لیے ان صفحات میں گنجائش کہاں۔

۲۴ر رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ کو اس جہاں فانی کو خیر باد کہا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

فرید احمد رحمانی

(۱۹۲۲ء۔۲۰۰۱ء)

مولانا فرید احمد بن ظہیر احمد بن نیاز احمد

موضع: پیکولیا مسلم، تحصیل ہریا، ضلع بستی، یوپی۔

تاریخ پیدائش: تحصیل ہریا ضلع بستی کے ایک مشہور موضع پیکولیا مسلم میں ۱۹۲۲ء یا ۲۳ میں پیدائش ہوئی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم وتربیت گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ ۱۹۳۳ء میں اردو سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر دوسرے سال ہندی سے پاس کیا۔ اس کے بعد ایک سال سے زائد عرصہ تک گھر ہی پر رہے۔

حسن اتفاق آپ کے گاؤں میں ایک حافظ صاحب بحیثیت معلم وارد ہوئے، انہیں کی تحریک وتحریص کے نتیجہ میں مزید آگے کی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔

دارالعلوم شکراوا میوات:

چنانچہ جناب حافظ صاحب کے مشورہ پر ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم شکراوا (سن تاسیس ۱۹۳۰) ہریانہ میوات میں داخلہ لیا۔ باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے کی طرف آپ کی نئی نویلی بیوی کا بھی ہاتھ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے کچھ پیسے بھی جیب خرچ کے دے کر رخصت کیا۔ ہریانہ کے معاشرتی ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کرسکے۔ بڑی مشکل سے کسی طرح پہلی جماعت مکمل کی، درجہ میں اول آئے اور بلوغ المرام بطور انعام ملی۔ پھر وہاں سے وطن واپس آگئے۔

جامعہ فیض عام:

دوسرے سال ۱۹۳۸ء میں مدرسہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور دو سال تک زیر تعلیم رہے۔ سالِ اول میں کافیہ میں پورا نمبر لانے پر ''تحفۃ الاحوذی'' اور سالِ دوم بلوغ المرام مکمل حفظ کرنے پر ''صحیح بخاری'' انعام میں ملی۔

دارالحدیث رحمانیہ (دہلی):

پھر ۱۹۳۹ء کے اواخر میں مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ دارالحدیث رحمانیہ میں جماعت ثانیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے چار سال تک اکتساب فیض علم کیا۔ دوران تعلیم ۱۹۴۳ء میں رحمانیہ کو چھوڑ کر مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے اور وہاں کے اساتذہ میں بالخصوص مولانا محمد حسین (داماد مولانا عبدالجبار غزنوی) سے کچھ کتابوں کی تعلیم حاصل کی، پھر گوجرنوالہ شہر پہنچ کر مولانا محمد اسماعیل سلفی کے قائم کردہ مدرسہ میں داخلہ لے کر مولانا مرحوم (متوفی ۶۸ ۱۹ء) سے ترمذی، مولانا محمد گوندلوی سے ابوداؤد اور مسلم وغیرہ کا درس لیا۔ سند فراغت کا ایک سال باقی تھا کہ درمیان میں گھر چلے آئے اور سند فراغت نہ حاصل کر سکے۔

عملی زندگی کا آغاز:

۱۹۴۷ء میں ہندو پاک کے بٹوارے کے بعد آپ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) چلے گئے، وہاں شہر چٹا کانگ میں المونیم کا کارخانہ کھولا اور کاروبار میں لگ گئے، لیکن رشتہ داروں کے شدید اصرار پر اسے خیرآباد کہہ کر گاؤں واپس آ گئے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مکتب قائم کیا اور خود ہی پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ ہی اس مدرسہ کے منتظم و منصرم بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد گاؤں ہی سے متصل ایک موضع گور میں بھی ۱۹۷۷ء میں ایک مسجد و مکتب قائم کیا۔ آپ کی پیہم کوششوں کے نتیجہ میں گاؤں کے مکتب کی اپنی جائیداد بھی ہوگئی ہے جو بائیس بیگہ زمین اور ایک وسیع قطعہ آراضی میں پائیدار

عمارت کی شکل میں ہے۔آپ کی ہی کوششوں سے مدرسہ ۱۹۸۹ء۔۱۹۸۸ء میں عربی شعبہ کا قیام عمل میں آیا جس میں جماعت ثانیہ تک کی تعلیم کا بحسن وخوبی انتظامت تھا۔۲۰۰۱ء میں جامعہ اصلاح المسلمین میں جماعت ثالثہ تک تعلیم ہو رہی ہے۔

دعوت وتبلیغ:

آپ لکڑی کے بہت بڑے تاجر تھے،یہی خاندان والوں کے لئے ذریعہ معاش تھا۔کافی دنوں تک آپ کی لکڑی کی تجارت کوفروغ حاصل رہا۔اللہ پاک نے خوب خیر وبرکت سے نوازا۔جامعہ سلفیہ بنارس کی تعمیراتی لکڑیاں کئی سالوں تک مولانا فریدہی سپلائی کرتے رہے اور بڑے ہی سستے داموں پر اور بڑے آن بان اور جذبے کے ساتھ۔

جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے آپکو بڑا قلبی لگاؤ تھا۔ان دونوں اداروں کی برابر زیارت کرتے اور ہر طرح کے تعاون میں پیش پیش رہتے۔معاملات کو تعلقات کی راہ میں کبھی آڑے نہ آنے دیتے۔

وفات:

عمر کے آخری ایام میں آپ کمزور وناتواں ہوگئے،یہاں تک کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگئے۔چنانچہ اپنے قائم کردہ مدرسہ اصلاح المسلمین کے انتظام وانصرام سے الگ ہوگئے۔۲۷ رمضان المبارک ۲۰۰۱ء کوانتقال فرمایا اور گاؤں ہی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

محمد قاسم

(۱۹۳۴ء-۲۰۰۵ء)

مولانا محمد قاسم سلفی بن محبوب علی،بن میاں جان،بن عبداللہ

مقام وپوسٹ:ہرلاکھی،ضلع مدھوبنی بہار۔

تاریخ پیدائش:۱۹۳۰ء(تخمینا)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں مولانا واعظ الدین سے حاصل کی۔ اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے برادر کبیر کے زیر تربیت رہ کر بلھا (نیپال) میں پڑھیں۔ اس کے بعد دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں عربی اول میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ مولانا عبدالوہاب آروی نے اپنے ہاتھوں سے دستار بندی کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، مولانا قمر الدین (سرائے میر اعظم گڑھ) صوفی عبدالرحمٰن (رجسٹرار) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا فضل الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد ظہور رحمانی اور مولانا عزیر سلفی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد چتری (نیپال) سے تدریس کا آغاز کیا، پھر مدرسہ اسلامیہ باسوپٹی اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ بیراگنیا میں تعلیم دی۔ والد گرامی محبوب علی کی وفات کے بعد مدرسہ اسلامیہ بھوارا آگئے اور ریٹائرمنٹ تک یہیں درس وتدریس سے جڑے رہے۔ بیضاوی، مسلم، ابوداؤد، ھدایہ اور حماسہ کا ہمیشہ درس دیا۔

آپ بڑے ذہین اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ دوران تعلیم ہی طلباء کی رہنمائی کیا کرتے تھے۔ تفسیر، حدیث وفقہ، عربی ادب، اردو ادب، صرف اور نحو پڑھانے میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔

آپ صوبائی جمعیت کے رکن کی حیثیت سے تھے۔ چنانچہ صوبائی وضلعی سطح پر دیہی علاقوں کا بارہا دینی ودعوتی دورہ بھی کیا۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ سے مستفید ہونے والوں کی لمبی فہرست ہے جن میں امانت اللہ سلفی، خورشید عالم سلفی، عبدالخالق سلفی، عطاء الرحمٰن مدنی، عبدالرزاق سلفی (گنگا پور) عبدالسبحان اصلاحی، امراللہ سلفی، مولانا عزیز الرب فیضی (شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ بھوارا) قابل ذکر ہیں۔

۱۹ رجولائی ۲۰۰۰ء کو فالج کا حملہ ہوا۔ بغرض علاج دربھنگہ لے جائے گئے۔ اس درمیان آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ اس اچانک حادثہ نے آپ کو اور بیمار کردیا۔ مستقل ۴ سال بستر علالت پر رہ کر ۱۰ راپریل ۲۰۰۵ء کو یکشنبہ کی شب ۷۱ سال کی عمر میں بعارضہ فالج انتقال کیا پسماندگان میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ نورالعین سلفی اور قرۃ العین اسلامی دونوں صاحب زادگان دینی مدارس میں مصروف تدریس ہیں۔

کفایت اللہ سلفی مدنی

(۱۹۶۰ء-۲۰۰۳ء)

مولانا کفایت اللہ بن سکندر علی سلفی مدنی موضع ''پتھرا بازار''، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش ۳ رفروری ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم والد گرامی کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ اردو فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۱ء مطابق ۱۴۰۰ھ میں وہاں سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ پھر آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ میں داخلہ لیا اور بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ مزید علمی تشنگی بجھانے کے لیے رابطہ عالم اسلامی کے تحت چلنے والے ادارہ ''المعہد العالی لاعداد الائمۃ والدعاۃ'' میں داخلہ لے کر ۱۹۹۰ء

مطابق ۱۴۱۰ھ میں ماجستر (ایم۔اے) کے کورس کی تکمیل کی۔ تحقیق ودراسۃ کا عنوان ''من کلام البیھقی عن الرجال'' تھا۔ پھر جامعۃ الملک سعود سے امتیازی نمبرات سے ڈپلوما کی ڈگری بھی حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام:

ابو العاص وحیدی، قاری ابوالقاسم، عبدالوحید رحمانی، صفی الرحمٰن مبارکپوری، مقتدیٰ حسن ازہری، رئیس الاحرار ندوی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر عوض بن احمد بن سلطان الشہری، ڈاکٹر عبدالعزیز العبد اللطیف الزہرانی، ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی، ڈاکٹر عبدالعزیز حمیدی، ڈاکٹر احمد المقری، ڈاکٹر علی جریشہ، ڈاکٹر یسین الفی، ڈاکٹر راشد وغیرہم۔

تدریسی خدمات:

آپ نے سعودی عرب سے واپسی کے بعد چھ ماہ تک جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج کے شعبہ بنات (کلیۃ الطیبات) میں حدیث اور عربی ادب کی تعلیم دی۔ پھر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۲۱ھ کے اخیر میں مرکز الدعوۃ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے جامعہ امام ابن تیمیہ چندن بارا (چمپارن) بہار میں آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ آٹھ سال تک مسلسل وہاں کے دبستان علم وادب میں خدمت انجام دیتے رہے۔

جامعہ میں آپ ایک سینئر استاذ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ نائب رئیس جامعہ محمد خورشید سلفی کے رفیق خاص اور مشیر رہے۔ مرکز الدراسات الاسلامیہ کے ڈائرکٹر اور مدیر الامتحانات بھی رہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں مولانا معراج عالم تیمی، ڈاکٹر محمد یوسف حافظ ابوطلحہ تیمی، رفیع اللہ مسعود تیمی، مولانا محمد شیث ادریس تیمی، مولانا کلیم انور تیمی، عمر فاروق تیمی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کے اکثر تلامذہ بلاد عرب میں دعوتی عمل انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ نے کئی مقالے اور کتابیں تالیف کیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)من كلام البيهقى على الرجال (مطبوع)

(۲)اللمحات الى ما فى تبليغى نصاب من الاحاديث الضعيفه والموضوعات

(۳)فتاوى للامام نواب صديق حسن خان القنوجى - تحقیق وتخریج (مطبوع)

(۴)الغنة ببشارة الجنة لاهل السنة للامام نواب صديق حسن خان القنوجى - تحقیق وتخریج۔

(۵)فتح المغيث للامام السخاوى (اس کتاب کی پہلی جلد کی تحقیق میں آپ نے جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد شیخ علی حسین السّلفی کے ساتھ تعاون ہے۔

(۶) میں قبر پرست تھا۔ (ترجمہ۔مطبوع)

(۷)اہل بدعت کے خلاف اتمام حجت (مطبوع) یہ کتاب شیخ ابن باز کے تین رسالوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا ترجمہ آپ نے کیا ہے اور مرکز علامہ ابن باز اسلامک اسٹڈیز سنٹر سے شائع ہوئی ہے۔ (۱) پہلا رسالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کے موضوع پر ہے۔ (۲) دوسرا رسالہ قبوں اور شیاطین سے مدد مانگنے کے موضوع پر مشتمل ہے۔ (۳) تیسرا رسالہ بدعتیوں کے ایجاد کردہ غیر مسنون اور شرکیہ اوراد ووظائف کے موضوع پر مشتمل ہے۔

(۸) یہ در یہ آستانے۔ (ترجمہ) یہ کتاب عقیدہ کے متعلق ہے۔

شعروشاعری:

آپ ایک اچھے ادیب وشاعر بھی تھے۔ شاعری کی دنیا میں آپ کا تخلص ''کیفی''

تھا۔آپ کے اشعار اپنے وقت کے رسالوں میں برابر شائع ہوتے رہے۔جامعہ ابن تیمیہ کے لیے آپ نے جو ترانہ لکھا تھا وہ آپ کے کمال شاعری پر بیّن ثبوت ہے۔

انتقال:

۲۶/فروری ۲۰۰۳ مطابق ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ۔بروز بدھ وار شام ساڑھے چار بجے، ۴۳ سال اور ۲۳ دن گزار کر خطرناک بیماری کینسر سے متاثر ہو کر ڈومریا گنج میں انتقال کیا۔جنازہ آبائی وطن ''تلیاڈیہہ'' لے جایا گیا جہاں دوسرے دن جمعرات کو گیارہ بجے استاذ مکرم قاری ابو القاسم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

والدین باحیات ہیں،اہلیہ کے علاوہ ۷ لڑکے اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں۔آپ کئی سال سے ذیابطیس کے مریض بھی تھے۔علاج برابر ہوتا رہا لیکن ....موت سے کس کو رستگاری ہے

اوصاف وکمالات:

موصوف مختلف اوصاف حمیدہ سے متصف تھے،نیکی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے،نادار طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ہر طرح سے ان کی اعانت کرتے۔حقوق العباد پر بے حد توجہ دیتے تھے،آپ معاصرین کی نظر میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

لیاقت حسین

مولانا لیاقت حسین بن چودھری امیر احمد

ساکن:مرغہوا (نزد اٹوا بازار) ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر اور پاس پڑوس کے مکتب میں ہوئی۔ جب بڑے ہوئے تو بسکوہر بازار مولانا اللہ بخش بسکوہری سے کچھ عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اور حکیم مولانا محمد یسین سے پڑھائی کی۔ (مولانا مبارکپوری ان دنوں بونڈیہار میں مقیم تھے اور تدریس کے ساتھ مدرسہ کے نگراں تھے) کچھ عرصہ مدرسہ سعیدیہ دارانگر اور دہلی میں مدرسہ حاجی علی جان (نئی سڑک) بھی میں تعلیم حاصل کی۔ دار الکتب والسنتہ (صدر بازار دہلی) اور بھوپال میں بھی تکمیل علم کیا اور یہیں سے جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر کے حدیث میں سند اجازہ حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے مکتب کے اساتذہ میں خصوصا مولانا اللہ بخش بسکوہری قابل ذکر ہیں جنہوں نے ابتدائی عربی وفارسی کی ٹھوس تعلیم دی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا عبدالوہاب صدری اور شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری ثم بھوپالی قابل ذکر ہیں۔

تعلیم وتدریس:

آپ کے والد بہت بڑے زمیندار اور چودھری تھے اس لیے آپ نے شرح صدر کے ساتھ، دل کھول کر پورے ملک کے اہم اہم مدارس میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد تدریس وتعلیم کا مشغلہ نہیں اپنایا۔ البتہ دعوت وتبلیغ سے رشتہ تاحیات جوڑے رکھا۔ جہاں کہیں بھی جماعتی پروگرام ہوتا آپ وہاں موجود رہتے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کو "طوفان میل" کا خطاب دیا تھا۔آپ جب اپنی تقریر شروع کرتے تو عوام مسحور ہوجاتے اور مجلس میں ایک سماں بندھ جاتا۔ محفل میں خاموشی چھاجاتی۔عوام کی

آنکھیں آپ کی طرف اور کان آپ کی آواز کی طرف لگے ہوئے ہوتے۔

آپ بڑے فیاض طبیعت کے تھے۔ ضرورت مندوں کے تعاون میں پورا ہاتھ کھول دیتے تھے۔ چنانچہ جب آپ بھوپال میں تعلیم حاصل کر رہے تھے آپ کے ہم سبق ایک طالب علم بنام جعفر علی بھی تھے، غریب گھرانے کے تھے، ٹونک کے رہنے والے تھے۔ آپ جب فارغ ہو کر وطن لوٹے تو انہیں بھی ساتھ لے آئے اور ایک سگے بھائی کی طرف اپنی پوری جائداد میں انہیں بھی برابر حصہ دیا۔ اپنے گھر کے بغل میں ان کی رہائش کے لیے گھر بنوادیا۔ مولانا جعفر علی اس طرح مرغہوا گاؤں کے مستقل باشندے ہو گئے۔ یہیں شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے۔

اٹوا اور اس کے آس پاس میں کتاب وسنت کی ترویج، بدعات ورسومات کے استیصال اور لوگوں کے عقیدہ ومنہج کی اصلاح آپ کی دعوتی وتبلیغی مساعی کا ثمرہ ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں مرغہوا میں انتقال ہوا اور گاؤں ہی میں مدفون ہوئے۔

محفوظ الرحمٰن مدنی

مولانا محفوظ الرحمٰن مدنی بن مولانا زین اللہ قاسمی

ساکن: کنڈؤ بونڈیہار، پوسٹ: سکھوئیاں، ضلع بلرام پور یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۲۰/مارچ ۱۹۴۸ء (کنڈؤ)

تعلیمی مراحل:

آپ کی نشو ونما اور تعلیم کی ابتداء والد کے سایہ تلے گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی جہاں قرآن پاک ناظرہ اور ابتدائی اردو کتب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ عربی کی پہلی جماعت کی تعلیم کلکتہ کے مدرسہ "نداء الاسلام" میں حاصل کی، کیونکہ آپ کے والد جوتیل کے کاروبار سے وابستہ تھے کلکتہ میں مقیم تھے۔ عربی کی تیسری چوتھی اور پانچویں جماعت کی تعلیم جامعہ

فیض عام مئو سے حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۸ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لے کر تخصص فی الشریعۃ کا کورس مکمل کیا۔ ۱۹۷۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ایم۔اے کیا اور ۱۹۸۳ء میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

شیخ الحدیث مولانا محمد احمد، مفتی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبدالسبحان اعظمی، شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی، قاری محمد طیب، شیخ الحدیث عبدالوحید رحمانی، شیخ الجامعہ مولانا شمس الحق سلفی، محمد ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر ربیع بن ہادی مدخلی، شیخ حماد بن محمد الانصاری، ڈاکٹر محمود میرہ، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، محمد امین مصری وغیرھم۔

تدریسی مراحل:

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد ۱۹۷۰ء میں ایک سال جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور ایک سال مدرسہ انوار العلوم پرساعماد میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۸۰ء میں ایم۔اے کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ کے ''کلیۃ الحدیث'' میں ریڈر مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۴ء میں سعودی حکومت کی طرف سے مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی میں دعوت وتبلیغ سے منسلک ہو گئے۔ پھر جب دبئی کے مشہور تاجر شیخ جمعہ الماجد نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی تو اس کے تاحیات لکچرر مقرر ہوئے۔ نیز جامعہ کے قسم المخطوطات کے رکن رہے اور اسی دوران پی۔ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔ مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کے ''لجنۃ البحوث'' کے مدتوں صدر رہے۔ اس کمیٹی کے اشراف میں زائد از نصف صد دعاۃ اسلام ماہنامہ علمی، دعوتی اور ثقافتی موضوعات پر بحث لکھتے ہیں اور یہ کمیٹی ان کی اصلاح کرتی ہے۔

دعوتی خدمات:

آپ نے دبئی میں رہ کر وہاں کی مختلف مساجد اور جمعیات میں عربی اور اردو زبان میں

دعوت وتبلیغ اور دروس کا فریضہ انجام دیا۔ شارقہ کی مختلف مساجد میں مستقل طور پر خطبۂ جمعہ دیا۔ ایک عرصہ تک مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کے دعاۃ اسلام کے مراقب اعلیٰ رہے۔ عالمی رفاہی کمیٹی (ہیئۃ الاعمال الخیریۃ العالمیۃ، عجمان) کی شمالی ہندوستان کے لیے نمائندہ رہے۔

مدارس ومکاتب کا قیام:

مذکورہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ قصبہ ڈومریا گنج (ضلع سدھارتھ نگر) میں اپنے چچا ڈاکٹر عبدالباری کے ساتھ مل کر خیر ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ویلفیر سوسائٹی قائم کی جس کے اشراف میں درج ذیل ادارے کام کرتے ہیں۔

(۱) کلیۃ الشریعۃ جامعہ خیر العلوم (عالمیت تک کی تعلیم کا معقول بندوبست ہے)

(۲) کلیۃ الطیبات (نسواں کالج) (فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے، جہاں سے اب تک کئی صد طالبات سند فراغت حاصل کر کے دیگر نسواں مدارس میں تدریسی فریضہ انجام دے رہی ہیں۔

(۳) مدرسہ عائشہ صدیقہ (یہاں پرائمری درجات تک بچیوں کو تعلیم دی جاتی ہے)

(۴) مدرسہ ابوبکر صدیق (یہاں پرائمری درجات تک بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے)

(۵) خیر پرائمری ہائر سیکنڈری اسکول

(۶) مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن الکریم (یہاں درجنوں بچے حفظ قرآن کر رہے ہیں، نیز درجنوں فارغ ہو چکے ہیں)

(۷) مرکز الدعوۃ الاسلامیہ

(۸) قسم کافل الایتام (یہاں درجنوں یتیم بچوں کی جملہ کفالت کے ساتھ تعلیم وتربیت ہو رہی ہے)

(۹) قسم التکافل الاجتماعی

(۱۰) قسم بناء المساجد (شمالی ہندوستان کے ضلع بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر میں کم وبیش ایک

صد مسجدیں آپ کی کوششوں سے تعمیر ہوئیں۔ جن کے منارے شہادت دے رہے ہیں)

(۱۱) خیر ٹیکنیکل سنٹر (اس سنٹر میں کمپیوٹر، الکٹریشن، سیلائی کڑھائی، کارپینٹری، اسٹینوگرافی، اورویلڈنگ وغیرہ کی تعلیم کا معقول بندوبست ہے)

(۱۲) سہ ماہی مجلّہ ''الفرقان'' (اردو زبان میں ادارہ کا نقیب وآرگن ہے)

(۱۳) خیر بک ڈپو (یہ ایک تجارتی کتب خانہ ہے یہاں سے نصابی و جماعتی کتب کی اشاعت ہوتی ہے)

ان مذکورہ اداروں میں تقریباً سوا سو کارکنان کام کر رہے ہیں اور دو ہزار طلباء وطالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جو آپ کے حسنات اور صدقۂ جاریہ میں شمار ہوں گے (ان شاء اللہ) اللہ پاک ان اداروں کو قائم ودائم رکھے (آمین)

تالیفات:

مولانا نے دعوتی وتدریسی خدمات کے ساتھ بحث وتحقیق کے کام کو کبھی بھی نظر انداز نہ کیا۔ ہر وقت تحقیق کے لیے مخطوطہ اور قلم وکاغذ ساتھ رکھتے تھے۔ بحث وتحقیق سے آپ کی شیفتگی کا اندازہ آپ کی ذیل کی تحقیق سے ہوتا ہے۔

(۱) **العلل الواردة فی الاحادیث النبویة للامام الدار قطنی** ۔اس کتاب کی گیارہ جلدیں مکمل ہوچکی ہیں اور مزید دس جلدیں تحقیق کی راہ دیکھ رہی ہیں۔

(۲) **البحر الزخار المعروف بمسند البزار** ۔اس کتاب کی آٹھ جلدیں مکمل ہوچکی ہیں اور ۱۶ جلدوں سے زیادہ کا کام ابھی باقی ہے۔

(۳) **تلخیص العلل المتناهیه فی الاحادیث الواهیه للحافظ الذهبی**۔ یہ کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوچکی ہے اور زیر طبع ہے۔

(۴) **مسند الهیثم بن کلیب الشامی** ۔ یہ کتاب محقق ہو کر تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔

(۵) مسند عمر ابن الخطاب لابی بکر الفقیه النجاد ۔ یہ کتاب ایک جلد میں تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۶) رویة الله سبحانه وتعالی لابن النجاد۔ یہ کتاب بھی تحقیق کے بعد شائع ہو چکی ہے۔

(۷) اتحاف المهرة بأطراف المسانيد العشرة لابن حجر ۔ اس کتاب کی دسویں جلد کی تحقیق آپ نے کی ہے۔

(۸) لسان المیزان۔ اس کی تیسری جلد کی تحقیق آپ نے فرمائی ہے۔

آپ شوگر کے دائمی مریض تھے۔ انتقال سے کچھ ماہ قبل بلیڈ پریشر کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ دبئ ہاسپٹل میں ایڈمٹ کئے گئے جہاں ۴۹ سال، دس ماہ، چوبیس دن کی عمر میں ۲۶/جنوری ۱۹۹۸ء مطابق ۲۹/رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بروز دوشنبہ گیارہ بجے شب کو اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے اور دبئ ہی میں محلہ سوناپور کے مقبرہ میں سپرد خاک ہوئے۔ نماز جنازہ آپ کے صاحب زادے عبیدالرحمٰن نے پڑھائی۔

آپ نے چھ نرینہ اولاد چھوڑی۔ عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر احمد، محمد، خالد، حامد، عبداللہ۔ سبھی ماشاءاللہ تعلیم یافتہ ہے اور دینی مدارس میں کام کرتے ہیں کچھ پڑھ رہے ہیں۔

محمد بن ہاشم سامرودی

(۱۲۵۶ھ-۱۳۱۴ھ)

علامہ ابوعلی محمد بن ہاشم سامرودی بن محمد بن علی بن احمد بن علی

ساکن: سامرود، وایاپلسانہ، ضلع سورت (گجرات)

تاریخ پیدائش: رجب المرجب ۱۲۵۶ھ (سامرود)

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم قرآن مجید، اردو اور فارسی کی کتابیں گھر پر پڑھیں، پھر سامرود کے قریب ایک

موضع اٹالوا میں مولانا بھوپالی (حنفی) سے نحو وصرف کی کتابیں پڑھیں۔ لاجپور جا کر مولانا لیاقت علی اور احمد صوفی کے صاحبزادے سے فقہ ومنطق اور دیگر فنون کی کتابیں پڑھیں۔ حدیث کی تعلیم مولانا عبداللہ بن عبدالوہاب (باگھمارو) سے شہر سورت میں حاصل کی۔

مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے رخت سفر باندھا اور شیخ حسین بن محسن یمانی، شیخ منصور الرحمٰن المعمر العالی، شیخ رحم الدین بن محی الدین المعروف بفقیر اللہ شاہ، شیخ علی احمد السوندی، شیخ نصیر الدین احمد نگینوی اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہم اللہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد سامرود لوٹے تو سنت کے مطابق نماز پڑھائی۔ اس پر لوگ ناراض ہوگئے اور اپنے حنفی علماء سے فتویٰ پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر چاروں اماموں میں سے کسی ایک کو مانتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھو۔ مولانا محمد نے کہا کہ میں محمدی ہوں کیونکہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں۔ حنفی لوگوں نے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عیسائی جج نے طرفین کے دلائل سن کر مولانا کے حق میں فیصلہ دیا کہ نہ انہیں مسجد سے نکالا جائے، نہ امامت سے دست بردار کیا جائے۔

کورٹ سے فتح مبین حاصل کر کے مولانا نے بے باک ہو کر دعوت وتبلیغ شروع کر دی اور کچھ ہی عرصہ میں خاندان کے لوگ، پھر گاؤں کے لوگ، اسی طرح مضافات کے لوگ اہلحدیث بن گئے۔ البتہ تین چار گھر کے لوگوں نے اپنا مسلک نہیں بدلا اور آج بھی نہیں بدلے۔ ان حنفیوں نے مولانا عبدالحق (صاحب تفسیر حقانی) کو بلا کر مناظرہ کی دعوت دی جسے مولانا محمد بن ہاشم نے بخوشی قبول کر لیا۔ اور مولانا حقانی کو چت کر دیا۔

آپ نے دوسرا مناظرہ نڑیاد میں ایک پادری سے کیا۔ پادری نے یہ سمجھا کہ یہ مولوی کچھ نہیں جانتا ہے اور بے جا اعتراض کرنے لگا، لیکن مولانا نے دندان شکن جواب دیا تو وہ گھبرا گیا اور شکست تسلیم کر لی۔ اسی طرح ایک اور مناظرہ نڑیاد ہی میں ایک حنفی عالم سے ہوا، اس میں بھی اس نے شکست کھائی۔

آپ کو علم حکمیہ اودبیہ کا کامل ذوق تھا، علم نجوم، علم قرأت وتجوید اور علم الانشاء اور فن کتابت میں مہارت حاصل تھی۔ کتب بینی اور نادر کتابوں کو جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اس کا ثبوت آپ کا وہ کتب خانہ ہے جو سامرود کی جامع مسجد سے متصل "کتب خانہ محمدیہ جلیلیہ" کے نام سے موسوم ہے۔

آپ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ہزاروں احادیث کے حافظ تھے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور ذی عالم شخصیت تھے۔ حصول علم کے بعد آپ نے پوری زندگی دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں گزاردی۔

ماہ شعبان ۱۳۱۳ھ یا ۱۴یا۱۵ میں طاعون (پلیگ) کی بیماری میں علم وعمل کا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

مولانا ایک مصنف بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے عربی واردو زبان میں درج ذیل کتابیں لکھیں:

(۱) ترجمہ صحیح بخاری (اردو، ۷ اجزاء)

(۲) اقاویل ایمانیه شرح اربعین سلمانیه

(۳) اقاویل ایمانیه صریح احادیث سلمانیه (منظوم، ترجمہ چہل حدیث کا، مطبوع ممبئی) ۱۲۹۳ھ۔

(۴) تسییر السیر فی وجوب التقلید علی السعة و التخییر (عربی)

(۵) تحریم الرجعة فی تحریم المتعة

(۶) جواهر النظم فی الفرائض (اردو)

(۷) ارجوزه فی علم الصرف (فارسی)

(۸) مصباح المجالس فی مدح النبی ﷺ

(۹) ارجوزه فی علم النحو (۱۰) قصیده فی مدح خیر النساء

(۱۱) اپنے استاد میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے منقبت میں قصیدہ (عربی)

محمد بن یوسف سورتی

مولانا محمد بن محمد یوسف سورتی

ساکن: سامرود، سورت، گجرات

آپ کا نام ''محمد'' اور کنیت ''ابوعبداللہ'' تھی۔ ضلع سورت (گجرات) کے ایک گاؤں ''سامرود'' میں ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد یوسف کوئی خاص پڑھے لکھے نہ تھے۔ کھیتی کسانی کا کام اور تجارت کرتے تھے۔ البتہ آپ کے ماموں محمد بن ہاشم شاگرد میاں صاحب ممتاز عالم دین اور فقیہہ تھے۔ انہوں نے آپ کو علم کا شوق دلایا۔ علاوہ ازیں آپ کے ننیہال میں مولانا عبدالجلیل سامرودی بہت بڑے عالم دین اور محدث گزرے ہیں۔ ددھال میں آپ کے چچاؤں نے بھی انہیں علم دین کے حصول کی طرف ترغیب دلائی۔ انہیں سب کی کوششوں کے نتیجہ میں سامرود کے افق پر آپ آفتاب علم بن کر چمکے اور عرب وعجم میں مشہور ہوئے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ ابتدائی تعلیم کے اساتذہ میں شیخ محمود بن محمد بن ہاشم سامرودی، شیخ علی بن محمد بن ہاشم سامرودی (میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد)، مولانا عنایت اللہ اور مولانا عبداللہ باگھ مارو ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد ممبئی میں مولانا محمد جعفر الہمبوری سے تعلیم حاصل کی۔ موصوف آپ کے ماموں کے شاگرد بھی تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں دہلی آئے اور مدرسہ نذیر حسین محدث دہلوی میں داخلہ لیکر میاں صاحب کے پوتے مولانا عبدالسلام سے حدیث وفقہ کی تعلیم

حاصل کی۔ آپ نے سورت سے دہلی کا سفر پیدل طے کیا۔ دہلی میں اور دیگر اساتذہ جیسے مولانا محمد بن عبداللہ جونا گڑھی، مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا عبدالوہاب ملتانی شیخ ابواسماعیل یوسف حسین خانپوری وغیرہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۷ھ میں حیدر آباد دکن پہنچ کر علامہ ابوجلیل مکی اور شیخ طیب مکی رامپوری سے استفادہ کیا۔ شیخ رام پوری جب اپنے وطن آئے تو انہیں بھی ساتھ لے آئے۔ پھر جب ندوہ پڑھانے گئے تو انہیں بھی ساتھ لے گئے۔ وہاں آپ نے منطق، فلسفہ، ادب، اصول فقہ، علام کلام، تفسیر اور صحیح بخاری وغیرہ جملہ علوم فنون کی کتابیں پڑھیں۔ دوران تعلیم شیخ حسین بن محسن انصاری اور علامہ شمس الحق ڈیانوی سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ لیکن آپ نے سند کسی سے نہ لی۔

مولانا محمد سورتی اور مولانا عبدالعزیز میمن جونا گڑھی دونوں ہم عصر ہیں اور ایک ہی استاد کے شاگرد۔ لہذا دونوں کے درمیان علم وفضل میں خوب نوک جھونک اور محاذ آرائی ہوتی۔ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ ایک دوسرے کا علمی امتحان لیتے۔ دوران تعلیم دہلی پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کتابیں ہاتھ سے نقل کر کے اسٹریٹ لائٹ میں کھڑے ہوکر پڑھتے اور پورا دن سڑک کے سایہ دار درختوں کے نیچے مطالعہ میں گزرتا۔ جب پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو جمنا میں تیراکی کرنے چلے جاتے۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کتاب ایک مرتبہ پڑھ لیتے وہ ازبر ہو جاتی۔ علم وادب، رجال وانساب واخبار میں آپ کا مرتبہ اتنا اونچا تھا کہ اس عہد میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے شادی کے بعد صرف ۳ ماہ میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا۔ ہزاروں عربی اشعار وانساب آپ کی نوک زبان پر تھے۔

تدریسی خدمات:

آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے تدریس کی بسم اللہ کی۔ چنانچہ جامعہ کا افتتاح عمل میں آنے کے بعد آپ اس کے پہلے استاد مقرر ہوئے آپ نے ۸-۹ سال یہاں تعلیم دی۔ پھر جامعہ علی گڑھ، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ رحمانیہ دہلی، جامعہ اعظم بلیماران اور دار الحدیث ممبئی

میں وقفہ وقفہ سے تعلیمی وتدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۱۳۵۵ھ میں جامعہ اعظم میں آپ نے درس نظامی وانگریزی کا درس دیا۔ دارالحدیث ممبئی کی سنگ بنیاد خود علامہ نے ۱۹۳۸ء میں ڈپن روڈ نمبر ۱۱ پر رکھا تھا۔ پروفیسر عبدالصمد نے مولانا سورتی سے یہیں تعلیم حاصل کی تھی۔

علمی مشاغل:

آپ کو نادر ونایاب کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ پرانی کتب کی تلاش میں کتب خانوں کو چھانتے پھرتے تھے۔ کتاب بوسیدہ ہوجاتی تو اپنے ہاتھ سے نقل کرکے رکھ لیتے۔ کتابوں کی تجلید خود اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ قلمی کتابوں کی تلاش اور فراہمی اور نقل ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اس تعلق سے آپ نے پٹنہ، رامپور، کلکتہ اور حیدرآباد کا سفر کیا۔ ٹونک کتابوں کی تلاش میں گئے تو وہیں آپ کی شادی بھی ہوگئی۔ قدیم قلمی نسخے اور کردم خوردہ بوسیدہ تحریر پڑھنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

تصنیفات:

آپ نے کئی کتابیں تصنیف وتالیف کی ہیں۔ چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) ازہار العرب (عربی) پند ونصائح اور امثال وحکم کا خزانہ ہے۔

(۲) قواعد عربی (علم صرف کے موضوع پر)

(۳) ترجمہ کتاب التوحید (اردو)

(۴) الزيادات الوافية على الكافية الشافية

(۵) شرح دیوان حسان

(۶) الانصاف فی ماجری فی نحو ابی هريرة

(۷) عالم برزخ، مطبوع دارالمعارف (۸) ضروری احکام

(۹) شرح بلوغ المرام (۱۰) شرح سنن ابن ماجه

ان کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر آپ کے گرانقدر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب ہیں جو

ناپید ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد کے لیے آپ نے ابن درید کی جمہرۃ اللغۃ اور خطیب بغدادی کی الکفایۃ اور ابن القطاع کی کتاب الافعال کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں ڈاکٹر عبدالعلیم، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد سرور، ملک حسن علی جامعی، عبدالرحمن طاہر سورتی، پروفیسر مولانا عبدالصمد، پروفیسر مختار الدین وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

اخلاق وعادات:

آپ بڑے سخت متشرع تھے۔ عام نشست وبرخاست اور وضع قطع میں ذرا سی بھی بے راہ راوی کھٹکنے لگتی جو آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ مولانا کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ لوگ انہیں اپنا بزرگ سمجھتے۔ افادہ واستفادہ کا دروازہ ہمیشہ عام رکھا، جس نے جس وقت آپ سے پڑھنا چاہا پوری محنت اور تندہی سے جذبۂ اخلاص سے سرشار ہوکر پڑھاتے۔

جبل العلم:

آپ کی علمی صلاحیتوں کا سبھی نے لوہا مانا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا ابوالکلام آزاد، مشہور مستشرق کرنکو۔ مولانا سید سلیمان ندوی مولانا آزاد نے حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے آپ سے گزارش کی تھی کیوں کہ آپ ہی اس کی عبارت اور اسکے اسلوب کو سمجھ کر صحیح ترجمہ کرسکتے تھے۔ مولانا محی الدین قصوری لکھتے ہیں کہ علامہ سورتی کا وجود ہماری جماعت میں اپنے وقت میں یکتا تھا۔ وہ علم کا ایک سمندر تھے۔ حدیث وادب میں اپنی نظیر آپ تھے۔

بیماری:

آخری عمر میں آپ نے علی گڈھ میں مستقل طور پر قیام فرمالیا تھا، دوران قیام علی گڈھ آپ کو استسقاء کی بیماری کا عارضہ ہوگیا جس میں ۲ سال تک مبتلا رہے بالآخر ۷/اگست ۱۹۴۲ء مطابق ۱۵/رجب ۱۳۶۱ھ کو علی گڑھ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

محمد جونا گڑھی

خطیب الہند مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی رحمہ اللہ

(۱۸۹۰ء-۱۹۴۱ء)

خطیب الہند حضرۃ العلام حضرت مولانا محمد بن محمد ابراہیم جونا گڑھی رحمہ اللہ ۱۸۹۰ء میں اپنے آبائی وطن جونا گڑھ ضلع کاٹھیاواڑ (گجرات) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں مولانا عبداللہ سے حاصل کرنے کے بعد دہلی میں علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کے والد اس پر راضی نہیں ہوئے۔ مگر مولانا اپنے ایک دوست عبدالسلام کے ہمراہ گھر کو خیر باد کہہ دیا۔ ۱۹۲۱ء میں دلی پہنچ کر مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا، مگر عامل بالحدیث ہونے کے جرم میں نکال دیئے گئے۔ چنانچہ اپنے ایک دوست کے مشورے سے صدر بازار کے مدرسہ دارالکتب والسنۃ میں داخلہ لے کر جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔ اساتذہ میں مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی (م۱۳۵۱ھ) مولانا عبدالرحیم غزنوی امرتسری، مولانا محمد اسحاق منطقی، مولانا عبدالرشید اور مولانا محمد ایوب پراچہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد اسحاق منطق وفلسفہ وہیئت کے اپنے زمانہ کے معروف ومشہور استاذ تھے۔ ارذل العمر کو پہنچ چکے تھے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ مولانا عبدالسلام (مالک مطبع فاروقی) جو ایک اہلحدیث عالم دین تھے، ان کی سفارش پر علامہ بڑی مشکل سے اس شرط پر پڑھانے پر راضی ہوئے کہ ٹھیک ۴ بجے شام میرے پاس پہنچ جایا کریں۔ اگر ایک منٹ کی بھی تاخیر ہوگی تو واپس جانا پڑے گا۔

مولانا محمد جونا گڑھی نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا اور پندرہ روپے ماہانہ فیس دیکر علامہ

سے منطق، فلسفہ اور علم ہیئت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ موصوف کے انتقال کے بعد ایک دوسرے استاذ مولانا محمد ایوب پراچہ سے مذکورہ فنون کی تکمیل کی۔

تدریس وتالیف:

فراغت کے بعد مسجد اہل حدیث اجمیری گیٹ میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ڈالی اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ ۱۹۴۰ء میں ایک رسالہ ''گلدستہ محمدیہ'' بھی جاری کیا جس کا نام بعد میں ''اخبار محمدی'' رکھا۔ بعد میں باڑا ہندوراؤ میں دارالحدیث رحمانیہ کے زیر سایہ اپنا ذاتی مکان بنالیا اور تاحیات وہیں رہے۔ آپ بیک وقت مقرر، مناظر اور صاحب قلم تھے۔ آپ کی تقریروں سے تقلید کی چولیں ہل گئیں اور تحریروں سے ایوان تقلید میں زلزلہ آ گیا۔ چنانچہ احناف نے آپ کی ایک کتاب ''درہ محمدی'' کو لے کر ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کے کورٹ میں توہین مذہب کا مقدمہ دائرہ کردیا جو کہ کم وبیش ایک سال تک چلا۔ علامہ نے مقدمہ کی پیروی میں ایک سال تک کلکتہ کے سفر، کورٹ کچہری کے چکر لگاتے، قیمتی اوقات الگ برباد ہوئے، لیکن باطل پرستوں سے سمجھوتہ نہ کیا، فجزاہ اللہ فی الآخرۃ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دن رات تقریریں اور مناظرے کرتے، کتابیں بھی تصنیف کرتے اور پندرہ روزہ ''اخبار محمدی'' کے لئے مضامین لکھتے، کتابت کراتے، یہ سارے کام تن تنہا انجام دیتے۔ آپ کی تصنیف کردہ مصنفات کی تعداد جہاں تک پتہ چلا ۱۱۰ سے متجاوز ہے جن میں بنام ''محمدیات'' کی تعداد ۸۴ ہے۔

دہلی سے اپنے وطن اعزہ واقارب سے ملاقات کرنے کے لیے گئے۔ وہیں دل کا دورہ پڑا اور یکم صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو پچاس سال کی عمر میں حرکتِ قلب بند ہوجانے سے انتقال فرمایا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

آپ کی تالیفات میں ''محمدیات'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے جنہوں نے کتاب وسنت کے احیاء اور شرک وبدعات وتقلید وجمود کے استیلاء میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ذیل

میں بحساب ابجدان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

(۱) ایمان محمدی (۲) امام محمدی (۳) آئینہ محمدی
(۴) ارشاد محمدی (۵) اذان محمدی (۶) انصار محمدی
(۷) امامت محمدی (۸) اشعار محمدی (۹) انعام محمدی
(۱۰) اخبار محمدی (۱۱) اربعین محمدی (۱۲) براءت محمدی
(۱۳) برہان محمدی (۱۴) پیام محمدی (۱۵) توحید محمدی
(۱۶) تحفہ محمدی (۱۷) تعلیم محمدی (۱۸) تفسیر محمدی
(۱۹) تعویذ محمدی (۲۰) تائید محمدی (۲۱) ثعبان محمدی
(۲۲) جماعت محمدی (۲۳) حقوق محمدی (۲۴) حج محمدی
(۲۵) حقیقت محمدی (۲۶) حیات محمدی (۲۷) خطبۂ محمدی
(۲۸) خطبات محمدی (۲۹) درایت محمدی (۳۰) دلائل محمدی
(۳۱) درود محمدی (۳۲) دین محمدی (۳۳) درہ محمدی
(۳۴) ذمہ محمدی (۳۵) رکوع محمدی (۳۶) ریحان محمدی
(۳۷) زکوۃ محمدی (۳۸) سیرت محمدی (۳۹) سنت محمدی
(۴۰) سیف محمدی (۴۱) سراج محمدی (۴۲) سلام محمدی
(۴۳) شہادت محمدی (۴۴) شمع محمدی (۴۵) صلوۃ محمدی
(۴۶) صیام محمدی (۴۷) صدائے محمدی (۴۸) صمصام محمدی
(۴۹) صراط محمدی (۵۰) ضرب محمدی (۵۱) طریق محمدی
(۵۲) ظفر محمدی (۵۳) ظل محمدی (۵۴) عقائد محمدی
(۵۵) عقیدۂ محمدی (۵۶) عصائے محمدی (۵۷) عید محمدی
(۵۸) غنیۂ محمدی (۵۹) فضائل محمدی (۶۰) فرمان محمدی
(۶۱) فیصلہ محمدی (۶۲) فتاوی محمدی (۶۳) قبیلہ محمدی

(۶۴) قربان محمدی (۶۵) گلدستہ محمدی (۶۶) لؤلؤ محمدی

(۶۷) میلاد محمدی (۶۸) مساجد محمدی (۶۹) معراج محمدی

(۷۰) مملکت محمدی (۷۱) مناظرۂ محمدی (۷۲) مرحمت محمدی

(۷۳) مشکوۃ محمدی (۷۴) مقالہ محمدی (۷۵) ملت محمدی

(۷۶) نکاح محمدی (۷۷) نور محمدی (۷۸) نماز محمدی

(۷۹) نصیحت محمدی (۸۰) وضوء محمدی (۸۱) وظیفہ محمدی

(۸۲) ہدایت محمدی

(۸۳) تفسیر محمدی (تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ) جو آج کل ''تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے چھپ رہی ہے۔ اور مترجم کی حیثیت سے آپ کا نام ہی غائب کردیا گیا۔

(۸۴) دین محمدی (اعلام الموقعین کا اردو ترجمہ) مولانا ابوالکلام آزاد نے جب اس اردو ترجمہ کو پڑھا تو خوش ہو کر آپ کو مبارک باد کا ایک خط بھیجا۔

نوٹ! یہ تعداد کوئی حتمی اور آخری نہیں ہے۔ مولانا علیہ الرحمہ والرضوان کے ہفت روزہ اخبار ''اخبار محمدی'' ''تراجم علمائے حدیث'' اور دیگر کتب و رسالہ جات میں تلاش بسیار کے بعد جو نام مل سکے ہیں، شامل اشاعت ہیں۔ (خالد)

حافظ محمود

(۱۸۸۸ء-۱۹۷۲ء)

حافظ محمود بن مولانا لیاقت حسین

حافظ محمود کی تاریخ پیدائش تخمیناً ۱۸۸۸ء ہے۔ موصوف اور ان کے والد لیاقت حسین دونوں نے تعلیم و تربیت حافظ عبدالعزیز محدث رحیم آبادی سے حاصل کی۔ مولانا شیخ احمد اللہ مظفر پور میں ایک مدرسہ کے معلم تھے، انہیں کے مشورہ سے رحیم آباد آکر علامہ رحیم آبادی

سے تعلیم تکمیل کی اور سند اجازہ حاصل کی۔ قرآن پاک کا حفظ سیتامڑھی کے مدرسہ میں حافظ نصر اللہ کی نگرانی میں کیا۔

محدث رحیم آبادی سے متاثر ہو کر انہیں کی روش اپنائی اور گاؤں گاؤں دورہ کر کے دعوت و تبلیغ کیا۔ تاحیات یہ سلسلہ جاری رہا۔ کسی مدرسہ میں باقاعدہ تدریس کا فریضہ نہیں انجام دیا۔ چونکہ گھر کے زمین دار تھے اس لیے فارغ البال تھے اور شب و روز دورہ ہی کرتے رہتے تھے۔

انتقال گھر پر ہی ۲۶ رمئی ۱۹۷۲ء میں بعمر ۸۴ سال ہوا۔

ابتداء میں حنفی تھے لیکن رحیم آبادی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلک اہل حدیث کو اپنایا۔ یہ اور ان کے والد لیاقت حسین مسلک بدلنے کے جرم میں گھر سے نکال دیئے گئے تو رگھے پورا نیٹولی آکر آباد ہوئے تو یہاں بھی تبلیغی سلسلہ جاری رکھا۔ گھر سے اخراج ہونے کے باوجود بھی باقاعدہ والد سے رشتہ بحال رکھا۔ جب ان کو سلام کرتے تو وہ جواب جوتا سے دیتے تھے۔ لیکن پھر بھی ان سے ملاقات جاری رکھی۔ آج رگھے پورا کا علاقہ جو اہل حدیث ہے یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مولانا محمود نے لیاقت حسین کا واقعہ بتایا کہ رگھے پورا میں ہجرت کر کے آباد ہوئے تو بدعتیوں اور جاہلوں کے ماحول سے سابقہ پڑا۔ ایک مرتبہ کوئی خط اس گاؤں کے نام نہاد امام کے نام آیا تو لیاقت حسین نے پڑھ لیا، تو اس امام نے فتویٰ دیا کہ جو کوئی خط کھول کر پڑھ لے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لیاقت حسین نے کہا ثبوت دکھا۔ اس کو اتنا مجبور کیا کہ مظفر پور تک اس کا پیچھا کرتے رہے اور وہ بھاگتا رہا۔ اب اس کے بھاگ جانے کے بعد لیاقت حسین بے تاج بادشاہ ہو گئے۔ مسجد کے امام بن گئے اور ان کا فتویٰ چلنے لگا۔ والد صاحب بھی راہ راست پر آگئے اور مسلک کتاب و سنت پر گامزن ہو گئے۔ اور ان کی دعوت پر عوام نے لبیک کہا اور پورا علاقہ اہل حدیث ہو گیا۔

لیاقت حسین کا انتقال تخمیناً ۳۷-۱۹۳۸ء میں ہوا۔

مختار احمد ندوی

(۱۹۳۰ء-۲۰۰۸ء)

مولانا مختار احمد ندوی بن الحاج محمد ضمیر۔

محلہ وشوناتھ پورا، مئوناتھ بھنجن یوپی۔

تاریخ پیدائش ۳۰ رجون ۱۹۳۰ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ نے ایسے خاندان وماحول میں آنکھیں کھولیں جو علم وعرفان سے معمور تھا۔ آباء واجداد علم وفضل سے بہرہ ور تھے، رحمانی علماء کی معتد بہ تعداد نے اپنی دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس سے شہر مئو اور مضافات کے لوگوں کے عقائد ورجحانات کو کتاب وسنت کے مطابق ڈھال دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی نشو ونما ایسے ہی دینی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

مکتب درجات پرائمری کے علاوہ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم مدرسہ عالیہ (موجودہ جامعہ عالیہ عربیہ) میں حاصل کی۔ عربی درجات علیا کی تعلیم کے اکتساب کے لیے دہلی عازم سفر ہوئے اور دار الحدیث رحمانیہ میں داخل ہو کر دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی سند حاصل کی۔ سال فضیلت کے دوران ہی تقسیم ملک کا سانحہ پیش آگیا اس لیے درمیان سال ہی وطن مئو واپس چلے گئے۔ ملک کے حالات سازگار ہونے کے بعد شہر کے ہی مدرسہ فیض عام میں داخلہ لے کر وہاں سے ۱۹۵۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ سند اجازہ مولانا عبد اللہ شائق اور مولانا محمد احمد (بڑے مولانا) نے عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں مولانا ابو القاسم سیف بنارسی سے بھی کسب فیض حدیث کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا، مولانا مفتی محمد سعید، مولانا محمد احمد مئوی (بڑے مولانا) مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرہم۔

عملی زندگی کا آغاز:

آپ نے فراغت تعلیم کے بعد جامع مسجد اہل حدیث تانتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔اور کم وبیش دس سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔اس دوران آپ نے حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلومااور پرائیوٹ طور پر .B.A بھی کیا۔"مکتبہ التوحید" کے نام سے ایک تجارتی مکتبہ بھی قائم کیا۔ دریں اثناء چین نے ۱۹۶۲ء میں ہندوستان پر حملہ کردیا،جس سے شہر کلکتہ کے حالات دگرگوں ہوگئے لہذا کلکتہ کو خیرآباد کہہ کروطن مالوف لوٹ آئے۔مولانا عبدالجبار شکراویؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو مسجد اہل حدیث مومن پورا ممبئی میں امامت وخطابت کا مشورہ دیا۔(اس مسجد میں مولانا داؤد راز امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ان کے سبک دوش ہوجانے کے بعد امامت وخطابت کی جگہ خالی تھی۔)

۶۳-۱۹۶۲ میں آپ نے مولانا کے مشورہ پر ممبئی پہنچ کر مومن پورا مسجد کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی اور تقریبا ۲۰ سال تک فریضہ انجام دیا۔اس دوران آپ نے مومن پورہ مسجد کی از سرنو تعمیر کرائی اور ۱۹۷۵ء میں مسجد سے متصل سات منزلہ بلڈنگ تعمیر کرواکر مولانا آزاد ہائی اسکول قائم کیا۔

۸۱-۱۹۸۲ء میں بنگالی مسجد اہل حدیث مدن پورہ آگئے اور یہاں بھی تقریبا ۲۶ سال تک امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔اس طرح آپ نے لگ بھگ ۵۶ سال تک

بحیثیت امام وخطیب اور داعی کی زندگی گزاری۔

دوران قیام ممبئی آپ نے وہ جماعتی کارہائے نمایاں انجام دئے جو صدیوں یاد کی جائیں گی اور یہ خدمات تا قیامت صدقہ جاریہ کا کام کریں گی۔

آپ کی خدمات کا اجمالی تعارف:

☆ الدار السلفیہ (۱۹۷۰) کا قیام:۔ اس نام سے آپ نے ایک تحقیقی واشاعتی ادارہ قائم کیا جہاں سے تحقیق ونظر ثانی کے بعد اردو اور عربی کتب کی اشاعت ہوتی ہے۔ ادارہ سے اب تک عربی میں ایک سو اور اردو زبان میں ڈھائی سو، نیز انگریزی اور ہندی زبانوں میں کم وبیش پچاس دینی، اصلاحی وتربیتی کتب شائع ہوچکی ہیں جسمیں مصنف ابن ابی شیبہ کی ۱۵ ضخیم جلدیں اور الجامع لشعب الایمان امام بیہقی کی ۲۰ جلدیں قابل ذکر ہیں۔

☆ دار المعارف:۔ اس کے تحت اگست ۱۹۹۰ء میں ''ماہنامہ مجلّہ البلاغ'' جاری کیا جو گزشتہ ۱۸ سالوں سے پابندی سے شائع ہورہا ہے۔ اس ادارہ سے دینی واصلاحی عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کراکے شائع کیا گیا۔

☆ جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی:۔ اس سوسائٹی کے تحت آپ نے شہر ممبئی ودیگر صوبہ جات میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے الگ الگ عظیم الشان ادارے قائم کئے، جہاں دینی تعلیم کے ساتھ حکومت سے منظور شدہ عصری علوم کا کورس بھی پڑھایا جاتا ہے۔ ان اداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸) یہاں فراغت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۲) کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸) یہ بنات کا مثالی ادارہ۔ یہاں بھی قیام وطعام کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۳) جامعہ محمدیہ بنگلور (۱۹۸۹) میرے علم کی حد تک عالمیت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۴) مدرسہ عائشہ صدیقہ بنگلور (۱۹۸۹) یہاں بھی طعام وقیام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۵) مدرسہ محمدیہ اردو ہائی اسکول (دھلیا) - پرائمری

(۶) مدرسہ محمدیہ آکوٹ - پرائمری (۷) مدرسہ محمدیہ اورنگ آباد - پرائمری

(۸) مدرسہ محمدیہ مہسلہ - پرائمری

(۹) مدرسہ محمدیہ جھانڈا (ہریانہ) پرائمری کے ساتھ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۱۰) محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (I.T.I) (کوسہ ممبرا) یہاں کمپیوٹر ایرکنڈیشن اور ڈراونگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

☆ الجمعیۃ المحمدیہ الخیریہ:۔ اس سوسائٹی کے اشراف میں درج ذیل ادارے وکالج کا قیام عمل میں آیا۔

(۱) کلیۃ فاطمۃ الزہرا للبنات مئو (۱۹۸۲) اس کلیہ میں مع قیام وطعام نیز جملہ سہولیات کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ مرتب کتاب ہذا (خالد) نے کئی بار اس ادارہ کی زیارت کی ہے۔

(۲) محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں (۱۹۸۱) یہاں بی۔ یو۔ ایم۔ ایس کی ڈگری دی جاتی ہے۔

(۳) محمدیہ جنرل ہسپتال مئو (۱۹۸۴) (۴) بدر محمد السائر ہسپتال مالیگاؤں (۱۹۸۱)

☆ ادارہ اصلاح المساجد:۔ (۱۹۸۰) اس ادارہ کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا جس کے اشراف میں ملک کے طول وعرض میں زائد از چار سو مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

☆ مرکز تعلیم الاسلام:۔ اس ادارہ کے ذریعہ اخوان وخواتین کی تربیت وتعلیم کے لیے شہروں میں سینٹر کھولے گئے، دعاۃ ومبلغین رکھے گئے، مساجد میں امام وخطیب کی تقرری کی گئی۔

جماعتی خدمات:

آپ مولانا عبدالوحید سلفی کے دور امارت میں نومبر ۱۹۷۹ء سے نومبر ۱۹۸۹ء تک

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر کی حیثیت سے رہے۔ پھر مولانا عبدالوحید سلفی کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۰ء کارگزار امیر بنے۔ مئی ۱۹۹۰ء سے جولائی ۱۹۹۷ء تک امیر جماعت رہے۔ دوران امارت مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مرکزی جمعیت کے لیے دہلی میں جامع مسجد علاقہ میں بلڈنگ خریدی جو ''اہل حدیث منزل'' کے نام سے موسوم ہے۔

تصانیف:

آپ نے جن کتابوں کی تالیف یا ترجمے کیے انکی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) صلوۃ النبی ﷺ (صفحات:۱۰۲) (۲) نماز مسنون (صفحات:۴۰)

(۳) رمضان کے فضائل (صفحات:۴۰) (۴) حج مسنون (۲۴۰)

(۵) آسان حج مسنون (۱۰۴) (۶) تعلیم الاسلام (صفحات:۳۱۴)

(۷) کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے (صفحات:۳۲)

(۸) عورت... کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات:۱۰۴)

(۹) داڑھی..... کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات:۱۱۲)

(۱۰) طاعون... رحمت یا زحمت (صفحات:۴۴)

(۱۱) قرآن خوانی اور ایصال ثواب (صفحات:۶۴)

(۱۲) مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام (صفحات:۱۲۰)

(۱۳) کتاب الدعاء (صفحات:۱۹۲)

اللہ کا یہ بندہ ۵۵ سال تک دین اسلام اور کتاب وسنت کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمت کرتا ہوا ۱۹/ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار مطابق ۲۶/شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بوقت پونے سات اپنے حقیقی مالک سے جاملا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

دوسرے دن بعد نماز ظہر مولانا سلیمان میرٹھی کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جو

ہو کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین نرینہ اولاد چھوڑی۔ محمد اسلم مختار، محمد اکرم مختار، محمد ارشد مختار۔ الحمد للہ تینوں ہی دینی وعصری تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ پہلے دونوں نے پریس قائم کر رکھا ہے جہاں چھپائی کا معقول انتظام ہے۔ تیسرے صاحب مولانا مختار صاحب کے چھوڑے ہوئے کاز کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

قاری مظہر الدین

(۱۹۳۴ء-۲۰۰۵ء)

قاری مظہر الدین بن لاڈ خاں بن ناہر خاں

مقام: رنیالہ خورد (عرف جھانڈا) تحصیل، ہتھین، میوات (ہریانہ)

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۴ء۔

خاندانی پس منظر:

علاقہ میں جہالت عام تھی، شرک و بدعات میں لوگ ملوث تھے، صرف نام کے مسلمان تھے، کھیتی کسانی سے وابستہ تھے۔ یہی سب کچھ ان کا دین اور دنیا تھی۔ ایسے ہی ماحول میں موضع لہرواڑی، تحصیل پونہانہ (میوات) کے ایک گاؤں میں ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے برادر کبیر معاملہ خان ایک موضع رنیالہ خورد (عرف جھانڈا) کے مکتب ضیاء القرآن میں بحیثیت استاد مامور تھے۔ چنانچہ آپ بھی حصول علم کے لیے یہیں آگئے اور یہیں پر ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ دینی امور اور مسائل کو مولانا عبدالحکیم جیوری بلند شہری، مولانا ابراہیم اور مولانا سردار خاں کی صحبت میں رہ کر نیز دینی کتب کا مطالعہ کر کے سیکھا۔ پھر اسی گاؤں میں مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ دریں اثناء بڑے بھائی کے انتقال کے بعد ان کا مسند تدریس سنبھال کر تدریس و تعلیم کے مشغلہ سے جڑ گئے، ساتھ ہی وقتاً فوقتاً

امامت وخطابت کا بھی فریضہ انجام دینے لگے۔ گاؤں کے بچوں کے علاوہ مضافات کی بستیوں کے بے شمار بچوں کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور یہ سلسلہ پورے پچاس سال جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں آپ ''استاد جی'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

بڑے نیک اور پرہیز گار تھے۔ عنفوان شباب ہی سے قیام اللیل کا سلسلہ شروع کیا تو تاحیات اس پر عامل رہے۔ لین دین میں امانت داری، وقت کی پابندی اور احساس ذمہ داری یہ آپ کا خاص وصف تھا، علاقہ کے لوگوں میں آج بھی آپ کے حسن اخلاق، مہر و مروت اور امانت داری کے چرچے ہیں۔

مختصر علالت کے بعد ۲۸ رمئی ۲۰۰۵ء بروز شنبہ بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ نماز جنازہ امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث صوبہ ہریانہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسرائیل ندوی نے پڑھائی اور رنیالہ خورد کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث دہلی کے کارکن مولانا عبدالمنان شکراوی سلفی آپ کے خلف الرشید ہیں اور اپنے والد کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ اللہ مزید توفیق دے۔

محمد مغیرہ سلفی

(۱۹۲۸ء تا ۱۹۶۳ء)

ساکن: مولانگر، پوسٹ: پچپور رُماہی ضلع سیتامڑھی (بہار)
تاریخ پیدائش: ۱۹۲۸ء (تخمیناً)

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد کا نام حافظ عبدالستار تھا۔ پوری زندگی درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ میں گزاری۔ آپ کے برادر کبیر مولانا فضل الرحمٰن مولانگری دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے فارغ تھے، جنہوں نے ۱۹۹۲ء تک تعلیم وتربیت، امامت وخطابت اور جماعت کی تنظیمی واصلاحی

کاموں میں گزاری۔ سب سے بڑے بھائی مولانا نورالہدیٰ ایک اچھے مدرس تھے، پوری حیات درس وتدریس میں گزاری۔ ایسے ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔

تعلیمی مراحل:

بغدادی قاعدہ اور قرآن ناظرہ کے ساتھ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالستار سے حاصل کی۔ اسی دوران قرآن پاک کا حفظ بھی مکمل کیا۔ پھر احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ لے کر فراغت حاصل کی۔

۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، پھر بی اے کی سند حاصل کر کے پرسونی ہائی اسکول میں ٹیچر منتخب ہوئے۔ دوران تعلیم ہی بی ایڈ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ تدریسی وتعلیمی فریضہ انجام دیتے ہوئے اکتوبر ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۳ھ کو انتقال کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے پہلے استاد حافظ عبدالستار والد گرامی ہیں۔ دارالحدیث احمدیہ سلفیہ کے اساتذہ میں مولانا عبیدالرحمٰن عاقل، مولانا نذیر احمد املوی، صوفی عبدالرحمٰن رجوراوی، مولانا فضل الرحمٰن سلفی اور ماسٹر وکیل کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

کالج سے وابستہ رہنے کے باوجود دینی ودعوتی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ بہت اچھے مقرر اور خطیب تھے۔ جمعہ کا خطبہ بھی دیتے تھے، لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ کالج کے زمانہ میں دوسری یونیورسٹیوں میں مقابلہ جاتی مجالس میں اپنی یونیورسٹی کی طرف سے نمائندہ بن کر جاتے اور وہاں سے مڈل حاصل کر کے آتے۔

ممتاز علی گرتھی ڈیہہ

(۱۸۹۲ء۔۱۹۷۳ء)

خشوع وخضوع، تضرع وابتہال اور انابت الی اللہ میں بے مثال، توحید وسنت اور عقیدۂ

سلف کا داعی، کفر وشرک اور بدعات وضلالت کا ماحی اور اسلاف کا نمونہ کامل جن کا اسم گرامی ممتاز علی بن علی حسن بن محمد رسول بن پنا علوی ہے۔

آپ کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں ہوسکا۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بستی کا جنوبی علاقہ تھا۔ آپ کے والد علی حسن وہاں سے ہجرت کر کے بلرام پور میں آگئے۔ پھر اسے بھی خیر آباد کہہ کر موضع کسمی (ڈومریا گنج) میں آباد ہوگئے۔ مولانا اپنے والد کے ساتھ یہاں پچیس سال تک رہے، پھر موضع کرتھی ڈیہہ جا آباد ہوئے۔ مولانا کی پیدائش، ننہال موضع ٹکریا میں ہوئی۔

خاندان جاہل تھا اس لیے لمبی عمر تک تعلیم کی طرف توجہ نہ کی۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ مولانا نے بیس سال کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ دی۔ ابتدائی تعلیم بونڈیہار میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی سرپرستی میں حاصل کی، پھر گھر آگئے۔ مدرسہ میں داخلہ کے بعد عقیدہ ومنہج بدل گیا اور کتاب وسنت کے شیدائی بن گئے۔ بدعتی علماء سے مناظرہ کرنے لگے۔ ایک بدعتی عالم نے دوران مناظرہ مولانا سے حدیث کے کسی لفظ کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون سا صیغہ ہے؟ آپ کے اندر اتنی استعداد تو تھی نہیں۔ اس لیے مزید علم دین کے حصول کے لیے پیدل ہی ندوہ کے لئے نکل پڑے۔ راستہ میں لوگوں سے کہتے جاتے تھے کہ میں ''صیغہ'' پڑھنے جارہا ہوں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور استاذ حدیث مولانا حفیظ اللہ اعظم گڑھی سے حدیث پڑھی اور سند فراغت لے کر واپس لوٹے۔ بقول علامہ نوشہروی آپ نے الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان بھی پاس کیا (تراجم علماء اہلحدیث ص:۶۹۶)

فراغت کے بعد آپ کتاب وسنت کے پرجوش داعی اور مسلک اہل حدیث کے سرگرم مبلغ بن گئے۔ مولانا اظہر مسلم بہاریؒ کی معیت اور صحبت نے آپکی سرگرمیوں میں چار چاند لگادیئے۔ آپ ان کے خاص ارادت مندوں میں سے تھے۔ اس وقت پورا علاقہ شرک وبدعت میں ڈوبا ہوا تھا۔ پیر پرستی، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، نذر ونیاز، فاتحہ خوانی، قبروں پر چڑھاوا وغیرہ اس کو مسلمانوں نے دین اسلام سمجھ رکھا تھا۔ شعائر اسلام، ارکان دین، نماز،

روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ سے نا آشنا تھے۔

دعوت و تبلیغ:

آپ نے درس وتدریس کے مقابلے میں دعوت وارشاد کو ترجیح دی اوراس کام میں مصروف عمل ہوگئے۔اس سلسلہ میں بڑی اذیتیں اٹھائیں۔کٹر قسم کے قبوریوں سے مجادلے اور مباحثے بھی کیے۔جان کو بھی خطرے میں ڈالا لیکن دعوت الی اللہ سے پیچھے نہ ہٹے۔بحمد اللہ آپ کی انتھک کوششوں سے پورا علاقہ کتاب وسنت کا شیدائی ہوگیا۔آج کسمہی تا ڈومریا گنج کے پورے علاقہ میں کتاب وسنت کی تعلیم کاشت ہورہی ہے۔شجر اسلام ہرسو سایہ دار و ثمر دار نظر آرہا ہے۔یہ دراصل دیگر بزرگان دین کے ساتھ آپ کی محنتوں اور مخلصانہ کوششوں کا ثمرہ ہے۔اللھم اغفر له وعافه واعف عنه۔

مولانا ممتاز علی علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر کتنے ہی غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔کتنے ہی لوگ نماز باجماعت اور نماز تہجد کے پابند بن گئے۔بے شمار شیعہ حضرات کتاب وسنت پر عامل ہوگئے۔کتنے ہی امام باڑے مسجدوں کی شکل میں بدل گئے۔کتنی نئی مسجدیں وجود میں آگئیں، کتنے ہی مدراس ومکاتب قائم ہوگئے۔

دعوت وتبلیغ اور ارشاد واصلاح کے ساتھ ساتھ آپ نے درس وتدریس کا بھی فریضہ انجام دیا۔مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں بخاری ومسلم کا درس دیا۔وہاں سے چلے جانے کے بعد اپنے گھر کو ہی مدرسہ بنالیا۔جو چاہتا اور جب چاہتا حاضر خدمت ہوکر مستفیض ہوتا،آپ نے ہمیشہ بعد نماز فجر درس قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔

پیکر زہد وتقوی:

زہد وتقوی، خشوع وخضوع، تضرع وابتہال اور انابت الی اللہ میں اپنی مثال آپ تھے۔سردی ہو یا گرمی، دھوپ ہو یا باراں، ہمیشہ پنج وقتہ نماز کی امامت مسجد میں کرتے۔نماز تہجد کی بڑی سختی سے پابندی کرتے۔خاکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے چھپر کے مکان میں

رہنا پسند کیا، حالانکہ اللہ نے کسی چیز کی کمی نہیں کی تھی۔ پوری عمر کسی سے کبھی نذرانہ نہ قبول کیا۔ کبھی کسی دولت مند اور امیر کبیر کے دروازے پر نہیں گئے۔ درویشانہ زندگی بسر کی، طبیعت کے مستغنی تھے۔ نزاعی امور میں جو بھی فیصلہ کر دیتے لوگ اسے بخوشی مان لیتے۔

آپ کے زہد وتقوی کی وجہ سے لوگ آپکا ادب واحترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ضلع کے حکام نے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے پر پابندی لگادی اور انہیں اتار دینے کا حکم دیا تو آپ نے کہا: اسپیکر اسی وقت اترے گا جب مندروں سے بھی اتار دیا جائے، چنانچہ حکم واپس چلا گیا۔

آپ کی بزرگی اور تقوی وطہارت کے پیش نظر جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے مولانا نذیر احمد املوی، مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری اور دیگر علماء نے آپ ہی کے نام کا انتخاب کیا تھا، لیکن مشیت الہی سے دوسرے کے ہاتھوں انجام پایا۔

انتقال:

۲٦رذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق یکم فروری ۱۹۷۳ء بروز جمعرات اپنے ہی موضع کرتھی ڈیہہ میں انتقال کیا اور دوسرے دن نماز جنازہ بعد نماز جمعہ مولانا اقبال حسین صاحب نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله.

منظور الحق جھمکاوی

(۱۸۹۵ء تا ۱۹٦۲ء)

مولانا منظور الحق بن خدا بخش ضلع چمپارن کے ایک گاؤں 'جھمکا' میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت تخمیناً ۱۸۹۵ء ہے۔

ابتدائی تعلیم وتربیت گاؤں ہی کے مکتب میں ہوئی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے

دہلی کا سفر کیا اور بڑے مولانا، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڈھی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو اور دہلی میں مسجد علی جان میں قائم ''مدرسہ قرآن وحدیث'' میں بھی اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ مولانا احمد اللہ پرتاپ گڈھی نے کچھ عرصہ تک آپ کی تعلیم وتربیت کر کے سند اجازہ عطا فرمائی۔

آپ نے مذکورہ مدارس میں بہت سے علماء سے استفادہ کیا، ان میں مولانا محمد احمد (بڑے مولانا) سے مدرسہ فیض عام میں، حکیم مولانا کفایت اللہ سے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ میں، مولانا احمد اللہ دہلوی سے مدرسہ حاجی علی جان میں اور مولانا ابومحمد عبدالوہاب محدث ہند سے مدرسہ دار الکتب والسنہ میں، کسب علم کیا۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد وطن مالوف لوٹ کر ''مدرسہ چشمۂ رحمت'' جھمکا میں تدریس کا شغل اختیار کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ فیملی کے ساتھ موضع بلی رام پور منتقل ہو گئے اور وہاں ۱۹۶۰ء میں ایک مدرسہ بنام ''منظر العلوم'' کی بنیاد ڈالی اور آخری عمر تک تدریس سے جڑے رہے۔

آپ نے درس وتدریس سے طلباء کے اذہان وقلوب کو بدلا اور اپنی دعوت وتبلیغ سے اس علاقہ کو شرک وبدعات سے پاک کیا، ان کے عقائد ونظریات اور افکار وخیالات کو کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھالا۔ آج چمپارن کی سرزمین پر اہل حدیثوں کی کثیر تعداد یہ مولانا علیہ الرحمہ کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔

آپ نے شرک وبدعات اور تقلید وجمود کے خاتمے کے لیے مناظرے کئے اور الحمد للہ سبھی میں فتح یاب ہوئے۔

۱۹۴۹ء میں ایک حنفی عالم مولوی محمد شائق نے تقلید شخصی پر آپ سے مناظرہ کیا اور جب اپنی شکست کے آثار دیکھے تو ہنگامہ کروا کر جان بچائی۔ آخر میں تنہائی میں مولانا سے معافی مانگی اور اعتراف کیا کہ آپ حق پر ہیں۔

دوسرا مناظرہ عبدالرشید سے ہوا۔ یہ اصلاً اہل حدیث تھا، لیکن بعد میں پیٹ پوجا نے حنفی بنادیا۔ اہل حدیث کے پیچھے نماز کو باطل قرار دیتا تھا، اس کے خلاف مولانا نے اظہار حق، مذہب معیار حق اور حقانیت نام کی کتابیں لکھیں، جس سے عوام کی آنکھیں کھل گئیں اور اپنے مولوی کی کارستانیوں سے واقف ہوگئے۔ اپنی عدم مقبولیت دیکھ کر عبدالرشید نے مقدمہ دائر کردیا اور ثبوت میں آپ کی مصنفہ کتابیں کورٹ میں پیش کیں، جج نے کتاب میں دئے گئے حوالوں کی تحقیق کی تو سبھی کو صحیح پایا، اس لیے آپ کے حق میں فیصلہ سنایا اور مقلدین کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔

اس طرح کے بہت سارے مناظرے ہوئے اور ہر مذہب فکر کے لوگوں سے ہوئے اور الحمدللہ سب میں میدان آپ کے ہاتھ لگا اور فتح یاب ہوئے۔

فتویٰ نویسی:

آپ جہاں جاتے لوگ اپنے مسائل آپ کے سامنے رکھتے اور آپ ان کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں دیتے۔ آپ کے پاس بہار ونیپال کے مختلف اضلاع سے بذریعہ ڈاک سوالات آتے اور آپ بذریعہ ڈاک جواب بھی ارسال فرمادیتے۔

دینی وملی خدمات:

آپ نے پوری حیات دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہاں بھی گئے وعظ ونصیحت کی محفل منعقد کردی اور وعظ ونصیحت شروع کردی۔ سوال وجواب کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس وقت آج کی طرح سواریوں کا انتظام نہ تھا اس لیے آپ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔

انجمن دارالحدیث کا قیام:

آپ نے بلی رام پور کو اپنا مسکن بنایا تو وہاں ایک "انجمن دارالحدیث" کی داغ بیل ڈالی، اس کے ذریعہ لوگوں کو متحد ہونے کی دعوت دی۔ اس قیام سے معاشرہ میں قرآن

وسنت کی ترویج واشاعت میں بے حد اضافہ ہوا۔ بدعات ومحدثات کا خاتمہ ہوا۔ یہ انجمن مفت میں کتابیں بھی تقسیم کرتی تھی، تاکہ بیش از بیش لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔

مدرسہ منظر العلوم کا قیام:

آپ نے عوام کے تعاون سے ۱۹۶۰ء میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی جس سے بہت ساری ہستیاں فیضیاب ہوئیں۔ اس ادارہ میں عالمیت تک تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ اس کا نام "منظور العلوم" تھا، جسے بعد میں آپ نے خود ہی بدل کر "منظر العلوم" کر دیا۔ موضع پرسا میں بھی ایک ادارہ بنام "منظر العلوم" کا قیام عمل میں آیا۔ مدرسہ عربیہ دار السلام ملندی، مدرسہ سلفیہ کنز العلوم رنگ پور، مدرسہ یتیم خانہ بھوری وغیرہ کا قیام بھی آپ کی دعوت وتبلیغ کے اثر سے ہوا۔

مشہور تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد حنیف مدنی، مولانا احمد مجتبیٰ مدنی، مفتی مولانا محمد مرتضیٰ، قاری منظر الہدیٰ سعیدی، مولانا شمس الدین، حافظ محمد افضل، مولانا عبد المتین اوج، مولانا فضل المتین موج، مولانا فیاض الدین شوق وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ سے نور کتاب وسنت کو اخذ کیا اور اس کو پھیلا رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے کم وبیش ۳۰ کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے اکثر چھپ چکی ہیں۔

(۱) سیاسی کوڑا	(۲) عروج دارین
(۳) دین ودنیا	(۴) قانون محمدی
(۵) پاک مولود	(۶) حق اور حقانیت
(۷) جدال گوری پور مظہریا	(۸) مسلمانو! خبردار
(۹) نجات اہل حدیث	(۱۰) نماز باترجمہ

(۱۱) پردۂ نسواں (۱۲) اقیموا الصلوٰۃ
(۱۳) الجہاد (۱۴) علم دین
(۱۵) حدیث اور فقہ (حصہ اول) (۱۶) امراض روحانی اور علاج ربانی (حصہ اول)
(۱۷) اصل اسلام کے دو دشمن (۱۸) مذہبی معیار
(۱۹) اظہار حقیقت (۲۰) احوال واقعی
(۲۱) اظہار حق (۲۲) دعوت ایمان وعمل
(۲۳) قانون محمدی (۲۴) رسمی مسلمان کی مخالفت قرآن وحدیث
(۲۵) کلمۃ الکافیۃ فی الکلمۃ والکلام (حصہ اول) (۲۶) عجیب الواقعہ
(۲۷) قانونِ فطرت (۲۸) توسل اور عمل
(۲۹) پیارے نبی کا پیارا خطبہ (۳۰) جدال قصبہ بیتیا۔

وفات:

کتاب وسنت کا یہ داعی ومناد، صبر وشکیبائی، عقلمندی ودانائی، شرافت ونجابت، حلم بردباری کا پیکر، شرک وبدعات اور سیئات کا ماحی اور نور توحید کا داعی نے ۲۲ ستمبر ۱۹۶۲ء کو قضا وقدر کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا کو خیر باد کہا اور مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور کے بازو میں مدفون ہوا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واغفرلہ

صوفی نذیر احمد کاشمیری

(۱۹۰۱ء-۱۹۸۵ء)

مولانا صوفی نذیر احمد کاشمیری بن نجم الدین کاشمیری

ساکن: شہر پونچھ۔ جموں

تاریخ پیدائش: ۱۹۰۱ء (عقیل الہاشمی خاندن میں)

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم گھر کے بزرگوں سے حاصل کی۔ ۱۷ سال کی عمر میں لاہور شہر کے مدرسہ غوثیہ میں علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ اس کے ساتھ ہی ادیب فاضل، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ تمام امتحانات سے فارغ ہو کر اور مروجہ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۲۴ء میں سٹیٹ ہائی اسکول پونچھ میں اردو فارسی کے معلم ہوئے۔ دریں اثناء تایا جلال الدین کی بیٹی سے شادی ہوگئی۔ پھر ۲۷ سال کی عمر میں اچانک ان کے اندر تبدیلی آئی اور عبادت کی طرف رجحان بڑھ گیا۔ گوشہ نشینی اختیار کر لی، خوراک بھی کم کر دی۔ گھر آنا جانا بھی کم کر دیا۔ یہ سلسلہ ۸ برس تک جاری رہا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ملازمت سے استعفی دے دیا۔ روزانہ ایک روپیہ کی مزدوری کرتے اور تنہائی میں بیٹھ کر کچھ کھا پی لیتے اور تنہائی میں بیٹھے رہتے۔ اسی اثناء مشہور عالم دین مولانا حسین سے ملاقات کی تو انہوں نے کلکتہ جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ کلکتہ چلے گئے۔ درمیان میں ایک آدھ بار گھر بھی آجاتے۔ آج یہاں، کل وہاں۔ ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ پہنچے، پھر وہاں سے دہلی اور سہارن پور کا سفر کیا۔ حیدر آباد، مدراس، میسور چلے گئے، پھر دہلی واپس آگئے اور کمیونزم کے خلاف بھرپور قلمی جہاد شروع کر دیا اور یہ جہاد زندگی کے آخری دم تک جاری رہا۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی شہریت اختیار کر لی اور وہیں کے ہو رہے۔

تقسیم ملک کے بعد سکھوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے اس سے بری طرح متاثر ہوئے اور سکھ لیڈروں سے ملے، ان سے تحریری اپیلیں کیں۔ اس زمانہ میں تحریری یا زبانی طور پر کچھ کہنا بڑا مشکل تھا لیکن آپ نے ان مشکلات کا مقابلہ کیا۔ ہندوؤں کے نظریہ کے خلاف بھی لکھا اور اتر پردیش میں ضلع اناؤ گھاٹ کے آشرم میں بھی بہت دنوں تک قیام کیا۔

صوفی صاحب نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور جمعیت علماء ہند سے بھی رابطہ رکھا۔ اس دوران ویزا پر پاکستان بھی آگئے۔ یہاں کے روزناموں میں ہندوستان کے

خلاف کچھ باتیں چھپوادیں جس کو لیکر بڑا ہنگامہ ہوا۔ یہ ہندوستان گئے تو نظر بند کر دیئے گئے اور پاسپورٹ بھی ضبط کرلیا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں ایل۔ کے ایڈوانی کی مداخلت کے بعد پاسپورٹ واپس ملا۔ پاسپورٹ ملتے ہی ویزا پر اپنے وطن چلے گئے اور ۲ ماہ رہ کر پھر دہلی واپس آ گئے تو سخت بیمار ہو گئے۔ جون ۱۹۸۵ء میں بیماری نے شدت اختیار کرلی تو اپنے ایک مرحوم دوست ڈاکٹر برکت علی کے بیٹے محسن صاحب کے پاس نخاسہ بازار سہارانپور میں منتقل ہو گئے۔ محسن صاحب نے ان کا بہت علاج کرایا لیکن معدے میں کینسر تھا۔ اسی بیماری میں ۵ دسمبر ۱۹۸۵ء کو صبح آٹھ بجے ۸۴ سال کی عمر میں انتقال کیا اور سہارن پور کی مٹی میں مدفون ہوئے۔ ڈاکٹر محسن صاحب نے ان کے اکلوتے فرزند مختار احمد ہاشمی کو فارورڈ کہوٹہ خط لکھ کر مطلع کیا۔

آپ کی جدوجہد کی جولان گاہ پورے ہندوستان کی سرزمین تھی آپ کی چند تصانیف (بصورت رسائل و پمفلٹ) حسب ذیل ہیں

(۱) اہل ثابت (حصہ اول و دوم) یہ کتاب خانقاہی نظام کی اصلاح کے لیے لکھی گئی۔

(۲) کمیونزم اور اسلام

(۳) تجدید دین انسانی (۴) جہاد اعظم کی تیاری

(۵) شورائیت ملی یا شخصی مرکزیت (۶) اطمینان وفلاح انسانی کی واحد راہ

(۷) کشمیری عوامی سوشلسٹ کانفرنس کا دستوری خاکہ

(۸) ذہن انسانی کی حقیقت اور اسکی مختلف شکلیں۔

یہ سب مطبوع ہیں۔

صوفی صاحب کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ قائدین حکومت کے علاوہ مختلف سیاسی جماعتوں کے افراد سے بھی آپ کے مراسم تھے۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی، جواہر لال نہرو، بھولا بھائی ڈیسائی، ڈاکٹر راجیندر پرشاد، رفیع احمد قدوائی، آصف علی، ڈاکٹر سید محمود احمد مدنی، احمد سعید دہلوی، مفتی کفایت اللہ، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ڈاکٹر ذاکر حسین، علی

میاں ندوی، سید سلیمان ندوی، مسعود عالم ندوی، معین الدین احمد، الحاج محمد صالح، عبدالوہاب آروی وغیرھم۔آپ کے ان سب سے مراسم تھے اور ان سے مل کر اپنی دعوت ان تک پہنچائی۔شروع میں ذہن تصوف کی طرف مائل تھا اس لیے صوفی کہلائے۔صوفی صاحب نے ہندوستان کے تمام بڑے دینی مدارس کا دورہ کیا اور وہاں قیام بھی کیا۔جامعہ سلفیہ بنارس، مدرسہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر بلرام پور، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر وغیرہ میں ہفتوں قیام رہتا۔اساتذہ وطلباء سے بات چیت کرتے اور کچھ نہ کچھ روزانہ لکھتے رہتے۔

تاریخ وفات: ۵ر دسمبر ۱۹۸۵ء (سہارنپور)

نورالدین

مولانا منشی نورالدین نندومہاشے

آپ ضلع جام تاڑا، جھارکھنڈ کی معروف بستی کتھڈابرا میں انگریز حکومت کے دور میں پیدا ہوئے۔آپ کی تعلیم وتربیت کہاں ہوئی یہ پردۂ خفا میں ہے۔آپ کی خدمات دعوت وتبلیغ اور مسلک کتاب وسنت کی نشرواشاعت میں نمایاں کردار ہے۔آپ کی کوششوں سے شرک وبدعات سے توبہ کرنے والے اور مسلک کتاب وسنت کو اپنانے والے آج بھی موجود ہیں۔

دعوت وتبلیغ میں مصلحت کوشی کے قائل نہ تھے۔بڑے بے باک اور حق گو تھے۔ضلع جام تاڑا، دھنباد، دیوگھر اور گری ڈیہہ کے علاقوں سے مزار پرستی، تعزیہ پرستی، اندھی تقلید اور مشرکانہ رسوم ورواج کے خاتمہ میں آپ کی انتھک کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔لوگوں کو یہ بتانے کے لیے کہ تعزیہ اور مزار نافع اور ضار نہیں ہیں۔امام باڑوں اور مزاروں میں جا کر گندگی پھیلا دیتے، پھر تقریر کرتے۔کرمدہا موضع میں ہندوؤں کا میلہ لگتا ہے جہاں وہ اپنے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔مسلمان بھی اسمیں شریک ہوتے تھے۔چنانچہ ایک رات مورتی کا سر قلم کر دیا جس کے پاداش میں کافی عرصہ جیل میں رہے۔مولانا ابوالفلاح عابد حسین گنگوہی کو

مسلک حقہ کی تعلیم آپ ہی نے دی۔

دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ بستی بستی، گاؤں گاؤں پیدل چل کر جاتے اور لوگوں کو جمع کر کے قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے۔ اس سلسلہ میں آپ نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اپنوں اور غیروں سبھی نے دکھ دیئے لیکن آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے مشن میں جمے رہے۔ کم پڑھے لکھے ضرور تھے لیکن باعمل تھے، پابند شریعت تھے، خلاف شرع دیکھ کر برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ کی ان خدمات جلیلہ کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ولی محمد باروی

مولانا ولی محمد بارہ، غازیپور میں گاؤں کے اول عالم باعمل اور فارغ التحصیل مولانا تھے۔ مولانا پورے گاؤں بارہ میں معتمد اور امین کہے جاتے تھے۔ اور ان کے پاس امانتیں رکھی جاتی تھیں اور مجاہدین اور علماء صادقپور کا تعاون بھی یہیں سے ہوتا تھا اور بیت المال بھی ان کے پاس تھا۔ اللہ والے تھے۔ تقوی ودیانتداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ۱۹۰۴ء کے ابتدائی ایام میں پیدائش ہوئی اور خدا بھلا کرے عمر طبعی لگ بھگ ۹۰ برس ملی تھی۔

مولانا کے ساتھ ساتھ حکیم بھی تھے۔ حکمت کرتے تھے۔ ان کا اپنا مطب بھی تھا اور ان کا انتقال بھی بارہ میں ہوا اور تدفین بارہ میں ہوئی۔ چونکہ ان کی تاریخ پیدائش وسن پیدائش اور تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکا اس لیے مرقوم نہیں ہے۔

محمد یوسف شمس فیض آبادی

(۱۳۰۰ھ۔۱۳۵۷ھ)

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

نام ونسب:

حافظ محمد یوسف شمس بن نواب محمد بن نواب آغا بن نواب اصغر الدین حیدر بن نواب سراج الدین حیدر بن نواب شجاع الدولہ (والی اودھ اور فیض آباد شہر بسانے والے)

آپ کی پیدائش ۱۷رذی الحجہ الحرام کو فیض آباد شہر میں ایک شیعہ گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے نسب نامہ میں تمام لوگ لکھنؤ کے شیعہ نواب ہی ہیں۔ شہر فیض آباد کا پرانا نام "بنگلہ بستی" تھا جسے ۱۷۳۹ء میں فیض آباد سے موسوم کر دیا گیا۔ یہ کام نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ نے کیا۔

تعلیم وتربیت:

شیعہ خاندان میں آنکھیں کھولنے کے ناطے ابتدائی تعلیم بھی ایک شیعہ میاں جی سے حاصل کی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے تیسرے شیعہ عالم دین حکیم محمد مرزا سے تعلیم حاصل؟ کی۔ ایک دیوبندی عالم دین حکیم سید مشتاق علی دیوبندی سے بھی حفظ قرآن کریم کے ساتھ علم تجوید کو حاصل کیا۔ یہ تعلیم آپ نے کہاں حاصل کی اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ ممکن ہے دارالعلوم دیوبند جا کر حاصل کی ہو۔ پھر وہیں سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ (بہار) مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے فن مناظرہ میں استفادہ کی غرض سے تشریف لے گئے ہوں۔

سن فراغت:

آپ نے کن کن مدرسوں میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور کہاں سے سند فراغت لی؟ اس کی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ ہاں، آپ کے اساتذہ میں حکیم سید مشتاق علی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور حکیم محمد مرزا کا ذکر ملتا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ کے حصول علم کی نسبت دارالعلوم دیوبند اور احمدیہ سلفیہ آرہ سے کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمہ جہت شخصیت:

حصول علم کا طریقہ جو آج رائج ہے اُس دور میں نہیں تھا، اُس دور میں طلباء علماء کے گھر جا کر

ان کے ساتھ سفر وحضر میں رہ کر استفادہ کرلیتے تھے۔ بہر حال مختلف علماء سے استفادہ کرکے، بحیثیت ایک مفسر، محدث، محقق، مجتہد، فقیہ، مناظر، مصنف، مدرس اور مبلغ گھر واپس آئے اور شہر فیض آباد کے ایک محلہ فتح گنج کی مسجد میں امامت وخطابت کا سلسلہ شروع کیا اور اسی مسجد میں ایک مدرسہ ''مدرسۃ الواعظین'' نام کا قائم کیا۔ آپ کی خواہش تھی ایک شایان شان جامع مسجد ہو اور ساتھ ہی مدرسہ ہو جہاں اقامتی طلباء ہوں اور انہیں ہر فن کی تعلیم وتربیت کی جائے۔ لیکن آپ کی خواہش پوری نہ ہوسکی (پندرہ روزہ اہل الذکر۔ ۲۶ ر ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ ص: ۳)

تصنیفی خدمات:

آپ نے چھوٹی بڑی چالیس کتابیں لکھیں ان میں سے اکثر ناپید ہوچکی ہیں۔ جن کا نام معلوم ہوسکا انہیں ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس کے حوالے سے نیچے نقل کر رہے ہیں۔

عامۃ المسلمین کے لیے:

(۱) تفسیر یوسفی (مسودہ) غیر مطبوع (۲) مجمع (اردو) صفحات: ۶۸، مطبوعہ

(۳) عقائد اسلام۔ تفصیل نامعلوم۔ (۴) کتاب الایمان (اردو) صفحات: ۶۸ مطبوع

(۵) دین کی پہلی کتاب (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع: ۱۳۳۵ھ

(۶) دین کی دوسری کتاب (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع

(۷) دین کی تیسری کتاب (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع

(۸) دین کی چوتھی کتاب (اردو) صفحات: مطبوع

(۹) دین کی پانچویں کتاب (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع

(۱۰) فقہ اسلام (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع

(۱۱) سراج منیر (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوع

(۱۲) حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو) مطبوع شمس المطابع فیض آباد

(۱۳) طبیب (اردو) صفحات: ۸ مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۴) قاعدہ قرآنیہ (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۵) تاریخ شیعہ (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۶) آفتاب تحقیق (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۷) کلید فارسی (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۸) مصادر فارسی (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۱۹) معجزہ اور فلسفہ (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۲۰) اصول حدیث (نامعلوم)۔

مقلدین کے رد اور اہل حدیث کی حمایت میں:

(۲۱) اہل حدیث اور انکی امامت وامارت (اردو) صفحات: ۸ مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۲۲) اثبات آمین (نامعلوم) (۲۳) تحفۂ اہل حدیث (اردو) مطبوعہ

(۲۴) براہین شمسیہ (اردو) مطبوعہ (۲۵) تکفیر المبتدعین (اردو) مطبوعہ

(۲۶) حامی سنت دشمن بدعت (نامعلوم) (۲۷) حقیقۃ الفقہ (۲ جلدیں، اردو) مطبوعہ

(۲۸) حسن التعدیل بجواب الجرح والتعدیل یہ کتاب اب دستیاب نہیں۔

(۲۹) رد اکاذیب لہابیہ (اردو) صفحات: ۲۷۰ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ

(۳۰) مقلدین کا قطع الوتین (اردو) صفحات: ۳۲ مطبوعہ ۱۳۴۳ھ

(۳۱) النور المبین (اردو) صفحات: ۱۳۶ مطبوعہ احسن المطابع لکھنؤ

(۳۲) ولی کی پہچان (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۳) ہدایت النبی (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد۔

آریہ سماج کے رد میں:

(۳۴) کفر شکن (ہندی) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۵) ترک ویدازم (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۶) ثبوت قربانی گاؤ (اول، اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۷) ثبوت قربانی گاؤ (دوم، اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۸) عجائبات آرین فلاسفی (اول، اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۳۹) عجائبات آرین فلاسفی (دوم، اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد۔

دیگر مذاہب کے رد میں:

(۴۰) جوہر بے بہا و دُرِ بے بہا (اردو) صفحات: ۳۵ مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۴۱) بست سوال (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد

(۴۱) مباحثہ (اردو) مطبوعہ شمس المطابع فیض آباد۔

ان تمام کتب کا مولانا نے اپنے پندرہ روزہ ''اہل الذکر'' میں ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی کتب کے مسودے چھپنے سے پہلے گم ہو گئے اور کچھ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے چھپنے سے رہ گئے۔

بحیثیت مفتی:

آپ اپنے رسالہ ''اہل الذکر'' میں عوام کے استفتاء کا جواب بھی دیتے تھے۔ آخر میں لکھ دیتے کہ علماء جو اس سے اختلاف کرتے ہیں جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔ چنانچہ مولانا ابو القاسم سیف بنارسی اور مولانا عبدالجلیل سامرودی وغیرھم نے تعاقب بھی کیا ہے۔ جسے مولانا نے شکریہ کے ساتھ اپنے رسالہ میں شائع کر کے اپنے فتوی سے رجوع کیا ہے۔ یہ تمام تر تفصیل آپ کے پرچہ ''اہل الذکر'' میں مذکور ہے۔ فی سوال ایک آنہ غریب فنڈ بھی لیتے تھے۔

بحیثیت خطیب:

مولانا عام جلسوں کے علاوہ اہلحدیث کی سالانہ کانفرنسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا شکر اللہ گونڈی نے سمرہن کلاں میں ایک اجلاس عام کا انعقاد کیا اس موقع پر آپ نے حاضر ہو کر خطاب فرمایا اور مدرسہ زینت العلوم سمرہن کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔

۱۹۱۸ء میں مولانا مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور (نوگڑھ) کے اجلاس عام میں بھی شریک ہوئے۔ وہیں پر جماعت کے ذمہ داران نے مولانا کو نصاب تعلیم درست کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ جیسا کہ اہل حدیث امرتسر ۲۷/۷/۱۹۱۸ء میں مرقوم ہے۔ آپ بے لاگ کھل کر شرح صدر کے ساتھ بلا خوف لومۃ لائم کتاب وسنت کو موضوع بنا کر خطاب کرتے تھے۔ آپ کے یہاں مداہنت اور ''مرنجان مرنج'' جیسے لفظوں کا گزر نہیں تھا۔ مصلحت بینی، مصلحت پسندی اور مصلحت کوشی سے کوسوں دور تھے۔

قیام انجمن:

اصلاح معاشرہ کے لیے اور افراد معاشرہ کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے انجمن بھی قائم کی۔ (۱) انجمن صداقت الاسلام فیض آباد (۲) انجمن محمدیہ فیض آباد (۳) محمدی دارالتصنیف فیض آباد۔

ان انجمنوں کی جانب سالانہ جلسہ ہوتا تھا جس میں اکابر علماء اہل حدیث شرکت فرماتے تھے۔ انجمن صداقت الاسلام کی طرف سے ۳۰۔۳۱/مارچ ۱۹۲۴ء کو جو جلسہ ہوا اس میں مولانا فخر الحسن ٹانڈوی، مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا محمد وبکاوی جیسے علماء اہل حدیث نے شرکت کی۔ (پندرہ روزہ اہل الذکر، ۲۶/شعبان ۱۳۴۲ھ ص: ۵)

بحیثیت مناظر:

آپ ایک مصنف وخطیب ہونے کے ساتھ ساتھ مناظر بھی تھے۔ اس فن کو مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے سیکھا۔ اس فن پر آپ کو کلی درک حاصل تھا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ برجستگی اور حاضر جوابی میں طاق تھے۔ بڑے بڑے آزمودہ کار مناظرہ کے کھلاڑی آپ کے سامنے پانی بھرتے تھے۔ آپ مناظرے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرہم کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ حسب روایت مولانا جھنڈانگری، جب یوسف پور ضلع سدھارتھ نگر میں مناظرہ ہوا تھا تو مولانا امرتسری نے آپ کو صدر جلسہ بنایا تھا۔

آپ نے شیعہ، آریہ سماج، عیسائی اور احناف تمام ہی سے مناظرے کئے۔ براویت جناب عبدالقدیر اور منا خانصاحب پیکولیا مسلم، گاؤں ہی کے مولانا حقیق اللہ صاحب سے ایک کرچین نے تین سوالات کئے۔ مولانا موقع پر جواب نہ دے سکے تو مولانا فیض آبادی کو بلایا گیا۔ آپ نے اس سے مناظرہ کیا اور تینوں سوالات کے جوابات سے وہ مطمئن ہو گیا۔ درجنوں مناظروں کا ذکر آپ کے اخبار اہل الذکر میں [illegible] مندرج ہے۔

بحیثیت شاعر:

علامہ نوشہروی نے اپنی کتاب ''تراجم علمائے حدیث'' میں لکھا ہے ''آپ شعر بھی کہتے تھے، جن میں قومی نظمیں پُر لطف ہوتی ہیں۔ اس پر پڑھنے کا طرز، ایک سماں بندھ جاتا ہے۔'' آپ کا تخلص شمس تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کو ''حسان'' کا خطاب دیا تھا۔ تفسیر محمدی (مولانا محمد جوناگڑھی) کی تقریب اشاعت پر [illegible] اخبار محمدی میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی نظمیں اخبار محمدی دہلی [illegible] اہل حدیث مجلات میں برابر شائع ہوتی رہتی تھیں۔

بحیثیت طبیب:

آپ نے خدمت خلق کے پیش نظر ایک دواخانہ بنام ''یونانی دواخانہ'' کھول رکھا تھا۔ چنانچہ اپنے رسالہ ''اہل الذکر'' میں اس کا اعلان شائع کرتے اور رسالہ میں صحت کے متعلق مضامین اور نسخے بھی شائع کرتے تھے۔ آپ نے طب کے موضوع پر ایک رسالہ بنام ''طب'' بھی لکھا ہے۔

بحیثیت مدیر رسالہ:

آپ نے ایک رسالہ بنام ''اہل الذکر'' ۱۹۰۸ء میں نکالا۔ اس کے اکثر مضامین آپ خود لکھتے تھے۔ سرمایہ کی قلت کے سبب درمیان میں بند بھی ہوا۔ ۱۳۳۹ھ سے پہلے دو سال

تک لکھنؤ سے شائع ہوتا رہا۔ پھر رجب ۱۳۳۹ سے شہر فیض آباد سے شائع ہونے لگا۔ شروع میں ماہنامہ تھا۔ پھر محرم الحرام ۱۳۴۱ سے پندرہ روزہ کر دیا گیا۔ اس کی مادی و علمی سرپرستی عبدالعزیز محدث رحیم آبادی، مولانا شمس الحق ڈیانوی، حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرھم فرماتے تھے۔ اس کا ذکر اہل الذکر ماہ رجب ۱۳۳۹ء کے شمارہ میں ص: ۳۰ پر مذکور ہے۔

شمس المطابع پریس (فیض آباد)

۱۹۲۱ء (۱۳۳۹ھ) میں رسالہ اہل الذکر فیض آباد میں چھپنا شروع ہوا تو پہلی چھپائی بری پریس فیض آبادی میں ہوئی (اہل الذکر ماہ رجب ۱۳۳۹ھ ص: ۱) پھر اہل رنگون والوں کے تعاون سے مولانا نے اپنا ایک پریس قائم کیا اور اس کا نام ''شمس المطابع'' رکھا۔ اور اس پریس نے اپنا پہلا رسالہ مارچ ۱۹۲۲ء میں چھاپ کر شائع کیا۔

اس کے قیام سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رسالہ اور دیگر تصانیف فی الفور منظر عام پر آنے لگیں۔ ساتھ ہی دوسروں کی بھی کتابیں اجرت پر چھاپی جاتی تھیں۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی یہ بھی وفات پا گیا۔ اس دور میں پریس کے اخراجات مع ملازمین و کاغذ پونے نو سو (875) روپے سالانہ تھا، جبکہ آمدنی پانچ سو روپے سالانہ تھی۔ پھر بھی اس کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ (اہل الذکر ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۳ء ص: ۳)

ایک بار ایک رافضی کاتب ایڈوانس رقم کے ساتھ پرچہ کی مکمل کاپی مع مضامین لے کر بھاگ نکلا۔ جس کی وجہ سے محرم ۱۳۴۳ کا شمارہ تاخیر سے شائع ہوا۔

انتقال:

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

۱۸ر نومبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۴ر رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ بروز جمعہ ۹ بجے شب حامیٔ سنت، قاطع بدعت ماحی ضلالت نے اس دار فانی کو الوداع کہا۔ دوسرے دن ایک سورج کے پورب سے طلوع ہونے کی خبر آئی تو ایک سورج کے فیض آباد میں غروب ہونے کی خبر ملی۔ آپ کو زنانہ ہسپتال کے سامنے تاڑ کی تکیہ والے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

مولانا یونس صاحب مبارکپوری (حسین آبادی) نے آپ کی وفات حسرت آیات پر ایک لمبا مرثیہ لکھا جو اخبار محمدی دہلی کے ۱۵ر جنوری ۱۹۳۹ کے شمارہ کے ص: ۸ پر مرقوم ہے۔

ازدواجی زندگی:

آپ کی شادی کہاں ہوئی تھی، معلوم نہ ہوسکا، لیکن بیوی کا نام ''تمیز الفاطمہ'' تھا۔ انتقال کے وقت قصاب باڑا فیض آباد ہی میں بچوں کے ساتھ مقیم تھیں۔ مولانا کے انتقال کے ایک سال چار ماہ ۱۳ دن کے بعد ۳۱ مئی ۱۹۴۰ بروز جمعہ کو خود بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

آپ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ پانچ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی حیات میں کسی کا بھی نکاح نہ ہوا تھا۔ ان بچیوں کا کیا ہوا؟ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ ومن یتوکل علی اللہ یجعل لہ مخرجا+ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
وکاتبہ رمیم بالتراب

علماء موجودین

محمد ابراہیم رحمانی

مولانا محمد ابراہیم رحمانی بن محمد اسماعیل

موضع بسکھیا، ڈاکخانہ: شیوپتی نگر، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۷/اگست ۱۹۳۲ء (تخمیناً) اور یہی سن تمام کاغذات میں مندرج ہے۔

خاندانی پس منظر:

خاندان کی کوئی علمی حیثیت معلوم نہیں، جہاں تک میرے علم میں ہے خاندان ناخواندہ تھا۔ دادا کو تو دیکھا نہیں، البتہ دادی کو دیکھا اور انہیں صوم وصلاۃ کا پابند اور دیندار پایا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ میرے آباء واجداد میں سے کسی نے ہندوستان ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم موضع کے قریب ایک گاؤں سیہاپار میں حاصل کی، پھر دار الہدیٰ یوسف پور میں داخلہ لیا اور یہاں چار سال رہ کر اردو، فارسی اور عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبد الاحد (متوفی ۱۹۷۸ء) تھے۔

پھر ۱۹۴۶ء میں قرطبۂ ہند دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ یہ ادارہ اس وقت فضاء ہند پر کتاب وسنت کی ضیاء پاشی کر رہا تھا اور کفر وشرک کے ماحول میں کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت میں مصروف تھا۔ یہاں جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا اور اس وقت کے اساتذہ میں جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی مبارکپوری، مولانا عبد الصمد مبارکپوری، مولانا رستم علی بنگالی اور مولانا عبد المجید پنجابی وغیرہم سے ترجمہ قرآن، بلوغ المرام، کافیہ،

فصول اکبری، اور مرقاۃ (منطق) وغیرہ کتب پڑھیں۔ لیکن افسوس! یہ سال دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا آخری سال تھا اور میرے لیے سال اول اور آخر بھی یہ میری بدقسمتی تھی کہ ۔

ابھی بچھائے تھے تنکے کہ گر پڑی بجلی

بنانہ تھا، کہ لگی آگ آشیانے میں

اس سال تقسیم ملک کا نامسعود سانحہ پیش آ گیا اور دار الحدیث رحمانیہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ اس سانحہ خونچکاں کے بعد ۱۹۴۹ء میں دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے اساتذہ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا عبید اللہ عاقل رحمانی، مولانا ظہیر احمد رحمانی اور مولانا عبدالجابر کھنڈیلوی وغیرھم سے خوب خوب اکتساب علم کیا۔

جب مولانا نذیر احمد رحمانی ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف کے لیے گئے تو آپ نے بھی وہیں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ میں خاتم المحدثین، بقیۃ السلف، زبدۃ الخلف شیخ المشائخ، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کے دست نے ماہ شعبان ۱۳۷۳ھ کو دستار فضیلت باندھی۔ یہیں سے الہ آباد بورڈ سے فاضل ادب و دینیات کا امتحان پاس کیا۔

تدریس:

تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس ہی میں چھ سال تک اپنے اساتذہ کرام کے زیر سایہ تربیت عربی درجات میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے صحت برابر بگڑتی رہی اس لیے بادل ناخواستہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ رحمانیہ کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن کے مشہور ادارہ دار الہدیٰ یوسف پور آ گیا اور اور ۱۹۹۳ء تک حیات مستعار کا قیمتی حصہ تدریس و دعوت و تبلیغ میں گزارا۔ اس لمبی مدت میں میں نے کیا کھویا کیا پایا یہ تو اللہ کو معلوم ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ایک گنہگار اور بے علم و عمل ہونے کے باوجود اللہ کے دین کی خدمت میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ میں برابر لگا رہا۔

حاصل عمر نثارے سرِ یارے کردم
نازم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ربناتقبل منا انک انت السمیع العلیم.

دار الہدی یوسف پور یوپی گورنمنٹ سے گرانٹ یافتہ اور منظور شدہ ادارہ ہے، لہذا ساٹھ سال کی عمر میں تدریسی خدمات سے سبک دوش کردیا گیا۔ چنانچہ موضع سپاٹو پورا شیوپتی نگر میں قائم مدرسہ البنات جامعۃ الطیبات میں چند سال بچیوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہا۔

دریں اثناء نوشتہ تقدیر دوبارہ غالب آیا اور قسمت نے پلٹی کھائی دوبارہ پھر یوسف پور آکر تعلیم و تدریس میں مصروف ہوں اور سن فراغت (۱۹۷۳ء) کے بعد سے جو سبق شروع کیا تھا وہی آج بھی (۱۴۲۸ھ) میں پڑھ اور پڑھا رہا ہوں۔ اللہ پاک سے دعا گو ہوں کہ ۵۵ سالوں سے جس اشرف المشاغل میں لگا ہوں تادم واپسیں اس میں مشغول رکھے۔ آمین۔

تلامذہ:

میرے تلامذہ میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ۳ پشت کو میں نے پڑھایا ہے اور زمرۂ تلامذہ میں ایسے آفتاب و ماہتاب ہیں جو میری توصیف و تعریف سے ماوراء ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر کر کے میں ہی اپنا قد اونچا کر لیتا ہوں۔ جیسے دکتور وصی اللہ عباس، دکتور عبدالوہاب خلیل الرحمٰن (متوفی ۲۰۰۶ء)، دکتور عبدالقدوس محمد نذیر، دکتور عبدالعلی ازہری مئوناتھ بھنجن، شیخ نعیم الدین مدنی الہندی وغیرہم کثر اللہ سوادھم.

موجودہ مجال کار:

اس وقت بھی سابق کی طرح جامعہ دار الہدی یوسف پور میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ حسن خاتمہ کی تمنا ہے اور اس کے لیے تیاری اور کوشش...

فرغت فانصب والی ربک فارغب اورفسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا پرحتی الامکان عمل کررہاہوں۔وفقنا اللہ لما یحب ویرضاہ.(خودنوشت)

محمد ابراہیم ساکرس

مولوی محمد ابراہیم بن رحیم خاں

قصبہ: ساکرس،میوات،ہریانہ

تاریخ پیدائش:

مولوی محمد ابراہیم بن رحیم خاں قصبہ ساکرس میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد میاں جی رحیم خاں بڑے باشرع اور مخلص تھے۔آپ کے مولانا عبدالجبار شکراوی سے بڑی عقیدت تھی،اس لیے آپ کو جامعہ سلفیہ شکراوہ میں حضرت مولانا کے سپرد فرمایا۔یہاں پر آپ نے مولانا محمد داؤد راز سے اردو،دینیات،فارسی،صرف ونحو وغیرہ پڑھا۔شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار سوکھپوری سے بلوغ المرام،مشکوۃ المصابیح،صحاح ستہ اور تفسیر کو پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔یہاں کی تعلیم مکمل کرلینے کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی سے صحاح ستہ کو دوبارہ پڑھا اور آپ سے بھی سند اجازہ حاصل کی۔

آپ ایک مرتبہ عرصہ سے جامع مسجد اہل حدیث ساکرس میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے چلے آرہے ہیں،صبح درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔آپ بڑے خوش اخلاق،ملنسار،مہمان نواز اور وعظ وتقریر کرنے کا بڑا شوق ہے۔جمعیت اہل حدیث ہریانہ میوات،کے تبلیغی،تعلیمی پروگراموں میں بھی بھرپور تعاون کرتے ہیں۔

آپ کے دوصاحب زادے ہیں۔بڑے صاحب زادے مولانا محمد اسحاق نے شکراوا اور بنارس میں تعلیم حاصل کی ہے۔پھر مدینہ یونیورسٹی اور ریاض یونیورسٹی کے فاضل اور ذی علم ہیں۔آپ اس وقت ریاض یونیورسٹی میں لکچر رہیں اور علمی وتحقیقی کاموں میں مشغول ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب اسی مناسبت سے اپنے صاحب زادے سے ملنے برابر سعودی عرب آتے جاتے رہتے ہیں۔

محمد احمد اثری

مولانا محمد احمد اثری بن مولانا شکر اللہ فیضی بن حاجی حشمت اللہ

مقام: ٹکریا، پوسٹ کسمہی، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: یکم جنوری ۱۹۴۳ء۔

خاندانی پس منظر:

بحمد اللہ میرا تعلق ایک علمی خاندان سے ہے۔ میرے والد مولانا شکر اللہ فیضی علم وفضل کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے تحصیل علم سے فراغت کے بعد پوری زندگی درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں گزار دی تھی۔ ملک میں ان کے بے شمار شاگرد پھیلے ہوئے ہیں اور دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اپنے گاؤں ٹکریا میں ایک عربی درسگاہ بنام مدرسہ مفتاح العلوم ۱۹۵۶ء میں قائم کیا جس کے پروان چڑھانے میں اپنا خون پسینہ ایک کردیا تھا۔ یہ مدرسہ آج بھی چل رہا ہے اور کسی قدر دینی خدمت انجام دے رہا ہے۔ جن لوگوں نے والد صاحب سے ملاقات کی ہے یا ان سے فیض حاصل کیا ہے وہ آج بھی ان کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان کے علم وفضل، شیریں گفتاری اور اخلاق مندی کا اعتراف کرتے ہیں اور احترام وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ میرے دادا حاجی حشمت اللہ رحمہ اللہ گو زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن علماء کبار کی صحبت نے انہیں اچھا خاصا دینی علم کا حامل بنادیا تھا اور وہ برابر اپنے علم کی حیثیت سے لوگوں میں تبلیغ دین کرتے رہتے تھے۔ بہت عبادت گزار تھے۔ ان کی مخلصانہ باتیں گو اپنی مادری زبان میں ہوتی تھیں مگر تاثیر میں ڈوبی رہتی تھیں۔ میرے پردادا ایک اچھے خاصے عالم دین تھے اور دینی وعلمی حلقوں میں ایک معتبر مقام رکھتے تھے۔

تعلیمی لیاقت:

اپنے گاؤں کے مکتب سے تعلیم کا آغاز کیا۔ درجہ پنجم پاس کر کے انگریزی تعلیم کی راہ پکڑ لی یہاں تک کہ ہائی اسکول پاس کیا۔ پھر اس جانب سے رخ موڑ کر عربی تعلیم کا رخ کیا۔ والد صاحب سے جماعت اولیٰ پڑھ کر مئو ناتھ بھنجن گیا۔ جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو میں داخلہ لے کر علامہ شائق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور پوری تعلیم حاصل کر کے وہیں سے فضیلت پاس کیا دوران تعلیم وتدریس مولوی، عالم، فاضل دینیات فاضل ادب، انٹر میڈیٹ اور ادیب کامل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

قابل ذکر اساتذہ:

علامہ مولانا محمد عبداللہ شائق رحمہ اللہ بانی جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو ناتھ بھنجن یوپی، مولانا عظیم اللہ صاحب مئوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی عبدالعزیز مئوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی فیض الرحمٰن مئوی رحمہ اللہ، مولانا محمد جمیل مئوی رحمہ اللہ، مولانا قاری عبدالسبحان مئوی رحمہ اللہ، مولانا مشتاق احمد شوق مئوی رحمہ اللہ، والد محترم مولانا شکر اللہ فیضی رحمہ اللہ۔

یہ میرے چند گرامی قدر اساتذہ ہیں جن سے میں نے تابمقدور اکتساب فیض کیا ہے۔ افسوس اب یہ ہمارے علم وفضل کے آفتاب ڈوب چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور انہیں فردوس بریں میں جگہ دے۔ آمین

خدمات:

۱۹۶۳ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ فراغت کے بعد بلافصل تدریسی سلسلہ شروع ہوا جو بفضلہٖ تعالیٰ اب تک بلا انقطاع جاری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بقیہ زندگی بھی اسی راہ میں حسن وخوبی سے گزار دے۔ تدریس کی ابتداء گاؤں کے مدرسہ مفتاح العلوم سے ہوئی۔ ۵/ سال تک یہاں خدمت انجام دینے کے بعد مادر علمی جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو میں بلالیا گیا اور مادر علمی کی خدمت کرنے لگا۔ پانچ سال پورا ہونے پر بعض گھریلو پریشانیوں کے باعث

بادل نخواستہ وہاں سے الگ ہونا پڑا اور گاؤں سے قریب پر سائماد سدھارتھ نگر کے مدرسہ انوار العلوم میں تین سال تک تدریسی خدمت انجام دیتا رہا۔ بفضلہ تعالیٰ مجھے تدریسی سفر میں قدرداں ملتے رہے اور جہاں بھی میں رہا، وہاں عزت ووقار سے محروم نہیں رہا۔ اسکے بعد ۱۹۷۵ء میں مادر علمی کی خدمت کی پھر سعادت نصیب ہوئی جس کا سلسلہ ۲۰۰۳ء تک دراز رہا۔ ۲۰۰۳ء میں میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو سے ریٹائرڈ ہوا پھر آب ودانہ مجھے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار بلرام پور کھینچ لایا۔ یہاں تدریس کے پانچ سال پورے ہو گئے ہیں۔ آگے کا علم اللہ ہی کو علم ہے۔

تدریسی خدمت کی انجام دہی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی حسب فرصت انجام دیتا رہا۔ جب بھی موقع ملا تبلیغی جلسوں میں پہونچا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بندگان خدا کو دین کی باتیں بتلانے کی کوشش کرتا رہا۔ میرے خطبات جمعہ کا سلسلہ بھی خاصا طویل ہے۔ مئو میں جب تک رہا استاذ گرامی علامہ شائقؒ کی مسجد سونیا باڑہ میں کار خطابت انجام دیتا رہا۔ یہ سلسلہ ۲۷ سالوں تک مسلسل چلتا رہا۔

صحافت کے میدان میں بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ مجلّہ آثار جدید کے جاری ہونے کے ساتھ ہی میرا قلمی سفر شروع ہوا۔ یہ سفر سترہ سالوں تک ممتد رہا۔ اس دوران شاید ہی کوئی شمارہ ہو جس میں میرا اداریہ یا مضمون نہ ہو۔ اگر میرے اداریوں ہی کو جمع کر دیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے گی۔

قابل ذکر تلامذہ:

اللہ کا مجھ حقیر پر بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس لائق بنایا کہ طالبان علوم دینیہ کی علمی پیاس بجھا سکوں، چونکہ مئو میں تدریسی خدمت انجام دینے کا زیادہ موقع ملا اس لیے وہاں میرے تلامذہ بھی بکثرت ہوئے۔ پینتالیس سالہ دور تدریسی کے صرف قابل ذکر تلامذہ کو شمار کریں تو تعداد بہت لمبی ہو جائے گی اس لیے صرف چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

مولانا عبداللطیف اثری، مولانا عتیق الرحمٰن مدنی، مولانا ابوسفیان مئوی، مولانا جمال

احمد مدنی، مولانا عاشق علی اثری، مولانا خورشید احمد سلفی، مولانا عبدالرشید مدنی، مولانا شفیق احمد ندوی، مولانا محمد مقتدی اثری، مولانا شمشیر احمد سراجی، مولانا عبدالرشید سراجی، مولانا عبداللہ سراجی، مولانا سید معراج ربانی، مولانا عبدالستار اثری بہاری، مولانا محمد یسین اثری بہاری۔

موجودہ مجال کار اور اسکی نوعیت:

(۱) جامعہ سراج العلوم بونڈیہار بلرام پور میں تدریسی فرائض اور بحیثیت شیخ الجامعہ بعض اداری امور کی انجام دہی۔

(۲) رسائل ومجلات کے لیے احیانا مضمون نگاری۔

(۳) بعض سیمناروں میں شرکت اور مقالہ نویسی۔

(۴) بعض دینی اجتماعات اور جلسوں میں شرکت اور خطاب۔

مستقبل کے عزائم:

اب زندگی کا آفتاب ڈھل چکا ہے۔ دل ودماغ میں افسردگی اور پژمردگی کے اثرات چھاتے جارہے ہیں۔ ایسے میں مستقبل کے لیے کیا عزائم پالے جائیں۔ صرف یہی آرزو وتمنا ہے کہ اللہ تعالی مستقبل کی مختصر زندگی میں خیر وخوبی کے ساتھ اپنے دین کا کچھ کام لیتا رہے، جو میری اُخروی زندگی کے لیے سامان نجات بن سکے۔ (خودنوشت)

امان اللہ فیضی

امان اللہ فیضی بن مولانا محمد تسلیم خان رحمانی بن بہادر خان

مقام: بھکورہر، پوسٹ: بیراگنیاں، ضلع سیتامڑھی، بہار

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۳ء (تخمینا)

خاندانی پس منظر:

دادا کاشتکاری اور تجارت کرتے تھے۔ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن والد گرامی نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد سے خاندان میں علم کا چراغ جلا جو ماشاءاللہ بیٹوں اور پوتوں تک جل رہا ہے۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم مدرسہ احمدیہ سلفیہ بیراگنیاں میں حاصل کی کیوں کہ والد محترم وہیں پڑھا رہے تھے اس لیے روزانہ آپ کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں فارسی اور ابتدائی عربی درجات تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر آزاد مدرسہ ڈھاکہ میں داخلہ لیا، یہ حنفی مدرسہ تھا۔ یہاں ہدایہ اور کافیہ وغیرہ کی تعلیم ۴ سال رہ کر حاصل کی۔

پھر مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں جماعت رابعہ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۵۰ء میں (تخمیناً) سند فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

ابتدائی درجات کے اساتذہ: والد محترم تسلیم خاں رحمانی، حافظ محمد (بھکورہر) مولانا صداقت حسین (دوستیا) آزاد مدرسہ کے اساتذہ: مولانا زبیر (ڈھاکہ) مولانا شمس الحق (چمپارن) فیض عام کے اساتذہ: شیخ الحدیث مولانا عبداللہ شائق، ناظم مولانا محمد احمد (متنبّی کے استاذ) مولانا شمس الحق، مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا قاری عبدالسبحان وغیرہم۔

درس وتدریس:

فراغت کے بعد تدریس کی بسم اللہ مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ سے ۱۹۵۲ء میں کی۔ یہاں مسلسل چودہ سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔

۱۹۶۶ء میں شیخ الحدیث مولانا مبارکپوری کے مشورہ سے جامعہ سلفیہ بنارس گئے اور وہاں دو سال رہے۔ ۱۹۶۷ء کے وسط میں بیمار ہونے کی وجہ سے واپس چلے آئے۔ اور ایک سال تک جوہری ہائی اسکول بیراگنیا میں بھی تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر مدرسہ اصلاح المسلمین والوں کی دعوت پر پٹنہ گئے اور وہاں ۳-۴ سال رہ کر مولانا شمس الحق صاحب کے مشورہ سے دہلی پہنچے اور جامعہ ریاض العلوم دہلی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ یہاں تقریباً پندرہ سال تک رہے۔

ابتداء میں نیچے درجات کی کتابیں جیسے ترمذی، ابوداود و مشکوٰۃ وغیرہ زیر تدریس رہیں۔ الحمدللہ ۶-۷ سال تک بخاری شریف کا مسلسل درس دیا، ساتھ ہی فتاویٰ نویسی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

۱۹۹۲ء میں جامعہ امام ابن تیمیہ چندن بارا میں بحیثیت شیخ الحدیث ۹ سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ضعیف العمری کی وجہ سے ۲۰۰۰ء میں یہیں سے تدریسی خدمات سے علیحدگی اختیار کی۔ فی الوقت گاؤں ہی میں رہ کر دعوت وارشاد اور امت کی صلاح وفلاح کے لیے کام کررہے ہیں۔ خطبۂ جمعہ اور درس وغیرہ کے اہتمام کے ساتھ لوگوں کی شرعی امور میں رہنمائی فرمارہے ہیں۔

تصنیفی وتالیفی خدمات:

تدریس وفتاویٰ نویسی میں اس قدر مصروفیت تھی کہ کچھ لکھنے پڑھنے کا موقعہ ہی میسر نہ آسکا۔ پھر بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام ”رفع الیدین منسوخ نہیں ہے“ یہ کتاب مدرسہ امینیہ کے ایک استاد کی کتاب ”رفع الیدین منسوخ ہے“ کے جواب میں لکھی گئی جسے ثناء اللہ اکیڈمی نئی سڑک نے شائع کی۔

اولاد احفاد:

چار صاحب زادگان ہیں۔ علی اختر، ولی اختر، جمیل اختر، سہیل اختر۔ سبھی دہلی ہی میں ہیں۔

جمیل اختر کے علاوہ بھی الحمد للہ عالم دین ہیں اور تعلیمی وتدریسی مجال کار میں مصروف ہیں۔

محمد رئیس ندوی

تاریخ پیدائش:

سرکاری کاغذات نیز عالم وفاضل کے سندوں پر مندرجہ ذیل تاریخ کے مطابق تاریخ پیدائش ۷/جولائی ۱۹۳۸ء مطابق ۷/جمادی الاولی ۱۳۵۷ھ بروز پنجشنبہ (جمعرات) ہے۔

مقام پیدائش موضع بھٹیا (Bhitia) پوسٹ مروٹیا، تحصیل بانسی، ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) اتر پردیش ہے۔ یہ موضع، قصبہ بانسی سے جنوب مشرق کی جانب دس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

خاندانی پس منظر:

خاندان ان پڑھ اور جاہل تھا، والدین بھی ان پڑھ تھے، پارچہ بافی پیشہ تھا، اور یہی پیشہ ذریعہ معاش تھا۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں برادر منشی عبدالمجید، منشی عبدالحمید (چھیتونی۔ سدھارتھ نگر) اور منشی معین الحق صاحب سے حاصل کی۔ پھر ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۱ء تک پرائمری سے مڈل تک کی تعلیم پرائمری اسکول مروٹیا بازار میں پنڈت شہرت (غیر مسلم) پنڈت گوہل سے حاصل کی۔ اس سے آگے کی تعلیم کے لیے پکا بازار بستی شہر کے مدرسہ عربیہ عالیہ بدریہ میں داخلہ لیا۔ مولانا سید عبدالغفار صاحب ندوی (بھرول، ضلع بارہ بنکی) مولانا محمود الحسن (عدیل عباسی کے رشتہ دار) حافظ مرغوب الرحمٰن صاحب (تپ اجیار والے ضلع بستی) اور مولانا اسحاق صاحب وغیرہم سے حاصل کیا۔

یہ مدرسہ ان دنوں دار العلوم ندوۃ العلماء کی شاخ تھا۔ پھر ۱۹۷۵ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کے سال آخر (یعنی ساتویں جماعت) میں داخلہ لیا اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی (دار الحدیث رحمانیہ کے مرحوم ہو جانے کے بعد اور کوئی دوسرا جماعتی ادارہ ندوۃ العلماء کے ہم پلہ نہیں تھا اس لیے ندوہ ہی میں داخلہ لینا مناسب جانا)

دس طلبہ ندوہ کے ہم درس و ہم سبق تھے جن میں ضیاء الحسن لکھنوی، منظور الحسن بنگال اور الطاف حسین خاں میرٹھی (صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا ابوالحسن علی ندوی (صحیحین کے استاد) مولانا رابع ندوی (سیرت ابن ہشام، البلاغ المبین وغیرہ) مولانا اسحاق ندوی (المدخل اصول فقہ) مولانا ابو الفضل عبدالحفیظ بلیاوی (سنن ابوداؤد، کتب ادب) مولانا اسباط صاحب (ہدایہ اولین واخرین) مولانا مفتی ظہور احمد صاحب۔ مولانا اسحاق بلگرامی وغیرہم سے دیگر کتب پڑھیں۔

تدریسی خدمات:

ندوہ سے فراغت حاصل کرنے کے کی بیماری میں مبتلا ہو گئے لیکن علی میاں ندوی کے بلاوے پر مدرسہ عربیہ عالیہ بدریہ (پکا بازار، بستی شہر) میں تدریس سے جڑ گئے۔ دوسرے سال دوران تدریس لکھنو علاج کے لیے چلے گئے اور ندوہ میں قیام کیا، اسی دوران حسب حکم علی میاں ندوہ میں پڑھاتے بھی رہے۔ علاج کی غرض سے ندوہ میں جتنے دن قیام رہا۔ تدریسی سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس دوران علی میاں نے علاج کا پورا خرچہ برداشت کیا۔ ۱۹۶۲ء میں حسب حکم علی میاں جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر تیسرے سال دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک تدریسی سلسلہ سے منسلک رہے۔ یہاں ۱۳۰ روپے ماہانہ مشاہرہ تھا جبکہ جھنڈا نگر میں ۵۰ روپے۔ پھر ۱۹۶۹ء

میں جامعہ سلفیہ دارالعلوم بنارس آگئے اور ۱۹۹۸ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ ۱۹۹۹ء میں تیسرا دورہ بھی جھیل گئے۔ افاقہ کے بعد فتوی نویسی کا کام مدرسہ کی طرف نیز مقالات پر نظر ثانی اور سلفی تحقیقی جائزہ مکمل نامی کتاب مکمل کی۔ دوا مستقل جاری ہے۔

تصنیفی خدمات:

تصنیفی وتالیفی ذوق زمانہ طالب علمی ہی سے رہا۔ چنانچہ طالب علمی کے زمانہ ہی میں استاد گرامی علی میاں ندوی کے حسب حکم ''تاریخ یہود'' کی تالیف کی جو چار جلدوں میں (مجموعی صفحات:2000) بعثت نبوی سے پہلے تک کے احوال پر مشتمل تھی اور ۱۹۶۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی، مگر افسوس کہ اسکا مسودہ ضائع ہوگیا۔ اس کا اچھا خاصہ حصہ پندرہ روزہ ''الھدیٰ'' (دربھنگہ) میں شائع ہو چکا ہے جبکہ موصوف وہاں بحیثیت استاد مقیم تھے۔

فہرست تصانیف درج ذیل ہیں۔

(۱) ترجمہ قرآن مجید (اردو) قلمی (غیر مطبوع)

(۲) غایۃ التحقیق فی تضحیۃ ایام التشریق (اردو) صفحات ۸۰/ مطبوع ۱۹۹۲/ء

(۳) تنویر الآفاق (اردو) صفحات/۵۱۶، مطبوع/۱۹۸۷ء

(۴) نفقۂ مطلقہ (اردو) صفحات/۴۸، مطبوع/۱۹۸۵ء

(۵) اللمحات إلی مافی انوار الباری من الظلمات (پانچ جلدیں۔ اردو) صفحات/۲۱۵۳ مطبوع/۱۹۸۲ء

(۶) تصحیح العقائد بابطال شواھد الشاھد (اردو) صفحات ۱۲۱، مطبوع ۱۹۶۶ء

(۷) تحویل قبلہ بنی آخر الزماں فی رد مصنف ''مفتاح القرآن'' (اردو) صفحات ۱۳۰ مطبوع ۱۹۷۹ء۔

(۸) علوی مالکی سے دو باتیں (اردو) صفحات ۲۷۲/ مطبوع ۱۹۸۹ء

(۹) جمعہ کے احکام و مسائل (اردو) صفحات ۴۸۰ مطبوع ۱۹۹۵

انکے علاوہ بھی بہت سی تصانیف مسودہ کی شکل میں ہیں اور غیر مطبوع ہیں۔

(۱۰) دیوبندی تحفظ سنت کانفرنس پر سلفی تحقیقی جائزہ۔

ظہیرالدین رحمانی

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ اور حافظ عبدالعزیز سے حاصل کی۔ پرائمری درجات نیز درجہ مولوی تک کی تعلیم مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں ہوئی۔ اس کے بعد جامعہ فیض عام میں داخلہ لے کر جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔ دریں اثناء کچھ لوگوں کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ لیکن والد گرامی نے واپس بلا کر دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ کرا دیا۔ وہاں کے نصاب کے مطابق جملہ علوم وفنون کی تعلیم کی تکمیل کر کے ۱۹۴۰ء میں سن فراغت حاصل کی۔ سند اجازہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے عطا فرمائی۔

قابل ذکر اساتذہ:

مدرسہ دار التعلیم کے اساتذ میں: مولانا محمد اصغر، مولانا محمد احمد املوی اور عارضی طور پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (شارح ترمذی) جامعہ فیض عام کے اساتذ میں: مولانا محمد احمد، مولانا عبداللہ شائق، مولانا عبدالرحمٰن نحوی (استاذ فلسفہ قدیم) دار الحدیث رحمانیہ کے اساتذ میں: مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا اصحاب الدین، مولانا عبدالعلیم اور مولانا عبدالجلیل رحمانی (ششہنیاں) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے بعد تدریس کی بسم اللہ مدرسہ دار التعلیم سے کی۔ پھر ۱۹۴۵ء میں مدرسہ قاسم العلوم گکوگلی (آگرہ) گئے، لیکن جلد ہی مستعفی ہو کر وطن لوٹ گئے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ پہنچے، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اور چند ہفتوں کے بعد یہاں سے مستعفی ہو گئے۔ دریں اثناء مولانا فضل الرحمٰن اعظمی اور مفتی عبدالعزیز صاحبان کے مشورے سے جامعہ محمدیہ رائیدرگ چلے گئے، لیکن وہاں بھی ششماہی کورس ہی مکمل کر کے مستعفی ہو گئے۔ دریں اثناء اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی رائیدرگ میں ہو گئی۔ اس لیے مستقل رائیدرگ میں ہی مقیم ہو گئے اور جامعہ محمدیہ رائے درگ میں دوبارہ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ دریں اثناء ناظم جامعہ سے کسی معاملہ میں اختلاف کی وجہ سے مستعفی ہو کر عمرآباد چلے گئے اور ۱۹۵۸ء سے تاحال وہیں تعلیمی وتدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

عابد حسن رحمانی

مولانا عابد حسن بن حبیب اللہ بن جمائی بن کریم بخش خان۔

مقام: کنڈ وٗبونڈیہار، پوسٹ سکھوئیا، ضلع بلرام پور یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ء۔ (تخمیناً)

خاندان:

موصوف کا گھرانہ خالص دینی وعلمی ہے۔ آپ کے گھرانے میں آپ کے علاوہ بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ جن میں گرامی قدر جناب مولانا عبدالسلام رحمانی (وکیل الجامعہ سراج العلوم بونڈیہار) اور مولانا عزیز الرحمٰن خان بہادر ازہری مرحوم سرفہرست ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم کنڈ وٗبونڈیہار میں ہوئی، یہاں آپ نے فارسی کتب

مثلا گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا اور اخلاق محسنی وغیرہ کی تعلیم مولانا عبدالغفور بسکوہری سے حاصل کی۔ جبکہ مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی سے میزان ومنشعب وغیرہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ مولانا شبیر احمد (کنڈؤ) کے ہمراہ کانپور گئے اور جامع العلوم پٹکاپور میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا۔ یہاں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور مشکوۃ المصابیح، شرح الوقایہ اور شرح جامی وغیرہ پڑھی۔ ۱۹۴۷ء میں دہلی میں فساد پھوٹ پڑا تو گھر چلے آئے اور یہ سال جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار میں گزارا۔ دوسرے سال آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عالمیت میں داخلہ لیا لیکن یہاں کا علمی ماحول آپ کو اس لیے نہیں پسند آیا کیونکہ یہاں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مقابلے میں ادب کی زیادہ اہمیت تھی۔ اس لیے ندوہ سے دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ اور وہاں ہدایہ اولین، نورالانوار، تفسیر بیضاوی، شرح عقائد نسفی سراجی اور تشریح شرح چغمینی کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فقہ ومعمولات کی تکمیل کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے جس مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا محمد اقبال رحمانی کے علاوہ علی میاں ندوی، مولانا محبوالرحمٰن صاحب ازہری، مولانا فخرالحسن، مولانا بشیر احمد سہسوانی اور مولانا نذیر احمد املوی رحمہ اللہ وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

علمی ودعوتی سرگرمیاں:

جامعہ رحمانیہ بنارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دی معقولات پر بڑا زبردست عبور تھا۔ دینی مسائل پر گہری نظر تھی۔ حدیث وتفسیر سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ جملہ علوم وفنون کی تدریس میں ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے طرز تدریس کو طلبہ پسند کرتے تھے اور آپ کے گرویدہ رہتے تھے۔ اور جہاں بھی رہے

ہیں وہاں خطبۂ جمعہ کے علاوہ قرب وجوار کے علاقوں میں سلفی دعوت وتبلیغ کے بھی کام کیے ہیں۔اداروں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) مڈل اسکول اڑیسہ (اسکول کا نام بھول چکے ہیں) (۲) مدرسہ شمس الہدی دلال پور جھارکھنڈ (۳) مدرسہ اسلامیہ اصلاح المومنین برھیٹ صاحب گنج جھارکھنڈ (۴) مظہر العلوم بٹنہ مالدہ بنگال (۵) جامعہ رحمانیہ بنارس (۶) جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار (۷) مرکزی دار العلوم بنارس (۸) مدرسہ انوار العلوم پرساعماد ضلع سدھارتھ نگر، (۹) جامعہ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن (۱۰) کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج سدھارتھ نگر (۱۱) مدرسہ دعوۃ الاسلام لال گوپال گنج الہ آباد۔یہاں آپ نے ۲ سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔پھر ضعف، کبرسنی اور خرابی صحت کی وجہ سے مستعفی ہو کر وطن واپس آگئے اور گھر ہی پر آرام فرما رہے ہیں۔

جس سال آپ کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج میں تھے اسی سال آپ نے حج بیت اللہ بھی کیا۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے، نیز آپ کے تلامذہ میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں جن میں دکتور وصی اللہ عباس (جامعہ ام القری مکہ مکرمہ)، دکتور صغیر احمد (متحدہ عرب امارات) دکتور فضل الرحمٰن (شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں)، مولانا عبد العلیم عبد العظیم بستوی (مکہ مکرمہ)، دکتور عزیر شمس (مکہ مکرمہ)، دکتور اختر جمال (مکہ مکرمہ) اور مولانا صلاح الدین مقبول احمد (کویت) نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے کوئی کتاب تصنیف وتالیف نہیں کی۔البتہ مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں فتاویٰ لکھتے تھے۔وہ فتاویٰ جامعہ میں موجود ہیں اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں۔جامعہ کے ذمہ داران کو اس کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

اخلاق وعادات:

آپ حد درجہ خاکسار، حلیم و بردبار اور ہمدرد و غمگسار ہیں، نیز سادگی، ملنساری اور حق گوئی کے آئینہ دار ہیں۔ اخلاص، حسن نیت اور بے لوثی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ کی مہمان نوازی کی لوگ مثال دیتے ہیں۔ لباس طعام اور جملہ لوازمات زندگی میں آپ شب و روز کا باقاعدہ پروگرام رکھتے ہیں غرضیکہ آپ کی شخصیت ہمہ جہت خوبیوں کی حامل ہے۔

اولاد:

آپ کے چار لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں اور ماشاء اللہ سب پڑھے لکھے اور اسلامیات کے پابند ہیں۔

موجودہ حالت:

فی الحال آپ گھر پر ہی رہتے ہیں۔ بیماری اور ضعیفی کے باعث تدریس یا دعوتی و تبلیغی کام کرنے سے معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آرام وراحت اور صحت عطا فرمائے۔

عبدالحمید انجم جمال اثری

پیدائشی نام عبدالحمید انصاری، قلمی نام حامد الانصاری انجم، کنیت ابوالمآثر انصاری اور عرفیت انجم جمال اثری ہے۔ والد گرامی کا نام میاں جان محمد انصاری ہے۔

مولد و مسکن قصبہ لوہرسن بازار (کرنجوت) ضلع سدھارتھ نگر (موجودہ ضلع سنت کبیر نگر) یوپی۔ تاریخ پیدائش ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء ہے۔

تعلیمی مراحل:

قرآن پاک ناظرہ اور ابتدائی اردو کتابیں گھر ہی پر اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ پھر

معیاری تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مدرسہ شمس العلوم (فتح پور، سدھارتھ نگر) میں داخلہ لیا۔ یہاں پر عربی و فارسی کے مایہ ناز استاذ مولانا شمس الحق شمس بشیری (تلمیذ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی شارح مسلم) سے اکتساب علم کیا۔ چند وجوہات کی بنا پر چھ ماہ کے لیے یہاں سے جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر چلے گئے۔ لیکن پھر چھ ماہ کے بعد واپس آ گئے اور یہیں سے شہادۃ الثانویہ کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں داخلہ لیا اور عالمیت کی جملہ کتب مولانا خلیل الرحمٰن صدیقی بھٹ پرا سے پڑھیں۔ یہاں سے قبل حنفی مدرسے سے تعلیم یافتہ تھے اس لیے دل و دماغ پر حنفی مذہب کا غلبہ تھا۔ لیکن مولانا موصوف سے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کتاب و سنت کا عامل ہو گیا۔

مدرسہ مفتاح العلوم سے عالمیت کا کورس مکمل کرنے کے بعد دہلی وارد ہو کر جامعہ ریاض العلوم میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ سند اجازہ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی نے عطا کی۔ چند ماہ کے لیے مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں داخلہ لیکر مولانا مفتی کفایت اللہ سے بھی استفادہ کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا شمس الحق بشیری، مولانا خلیل الرحمٰن صدیقی (بھٹ پرا) جامعہ ریاض العلوم کے اساتذہ ہیں۔ مولانا عبدالسلام رحمانی، سید تقریظ احمد سہسوانی، مولانا عبدالکریم وغیرہم۔

سند فراغت حاصل کرنے کے بعد طب کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو تکمیل الطب کے لیے لکھنؤ کے کالج میں داخلہ لیا، لیکن وہاں کا ماحول راس نہ آنے کا باعث دہلی واپس لوٹ کر طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۲ء میں طب کا کورس مکمل کر کے واپس ہوئے۔

موجودہ مشاغل:

گاؤں واپس آکر طبابت کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن جلدی ہی اسے خیر آباد کہہ کر بچوں کی کتاب و سنت کے مطابق تعلیم و تربیت کے لیے ۱۹۵۵ء میں ایک قطعہ آراضی حاصل کر کے

''مدرسہ مدینۃ العلوم'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ بحمد اللہ اس مدرسہ میں آج جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔

تدریس:

اب تک مختلف مدارس میں دسیوں سال تک طباعت کے ساتھ ساتھ تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جیسے مدرسہ مصباح العلوم ٹھوٹھری بازار ضلع سدھارتھ نگر۔ مدرسہ عربیہ شمس العلوم ہرنام پور ریاست نیپال۔ مدرسہ عربیہ دارالقرآن والحدیث بھنی خورد گورکھپور وغیرہ۔ آخر میں ۱۹۸۹ء میں دارالحدیث مدینۃ العلوم کی نظامت کا فریضہ اعزازی طور پر انجام دیا۔

جماعتی خدمات:

۱۹۵۷۔۱۹۵۸ء میں جب ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ کی مشترکہ تشکیل عمل میں آئی اور علمائے جماعت نے ممبر سازی کے لیے مشترکہ طور پر ضلعی دورے کئے، اس موقع پر موصوف بھی ہر جا وہر مقام شامل سفر رہے۔ آج بھی جماعت کے ساتھ برابر کے شریک وسہیم ہیں۔

صحافت وشعروشاعری:

صحافتی ذوق بچپن ہی سے تھا۔ اس لیے ۱۹۵۷ء کے ماہ جنوری میں ''الہلال'' نام کا ایک ماہنامہ مجلّہ نکالا جو ناتجربہ کاری اور وسائل کی قلت کے سبب ایک سال کے بعد بند ہوگیا۔ پھر سونس بازار میں ''مرکز الدعوۃ'' کی تاسیس عمل میں آئی تو وہاں سے ایک سہ ماہی خبرنامہ نکالا جس کا شمارہ اگست ۱۹۹۰ء میں نکلا۔ بعد میں دو ماہی کر دیا گیا۔ لیکن بہت جلد افق صحافت سے غروب ہوگیا۔ آپ چونکہ صغر سنی ہی سے خوش گلو اور خوش الحان تھے اس لیے ہر دینی پروگرام میں نغمہ خوانی کے لیے مدعو کئے جاتے تھے۔ اس بنیاد پر طبابت پر دھیان کم دیا جو دھیرے دھیرے ختم ہوگیا۔ آپ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ نغموں پر مشتمل ایک

کتابچہ بنام ''نغمات مدحت'' مرتب کر کے شائع کیا جو عوام میں بے حد مقبول ہوا۔

☆ غالباً ۱۹۵۹ء کے اوائل میں بریلوی عالم حشمت علی کے ہفوات کے جواب میں ''آئینۂ بدعت'' نام ایک کتابچہ ترتیب دیا۔

☆ ۱۹۶۹ء میں آپ کی نظموں کا پہلا مجموعہ کلام بنام ''چراغ حرم'' طبع ہو کر محبوب عوام ہوا۔اس کے بعد ہی دوسرا مجموعہ کلام ''منارِ حرم'' کے نام سے چھپا۔تیسرا مجموعہ کلام ''بچوں کے نغمے'' بھی مطبوع ہو کر مقبول عوام وخواص ہو چکا ہے۔

غیر مطبوعہ مجموعے:

☆ تاجدار حرم (نعتیہ مجموعہ کلام) ☆ سرودِ طیبہ (نعتیہ مجموعہ کلام)

☆ منبر محراب (اصلاحی نظموں کا مجموعہ) ☆ بربطِ انجم (غزلوں کا مجموعہ)

بچوں بچیوں کے لیے بھی چند مجموعے تیار ہیں۔

☆ لاہوتی نغمے (حمدیہ مجموعہ) ☆ نعت کے پھول (نعتیہ مجموعہ)

☆ اسلامی ترانے (انقلابی نظمیں)

ایک کتاب بنام ''جنازے کے احکام ومسائل'' بھی طباعت کے لیے تیار ہے۔
شخصیت کے موضوع پر استاذ محترم مولانا عبد السلام بستوی کی سوانح حیات بنام ''تذکرۃ السلام'' نیز ''تحفۂ معراج'' نماز کے موضوع پر اور ''دعاء نبوی'' زیر تسوید وترتیب ہیں۔

آپ بیک وقت ڈاکٹر، طبیب، حکیم، جراح، عالم دین، مناظر، شاعر، ادیب، مقرر، خطیب، ایڈیٹر اور صحافی تھے۔بحیثیت شاعر ''انجم جمال اثری'' بحیثیت مضمون نگار ''حامد الانصاری انجم'' کبھی ''عبد الحمید انجم'' اور کبھی ''ابن جمال اثری'' کبھی ''اے۔ایچ ۹۴'' لکھتے تھے۔

اولاد واحفاد:

آپ صاحب عیال ہیں: پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

بڑے بیٹے ابوالاثر جواد بی دنیا میں جماد انجم ایڈوکیٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسرے سہیل انجم (علیگ) جو روزنامہ قومی آواز دہلی کے سب ایڈیٹر تھے۔ لیکن قومی آواز بند ہوگیا۔ اور وائس آف امریکا اردو سروس دہلی کے نمائندہ ہیں۔ قمر جمال انجم، آصف ہلال انجم سعودی عرب میں ہیں۔ اور ڈاکٹر شمس کمال انجم مدنی بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری میں شعبہ عربی میں لیکچرر ہیں۔ ڈاکٹر شمس کمال انجم نے صاحب ترجمہ کی دینی وملی خدمات پر مشتمل آپ کی سوانح حیات ''نقوش جاوداں'' کے نام سے شائع کی ہے جو منظر عام پر آچکی ہے۔

موصوف پیرانہ سالی اور ناسازی طبع کے سبب تحریر وتقریر سے بالکل الگ ہوکر گھر پر آرام فرمارہے ہیں۔

عبدالحنان فیضی

نام ونسب

مولانا عبدالحنان فیضی بن مولانا محمد زماں رحمانی بن نبی احمد، کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر (یوپی) کی معروف ومشہور مسلم اکثریتی بستی انتری بازار (محمودوا گرانٹ) سے ہے، جو تحصیل شہرت گڑھ سے مغرب کی جانب ۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ولادت:

مذکورہ خاندان میں والد محترم مولانا عبدالحنان صاحب کی ولادت رمضان ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ہوئی، بچپن کے کچھ ایام جھنڈا نگر میں گزرے اس لیے کہ آپ کے والد ان دنوں سراج العلوم میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے اور وہیں اہل وعیال کے ساتھ عارضی طور پر مقیم بھی تھے۔

تعلیم وتربیت:

پرائمری کی تعلیم مدرسہ بحر العلوم انتری بازار میں منشی علمدار مرحوم سے حاصل کی، پھر

۱۹۴۷ء کے آس پاس دار العلوم ششہنیاں تشریف لائے۔مولانا عبدالجلیل رحمانی اورمولانا عبدالقدوس ٹکریاوی سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔عبدالرحمن بجواوی اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی سے اکتساب فیض کیا،جھنڈانگر میں دوسال رہ کر آپ نے مشکوۃ تک تعلیم مکمل کی اوراس کے بعد مدرسہ فیض عام مئو گئے۔

مدرسہ فیض عام کے اس دور کے دیگر اساتذہ جن سے والد صاحب نے خصوصیت کے ساتھ اکتساب فیض کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی ،مولانا مصلح الدین اعظمی ،مولانا عبدالمعید بنارسی ،مولانا عبدالرحمن نحوی،مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی مئوی،مولانا عظیم اللہ مئوی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات:

فیض عام سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ اسلامیہ کوئلہ باسہ ضلع بلرام پور سے کیا۔ایک سال کے بعد آپ مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس تشریف لے گئے۔آپ نے مسلسل چار برس وہاں تدریسی فریضہ انجام دیا،اس کے بعد جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر تشریف لائے ،اور مسلسل گیارہ برسوں تک آپ یہاں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔پھر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے، کچھ عرصہ کے بعد خرابی صحت کی وجہ سے وہاں سے واپس آگئے اور دوبارہ سراج العلوم سے وابستہ ہو گئے اور تا حال یہیں تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

افتاء وقضاء:

آپ نے تقریباً ۱۹۶۴ء میں افتاء کی ذمہ داری سنبھالی جب آپ پہلی بار جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مدرس مقرر ہوئے ،جامعہ سلفیہ کے چار سالہ مدت قیام ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۷ء کو چھوڑ کر ۱۹۶۴ء سے اب تک آپ جامعہ سراج العلوم کے شعبہ افتاء کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔آپ کے فتوؤں کا مجموعہ مرتب ہو چکا ہے۔اس کی تحقیق وتخریج آپ کے

پوتے سعود اختر عبدالمنان سلفی نے کی ہے۔

وعظ وارشاد:

گذشتہ ۲۵ برسوں کے دوران آپ نے اس میدان میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، اور اس مدت میں کم ہی جمعہ گزرے ہوں گے جن میں آپ نے علاقہ کی مساجد میں جمعہ کا خطبہ نہ دیا ہو۔

تنظیمی و جماعتی خدمات:

آپ اصلا میدان تدریس کے شہسوار رہے ہیں تاہم جماعتی حمیت وغیرت کے تسبب وقتاً فوقتاً جماعتی خدمات بھی انجام دیتے رہے، چنانچہ تلسی پور کے صوبائی کانفرنس میں آپ نے انتظام انصرام میں حصہ لیا اور کانفرنس کے دوران نماز باجماعت کے اہتمام کے ذمہ دار بنائے گئے، اسی طرح ضلعی اور مقام سطح پر آپ جمعیت اہل حدیث کی مجلس شوری وعاملہ کے بیسوں برس ممبر رہے اور تقریبا دس برس تک مقامی جمعیت اہل حدیث حلقہ بڑھنی کے امیر وصدر رہے، اسی طرح اس دور میں جب کہ ضلع گونڈہ وبستی (بہ شمول موجودہ سدھارتھ نگر وبلرام پور) کی ضلعی جمعیات متحد تھیں اور اس کے صدر مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ اور ناظم مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ تھے موصوف حلقہ بڑھنی میں دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار تھے اور مضافات کے علاقوں میں آپ دعوت وتبلیغ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ۱۹۷۰ء کے پاس کی ہوگی۔ آپ کی طویل تدریسی خدمات کے اعتراف کے طور پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ میں آپ کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔

قابل ذکر تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے چند ممتاز تلامذہ کے نام ذکر کئے جاتے ہیں:
(۱) ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ (۲) مولانا محمد مستقیم سلفی (۳) مولانا عبدالباری فتح اللہ مدنی (۴) مولانا صلاح الدین مقبول احمد (۵) ڈاکٹر عزیر شمس (۶) ڈاکٹر اقبال احمد نملی (۷)

مولانا عبدالمعید سلفی (۸) مولانا عبدالقیوم محمد شفیع سلفی (۹) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری (۱۰) مولانا احسن جمیل سلفی (۱۱) مولانا عبداللہ سعود سلفی (۱۲) مولانا محمد یونس مدنی (۱۳) مولانا حافظ محمد الیاس باڑی مدنی (۱۴) مولانا عبدالرشید مدنی (۱۵) مولانا خورشید احمد سلفی (۱۶) مولانا محمد نسیم مدنی (۱۷) مولانا وصی اللہ مدنی (۱۸) مولانا عبدالواحد مدنی (۱۹) مولانا شمیم احمد خلیل سلفی (۲۰) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (۲۱) عبدالمنان سلفی وغیرہم۔

عبدالحئی اصلاحی کھنڈیلوی

(پیدائش: ۱۹۲۵ء)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالغنی راجستھان کے ایک مردم خیز قصبہ کھنڈیلہ میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ابتداء ہی سے دینی و مذہبی تھا، شرک و بدعات اور دیگر خرافات سے کوسوں دور تھا، اس لیے آپ کی نشوونما بھی خالص دینی و علمی ماحول میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ''مدرسہ مصباح العلوم'' کھنڈیلہ میں داخل ہو کر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے فارسی، نحو و صرف، ادب اور کتب بستہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے آباء و اجداد کی باڑا ہندو راؤ پرانی دہلی میں گوٹے کی دوکان تھی، چنانچہ آپ دہلی آکر اسی کاروبار سے وابستہ ہو گئے اور ساتھ ہی خارجی اوقات میں ''مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ'' کے اساتذہ و شیوخ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ اسی دوران مسجد کلاں صدر بازار کے مدرسہ میں مولانا حاکم علی سے بھی معقولات کا درس لیا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں جب ملک میں بدامنی اور انتشار کا ماحول پیدا ہو گیا اور لوگ پاکستان ہجرت کرنے لگے، تو آپ بھی سندھ چلے گئے، لیکن وہاں کی فضا راس نہ

آنے کے سبب جلد ہی واپس دہلی آکر اپنے پرانے کاروبار گوٹے سے جڑ گئے۔ اس پیشہ سے وابستہ لوگوں نے ''گوٹا مزدور یونین'' نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے آپ ایک عرصہ تک صدر رہے۔

اسی طرح ''نگر پالیکا کھنڈیلہ'' کے چالیس سال تک چیر مین رہے۔ اس عہدے پر اتنے لمبے عرصہ تک فائز رہنا اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران پورے قصبہ میں زبردست رفاہی امور انجام دیئے۔ جگہ جگہ نل کوپ لگوا کر عوام کے لیے پانی کا انتظام کیا، روڈ اور نالیاں پختہ بنوائیں، اس طرح کھنڈیلا کو ایک صاف ستھرے قصبہ میں بدل دیا۔ آپ اِس وقت بھی ''ضلع کانگریس کمیٹی'' سیکر کے نائب صدر اور ''کھنڈیلہ نگر'' کے صدر ہیں۔

سرکاری منصب پر رہتے ہوئے بھی دینی کاموں اور جماعتی امور میں دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ نونہالان قوم کی تعلیم وتربیت کے لیے ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

جمعیت اہل حدیث ہند سے شروع ہی سے وابستہ رہے اور جماعتی امور و معاملات میں برابر دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ آپ لگ بھگ ۱۸ سال سے نائب امیر جمعیت کے منصب پر فائز ہیں۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے تقریباً ۲۵ سال تک امیر رہے اور تاحال اسی عہدے پر فائز ہیں۔ اپنے دور نظامت وامارت میں جماعتی اکائیوں کو منظم کر کے مردم شماری کا کام کیا۔ جودھپور، مکرانہ، کھنڈیلا، بیگود، مالی پورا، کیکڑی، سرواڑ، کوٹہ، بھیلواڑا، گنگاپور سٹی اور سوائی مادھوپور جیسے اہم مقامات کا دورہ کیا اور ہر جگہ مقامی جمعیتیں قائم کر کے سب کو اس سے منسلک کیا، صوبائی، ضلعی اور شہری پیمانے پر اجتماعات کیے۔

عمر کے اس آخری دور میں بھی جب کہ طبیعت اکثر خراب رہتی ہے، ان کا حوصلہ بلند ہے اور کام کرنے کی لگن ہے اور امید ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند آپ کی قیادت میں مزید منظم و مستحکم ہو کر دن دونی رات چوگنی ترقی کے مراحل طے کرے گی۔

عبدالرحمٰن مبارکپوری

مولانا عبدالرحمٰن بن محدث عبیداللہ الرحمانی بن شیخ عبدالسلام بن خان محمد

مقام: رانی پورہ، مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی۔

تاریخ پیدائش: رجب المرجب ۱۳۵۴ھ، بوقت فجر

تعلیم وتربیت:

علمی خانوادہ کے چشم وچراغ ہیں۔ قرآن شریف اور ابتدائی دینیات کی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارک پور میں داخلہ لیا۔ ابتدائی تعلیم وہاں مقررہ نصاب کے مطابق مکمل کی، جامعہ اسلامیہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں چار سال پڑھنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔ چار ماہ جامعہ الاصلاح سرائے میر میں رہے۔

تعلیمی مراحل مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام میں تدریس پر مامور ہوئے وہاں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے قیام کے بعد اپنے والد کی اجازت کے بعد وہاں کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ لیا۔ علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے بلوغ المرام اور علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ سے حدیث واصول حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ

آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے مولانا محمد احمد، مولانا محمد عبداللہ شائق، محمد سلیمان مئوی، شیخ عبدالرحمٰن عبداللطیف مئوی، شیخ حبیب الرحمٰن بن محمد لقمان مئو، اختر حسین اصلاحی، شیخ جمیل احمد مئو، شیخ عبدالمجید عبداللطیف، شیخ مقری عبدالسبحان، علامہ ناصر الدین الالبانیؒ، عبدالمحسن حمد العباد،

عبد القادر شيبه الحمد ، عطيه محمد سالم ،حافظ محمد گوندلوی،عبد الغفار حسن رحمانی، ناظم الدین ندوی، محمد المجذوب ،قاضی عبد اللطیف،نذیر احمد رحمانی، مفتی عبد العزیز عمری، محمد الامين الشنقيطى،مولانا فضل الرحمٰن عمری وغیرہم۔

دعوتی و تعلیمی سفر:

جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد ''زمبابوے'' بحیثیت داعی مبعوث ہوئے۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل وزارۃ المالیہ السعودیۃ کے زیر اہتمام دورۂ تدریبیہ فی اللغۃ الانجلیزیۃ میں شریک رہے اور انٹر میڈیٹ کی سند حاصل کی۔ دعوت و تدریس کا کام پانچ سال (۱۹۶۷ء-۱۹۷۱ء) تک انجام دیتے رہے۔

وہاں سے واپس آئے اور اور والدین کی خدمت کو غنیمت جانا، ان کے ساتھ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کی تالیف میں تعاون کرتے ،فتاوی لکھا کرتے اور گھریلو امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دعوتی کام کرتے ،علمی انجمن میں شریک ہوتے۔ بہت عرق ریزی کے بعد ان کے والد نے کلی اعتماد کر کے ''شہادۃ الاجازۃ'' عطا کیا اور وہ ان سے روایت کے اہل قرار پائے۔

مدرسہ دار التعلیم مبارک پور میں منصب نظامت و تدریس پر فائز ہوئے اور حال ہی میں ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ چار سال قبل انہوں نے تدریس اور نظامت سے علیحدگی اختیار کر لی لیکن دعوتی و تعلیمی امور انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں۔ علمی سوالوں کے جواب تحریر کرتے ہیں دینی و دعوتی پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔ تین لڑکے ہیں۔ زہیر، ازہر، اجمل اور سب کے سب جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے کلیۃ الحدیث سے فارغ التحصیل ہیں۔

تنظیمی خدمات:

آپ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے شوری اور عاملہ کے رکن ہیں۔ اس سے قبل ادارہ اصلاح المساجد ممبئی کے اساسی رکن تھے۔ انجمن تعلیمات دین جسے قاضی عدیل عباسی مرحوم

نے تشکیل دی تھی اس کے نائب صدر رہ چکے ہیں۔ سیرت کانفرنس دوحہ (قطر) میں شرکت فرما چکے ہیں۔ اس بڑھاپے کی عمر میں بھی مبارکپور کے مضافات کی بستیوں میں دورہ کر کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ وکان سعیھم مشکورا۔ فی الحال جامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارکپوری کے ناظم کی حیثیت سے ہیں۔

عبدالرحمٰن

استاذہ الاساتذہ مولانا عبدالرحمٰن بن محمد اسحاق بن منشی اسماعیل غازی

مقام: بیرنگر، سیمول تلہ، ضلع مالدہ، مغربی بنگال

تاریخ پیدائش: اساڑھ ۱۳۳۴ بنگلہ (۱۹۱۲ء)

تعلیم وتربیت:

اعدادیہ اول تا ششم تک کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ جین پور میں حاصل کی۔ جماعت اولیٰ تا ثانیہ کی تعلیم (۱۳۵۳ بنگلہ میں) مدرسہ آم تلہ میں۔ جماعت ثالثہ ورابعہ (۱۳۵۵ بنگلہ میں) مدرسہ امام نگر میں، جماعت خامسہ (۱۳۵۷ بنگلہ میں) مدرسہ اسلامیہ دمائی پور میں۔ آخر میں مدرسہ عبداللہ پور ضلع دمکا بہار سے ۱۳۵۸ بنگلہ (۱۹۳۶ء) میں سند فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا اثیرالدین (جین پور) مولانا محمد عفان، مولانا نیاز الدین (آم تلہ) مولانا جلال الدین رحمانی (امام نگر مرشد آباد) مولانا حراست اللہ (فاضل دیوبند) مولانا عبدالرحمٰن (دمائی پور) مولانا شمس الدین، علامہ احمد اللہ پرتاپ گڈھی رحمانی (مدرسہ عبداللہ پور میں)

درس وتدریس:

۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۳ء مدرسہ اسلامیہ دمائی پور۔

۱۹۴۴ء تا ۱۹۶۲ء مدرسہ مظہر العلوم پیڑوا

۱۹۶۹ء تا ۱۹۸۷ء مدرسہ نظامیہ مفتاح العلوم بیریا کمال

۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۴ء مدرسہ شیر شاہی مالدہ (بنگال)

۱۹۹۷ء تا ۱۹۹۹ء جامعہ اسلامیہ ریاض العلوم (سپول)

۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۱ء جامعہ امام بخاری، کشن گنج

۲۰۰۲ء تا حال ۲۰۰۸ء جامعۃ البنات شنکر پور (سپول)

ہم سبق فارغ ہونے والے طلباء:

مولانا عبدالجبار (بنگلہ دیش) محمد علی (جنگی پور، مرشد آباد) تمیز الدین (منگلا ہی کٹیہار) سراج الدین (دمکا) وغیرہم۔

آپ کی عمر ۹۶ سال سے اوپر ہے، پھر بھی حافظہ اچھا ہے۔ جامعہ اسلامیہ ریاض العلوم شنکر پور کے اشراف میں چلنے والے جامعۃ البنات الاسلامیہ میں بخاری، مسلم، فقہ السنہ، فتح المجید وغیرہ کا درس دے رہے ہیں۔ آپ ۳۰ سے زائد بار بخاری شریف کا درس دے چکے ہیں۔

آپ صاحب اولاد ہیں لیکن بچے تعلیم نہیں حاصل کر سکے۔ البتہ آپ کے پوتے محبّ الرحمٰن نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اس وقت ملک شام میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

عبدالسلام رحمانی

مولانا ابوعبداللہ عبدالسلام رحمانی بن محمد عباس بن حبیب اللہ بن جمائی بن کریم بخش۔

تاریخ پیدائش: اگست ۱۹۳۸ء مطابق جمادی الاخری ۱۳۵۷ھ (تاریخ معلوم نہ ہو سکی) میں موضع کونڈو، تحصیل اترولہ، ضلع گونڈہ (موجودہ بلرام پور) میں پیدا ہوئے۔

ہمارے مورث اعلی (جبین خان) اسلامی دور حکومت میں مسلمان ہوئے جب کہ وہ ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری" صاحب

تحفۃ الاحوذی'' کی آمد کی برکت سے گاؤں کے لوگ اہلحدیث مسلک میں داخل ہوئے۔
ہمارے دادا محدث مبارکپوری کا زمانہ پائے ہوئے تھے اور ہمارے والد ایک ماہر کسان تھے انہوں نے مدرسہ سراج العلوم میں گلستاں بوستاں تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور ہمارے چچا مولانا محمد عابد رحمانی عالم دین ہیں جامعہ رحمانیہ بنارس سے فارغ ہوئے اور ایک زمانہ تک جامعہ سلفیہ ہیں تدریسی ذمہ داری سنبھالی۔

تعلیمی مراحل:

چار سال تک ابتدائی تعلیم سراج العلوم بونڈیہار میں حاصل کی۔ مزید اونچی تعلیم کے حصول کی غرض سے چچا مولانا عابد رحمانی کے ساتھ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جماعت اولی میں داخلہ لیا۔ یہ اگست ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ لیکن ہندو پاک کی تقسیم کے بعد فساد کی وجہ سے نومبر ۱۹۴۷ء میں واپس وطن آگئے۔ اور پھر دوبارہ سراج العلوم میں داخلہ لیا۔ تیسری جماعت پڑھنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں جماعت ثانیہ میں داخل ہوئے۔

اس درمیان دادا کے حکم سے پڑھائی چھوڑ کر ۱۹۵۳ء میں تکمیل الطب کا کورس کرنے کے لیے وھاجیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا، لیکن دل نہ لگنے کی وجہ سے دو تین ماہ کے بعد ہی واپس رحمانیہ آگئے۔ پھر یہیں سے تعلیم مکمل کر کے ۱۹۵۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔

جامعہ میں تعلیمی سلسلہ سے جڑے رہتے ہوئے الہ آباد بورڈ سے ۱۹۵۵ء میں مولوی، ۱۹۵۶ء میں عالم اور ۱۹۵۸ء میں فاضل دینیات کا امتحان بھی پاس کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

نذیر احمد رحمانی، اقبال احمد رحمانی، محمد خلیل رحمانی، عبدالسلام طیب پوری، عبدالعزیز عمری، فضل الرحمٰن عمری، عبدالوحید رحمانی، قاری احمد سعید وغیرہم۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۳ ماہ تک مدھیہ پردیش کے ایک مکتب سے تدریسی سلسلہ کا آغاز

کیا۔ دوسرا سال درس گاہ اسلامیہ اکرہرا میں گزرا۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک سراج العلوم بونڈیہار جھنڈانگر میں درس دیا۔ ۱۹۶۴ء میں رئیس ڈی اسکول بھمرڑی میں دینیات وتاریخ کی تعلیم دی۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۲ء جامعہ رحمانیہ بنارس میں رہے۔ پھر وہاں سے فیجی چلے گئے اور ۱۹۸۴ء تک وہاں تعلیمی، دعوتی اور تبلیغی سلسلہ سے جڑے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں فیجی سے واپسی کے بعد سے اب تک جامعہ سراج العلوم میں تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ وکیل الجامعہ کی حیثیت سے ذمہ داری نبھارہے ہیں۔

قابل ذکر تلامذہ:

قابل ذکر تلامذہ کے تحت کچھ نام تو یاد آرہے ہیں مگر لگ بھگ چالیس سالہ تدریسی خدمات کے دور میں آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہوچکی ہے اس میں بہت سے تلامذہ بہت لائق وفائق ہوچکے ہیں جن میں کئی شاید اب اس بات کو بھی پسند نہ کریں کہ اپنے اساتذہ کے ذکر میں وہ آپ کا نام لیں۔ یا اپنے تلامذہ کے ذکر میں آپ ان کا نام لیں۔ دکتور عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی، دکتور عبدالرحمٰن عبدالجبار فریوائی، دکتور جمال اختر، دکتور محمد اقبال نملی، شیخ عبدالمعید مدنی، دکتور عزیر شمس، شیخ صلاح الدین مقبول احمد، دکتور صغیر احمد حنیف، شیخ محمد صالح بنارسی، شیخ محمد یونس شیخ الجامعہ سلفیہ بنارس، شیخ رفیق احمد سڈنی، مولانا شاہد جنید بنارسی۔ بارک اللہ لھم فی علمھم وعملھم.

جماعتی ودعوتی خدمات:

۱۹۶۴ء میں مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کے ایماء پر عبدالصمد شرف الدین کی معاونت کے لیے الدار القیمۃ بھیونڈی چلے گئے، وہاں مولانا کے ساتھ "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف للمزی" کی تحقیق وتعلیق کا کام کیا۔

جامعہ رحمانیہ بنارس کے زمانہ تدریس میں ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند مولانا عبدالجلیل رحمانی کے حکم پر جنوبی ہند اور علاقہ کوکن کا دورہ کیا۔ ستمبر ۱۹۷۲ء تا جولائی ۱۹۷۵ء

تک مرکزی جمعیت کے نائب ناظم اور پندرہ روزہ ترجمان کے معاون مدیر رہے۔ پھر جولائی ۱۹۷۵ء تا جون ۱۹۷۸ء ناظم اعلیٰ اور مدیر ترجمان کی حیثیت سے رہے۔ اس چھ سالہ دور نظامت میں ملک کا تنظیمی و تبلیغی دورہ کیا۔ کیرالا، کشمیر اور آسام کی جمعیتوں کو مرکز سے منسلک کیا۔

مرکزی جمعیت سے مستعفی ہو کر فیجی چلے گئے۔ وہاں دعوتی و اصلاحی خدمات پر مامور تھے۔ مارچ ۱۹۸۵ء کو فیجی سے واپسی کے بعد مئی ۱۹۸۵ء کے بنگلور اجلاس میں دوبارہ ناظم اعلیٰ کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ لیکن بوجوہ مارچ ۱۹۸۷ء میں استعفیٰ دے دیا۔ پھر مئی ۱۹۹۰ء کے انتخاب میں نائب امیر نامزد کیا گیا۔

تصانیف:

(۱) اسلامی کہانیاں جلد اول: ۴۸ صفحات، جلد دوم: ۶۴ صفحات، جلد سوم ۸۰ صفحات۔

(۲) حسن بصریؒ حالات وملفوظات صفحات ۶۴۔

(۳) المنکرات فی العقائد والاعمال والعادات صفحات: ۱۶۰۔

(۴) محرم الحرام اور مسئلہ حسن و یزید صفحات: ۸۸۔

(۵) ماہ ربیع الاول اور حب رسول کے مظاہرے صفحات ۳۲۔

(۶) تزئین مساجد کی شرعی حیثیت صفحات: ۵۶۔

(۷) خضاب کی شرعی حیثیت صفحات: ۴۸۔

(۸) تزئین وتجمل کی شرعی حیثیت صفحات: ۳۲۔

(۹) فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر صفحات: ۲۰۔

(۱۰) اتباع سنت کا مفہوم کتاب وسنت کی روشنی میں صفحات: ۴۴۔

موجودہ حالات میں جامعہ سراج العلوم میں تدریسی خدمات اور جامعہ کا نظم وانتظام دیکھ رہے ہیں اور اب اس ضعف ونقاہت کی عمر میں آرزو یہی ہے کہ قرآن وحدیث اور دینی

علوم کی تدریس میں جو عمر گزر رہی ہے اس کی انجام دہی میں میرا خاتمہ ہو جائے۔

اب بہت ضعف آچکا ہے دواؤں اور امراض سے نجات نہیں ہے اور اب عزائم مستقبل کیلیے کچھ نہیں رہ گئے سوائے خاتمہ بالخیر کی تمنا کے۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین، آمین. وصلی الله علی نبینا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین. (بقلم خود)

سید عبد القدوس اطہر نقوی

سید عبد القدوس اطہر نقوی بن مولانا سید تقریظ احمد سہوانی بن سید محمد اسحاق

حال مقیم: غفور نگر، بٹلہ ہاؤس، اوکھلا، نئی دہلی

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۵ء (دہلی)

خاندانی پس منظر:

آپ کے اجداد امروہہ کے شیعہ خاندان سے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں سہوان آکر آباد ہوئے۔ آپ کے اجداد میں مولانا عبد الشکور قاضی القضاۃ تھے۔ پردادا انگریز حکومت کے دور میں تحصیلدار تھے۔ دادا مولانا محمد اسحاق اور والد گرامی مولانا تقریظ احمد اپنے دور کے نامی گرامی علماء جماعت میں سے تھے۔ آپ کا خاندان سید اسماعیل شہیدؒ کے دور میں مسلک کتاب وسنت سے جڑا۔ اہل خاندان کے بہت سے علماء نواب بھوپال کے ہاں دینی خدمات پر مامور تھے۔

تعلیمی مراحل:

ابتدائی تعلیم سہوان کے اسلامیہ مکتب میں حاصل کی۔ پھر وہاں سے مراد آباد اپنے تایا کے پاس چلے گئے، جو مسجد ملا قاسم مراد آباد میں پیش امام تھے۔ انہیں کے پاس رہ کر پانچ سال تک مدرسہ امدادیہ اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے عصری علوم کے شعبہ میں داخلہ لے کر

انگریزی تعلیم حاصل کی۔ وہاں کے اساتذہ میں ماسٹر عبداللہ اطہر (مقامی) ماسٹر محمد سعید (مقامی) ماسٹر نسیم احمد (مقامی) ہیڈ ماسٹر محمد طفیل (مقامی) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ ماسٹر عبداللہ اطہر کی تعلیم و تربیت نے آپ کو بہت متاثر کیا اسی لیے آگے چل کر اپنا تخلص ہی اطہر رکھ لیا۔ وہیں کے مڈل اسکول میں ساتویں تک تعلیم حاصل کی۔

۱۹۴۹ء میں آپ کے تایا بغرض علاج پٹنہ چلے گئے تو آپ وطن مالوف سہوان لوٹ آئے۔ اس دوران دہلی کے حالات سدھرنے کے بعد دہلی پہنچے اور محلّہ کشن گنج میں ماسٹر عبداللہ المحض سے ۲ سال انگریزی ٹیوشن پڑھا۔ مولانا نور محمد قریشی سے پڑھ کر پنجاب یونیورسٹی شملہ (سونی) سے منشی فاضل کا اور دوسرے سال ادیب فاضل کا امتحان دیا اور پوری یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ وقفہ کے بعد پنجاب یونیورسٹی ہی سے ایف اے اور بی اے کا امتحان پاس کیا۔

دوران ملازمت اپنے مخلص اور دیرینہ رفیق پروفیسر عبدالودود اظہر کے مشورہ سے ۱۹۶۲ء میں لائبریری کا ڈپلوما کیا، پھر ۱۹۶۵ء میں دہلی یونیورسٹی سے ایم اے (فارسی) کا بھی امتحان دیا۔ ان دونوں امتحانوں میں پروفیسر صاحب نے ہر طرح کی مادی و معنوی مدد فرمائی۔ انہوں نے ازراہِ محبت میرے تخلص کے وزن پر اپنا تخلص اظہر رکھ لیا۔ چنانچہ آپ دونوں کافی عرصہ تک مسٹر ط-ظ کے نام سے مشہور رہے۔

مذکورہ امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد ایک سال تک ہمدرد میں بحیثیت ملازم رہے۔ پھر ۱۹۵۸ء میں دہلی کارپوریشن میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۳۵ سال تک خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۹۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

لکھنے پڑھنے کا باقاعدہ سلسلہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ماہنامہ "التوعیۃ" سے شروع کیا۔ پھر اخبار اہل حدیث، جریدہ ترجمان، افکار عالیہ، الجمعیت، دعوت میں بھی مضامین چھپنے لگے۔ انگریزی زبان میں انگلش پرچوں کے مراسلاتی کالم میں بھی لکھا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

کتب بینی کا بچپن ہی شوق تھا۔ اس لیے مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ معلومات کا خزانہ ہیں۔ اداریہ لکھنے بیٹھتے ہیں تو وہ کتابی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بہت ہی اچھے ادیب اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔

تصانیف:

(۱) نہضت حق (شعری مجموعہ) صفحات: ۶۴، مطبوعہ

(۲) جواں تھا ابھی عارف (شعری مجموعہ) اس میں ۲۸ نظمیں ہیں جو اپنے ۲۸ سالہ جواں سال بیٹے عارف کے ۶ رفروری ۱۹۹۴ء میں انتقال کے غم میں کہی گئی ہیں۔ مطبوع

(۳) چراغ منزل (شعری مجموعہ) صفحات: ۴۸، مطبوع

(۴) شعلۂ احساس (شعری مجموعہ) صفحات: ۸۰، مطبوع

(۵) دیار حرم (شعری مجموعہ) صفحات: ۴۸، مطبوع

(۶) آخری نوحہ (شعری مجموعہ)

(۷) مسکت جواب: ایک دیوبندی مفتی کے بیان کے رد میں

(۸) فکر اقبال، صفحات: ۲۵۰، مطبوع

(۹) The Salafiz History of Ahle Hadees in India

(۱۰) صفۃ صلاۃ النبی کا انگریزی ترجمہ (The Prayers)

(۱۱) Umar Bin Abdul Azeez (Assay)

(۱۲) کتاب ''محاسن اسلام'' کا انگریزی ترجمہ Merits of Islam

(۱۳) (دین خالص کے مشعل بردار) ٹارچ بیررز آف پرسٹنس فیتھ۔

موجودہ مجال کار:

آپ نے حال ہی میں Mohammad Allah's Messenger سیرت کی کتاب مرتب کی ہے جس کا مقدمہ لکھ رہے ہیں۔

عمر کی ۷۳ بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ دل کے مریض ہیں، ایک بار اینجو پلاسٹی سرجری

ہو چکی ہے۔ لاغر اور کمزور ہو چکے ہیں، بڑے صاحب زادے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بقیہ تین لڑکے باحیات ہیں اور تینوں ہی اپنے اپنے مجال کار میں مصروف عمل ہیں۔ آپ ہر طرح سے آزاد ہیں اور صرف قلم و کاغذ سے یارانہ ہے۔

محمد عمر سلفی

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا ابو العرفان محمد عمر سلفی

ساکن: اوسانی، پوسٹ: کھونزارے، ضلع بستی، یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۸ء (تخمیناً)

تعلیمی مراحل:

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ انوار العلوم کھونزارے وغیرہ میں داخلہ لیکر اکتساب فیض کیا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی کے لیے رخت سفر باندھا اور مدرسہ سعیدیہ (پل پنگش) میں داخلہ لیا۔ وہاں مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ آپ مولانا شرف الدین دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

تدریسی مراحل:

جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد تدریس کی ابتداء بنگال کے مدرسہ اصلاح المسلمین (بھادو، سیمل تلا) سے کی وہاں ایک عرصہ تک تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد ۱۹۶۳ء میں مدرسہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر بحیثیت شیخ الحدیث رہے۔ ۲ سال کے بعد بنگال والوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دوبارہ بنگال چلے گئے اور ۲ سال تک حدیث و تفسیر کا درس دیا۔ ۱۹۶۷ء میں مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی گزارش پر آپ جامعہ سراج العلوم کونڈو بونڈیہار تشریف لائے اور بحیثیت شیخ الحدیث طالبان حدیث کے اذہان و قلوب کو

منور و مزکی کیا۔ حضرت مولانا اقبال رحمانی (متوفی ۱۹۸۲ء) کے انتقال کے بعد سے ۲۰۰۴ء تک آپ ہی جامعہ کے داخلی و خارجی معاملات کے منتظم و منصرم اور مدیر رہے۔ ایک لمبے عرصہ تک جامعہ سراج العلوم میں تعلیمی، تدریسی، نیز تنظیمی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۰۴ میں ضعف اور کبر سنی کی وجہ سے مستعفی ہو کر آج کل گھر ہی پر آرام فرما رہے ہیں۔

آپ نے اپنے دور صدارت میں جامعہ سراج العلوم کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس کے تعلیمی معیار کو اونچا کیا۔ کم و بیش چالیس سال تک بخاری و مسلم کا درس دیا۔ آپ کے درس دینے کا انداز بالکل اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا شرف الدین جیسا تھا۔

فقہی مسائل پر کتاب و سنت کی روشنی میں بڑی گہری نظر تھی۔ استحضار کا یہ عالم تھا کہ چلتے پھرتے زبانی طور پر کتب احادیث کے حوالے مع کتاب اور باب بتلاتے تھے۔ جرأت و بے باکی اور حق و صداقت کا مجسمہ تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے معاملے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

آپ جہاں مسند درس و تدریس کے شہنشاہ تھے وہیں اجلاس عام و اجتماعات کے صدر نشین ہوتے تھے۔ کرسی صدارت اور آپ کی ذات لازم ملزوم تھی۔ جس عنوان پر خطاب کرتے تو گھنٹوں کرتے اور موضوع کا حق ادا کر دیتے۔

مولانا اقبال صاحب رحمانی کے انتقال کے بعد ضلعی جمعیت اہلحدیث بلرام پور کے کافی عرصہ تک آپ امیر رہے۔ اس دور میں تدریسی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ضلعی سطح پر بہت سے دعوتی و اصلاحی پروگرام کیے، ضلعی سطح پر جماعت کو استحکام بخشا۔

آپ کے تین صاحبزادگان آپ کے بعد وارث و امین ہیں۔ بڑے صاحب زادے ڈاکٹر ہیں اور پریکٹس کر رہے ہیں۔ منجھلے صاحب زادے عبید اللہ سلفی جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ ہیں اور سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ چھوٹے صاحب زادے محمد گھر پر ہیں اور کھیتی کسانی سے وابستہ ہیں۔ آپ ضعف، اور کبر سنی کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہیں اور صاحب فراش ہیں۔ اللہ تعالی صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

فیض الحسن (فضا ابن فیضی)

مولانا فیض الحسن بن مولانا منظور حسن بن مولانا ابوالمعالی محمد علی بن شیخ حسام الدین بن شیخ عبدالوہاب بن شیخ نور محمد مئوناتھ بھنجن یوپی۔

تاریخ پیدائش: یکم جولائی ۱۹۲۳ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے اسلاف اور بزرگوں کا شمار مئوناتھ بھنجن کے اہل علم خانوادوں میں ہوتا تھا۔ گھر میں علمی ماحول تھا۔ جد امجد ابوالمعالی مولانا محمد علی فیضی اپنے دور کے زبردست معروف اور نامور عالم دین تھے جو حدیث وتفسیر میں گہری مہارت رکھتے تھے۔ ایک مستند صاحب تصنیف شخصیت کے مالک تھے۔ فن خطاطی وطغریٰ نویسی میں بھی دست رس رکھتے تھے۔ اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں میں یکساں شعر گوئی پر مہارت وقدرت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف (صاحب ترجمہ) والد کے بجائے دادا کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے ''فضا ابن فیضی'' لکھتے ہیں۔

تعلیم وتربیت:

خاندانی روایات کے مطابق عربی، فارسی اور علوم دینیہ کی تعلیم کا آغاز مدرسہ عالیہ سے ۱۹۳۴ء میں کیا۔ اس کے بعد مدرسہ فیض عام مئو سے تکمیل علوم کر کے سند فراغت حاصل کی۔

علاوہ ازیں ''عربی فارسی بورڈ الہ آباد'' کے زیر اہتمام منشی، مولوی، عالم اور فاضل کے امتحانات بھی دیے اور ۱۹۴۲ء تک عربی اور فارسی ادبیات علوم اسلامیہ سے فارغ ہو گئے۔

فراغت کے بعد انگریزی زبان وادب کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے لیکن آبائی پیشہ تجارت میں والد گرامی کا ہاتھ بٹانے کی وجہ سے اس میں زیادہ کچھ کامیابی نہ حاصل کر سکے اور یوں اس سلسلے کو ترک کر دیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں حکیم مولانا محمد سلیمان، مولانا محمد احمد، مولانا عبداللہ شائق، اور مولانا عبدالرحمٰن (نحوی) جیسے نابغۂ روزگار علماء کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس:

آپ نے کبھی تدریسی فریضہ انجام نہ دیا اور نہ ہی کبھی کہیں ملازمت کے پیشے سے جڑے، بلکہ ہمیشہ ایک خودمختار کی طرح زندگی بسر کی۔

تھا اسے شوق بہت، شہ کا مصاحب بن جاؤں + خیر گزری کہ قضا نوکری کرنے سے بچا

شعروشاعری:

آپ بچپن ہی سے موزوں طبع تھے، شعروسخن سے فطری لگاؤ تھا ۱۹۳۴ء میں جبکہ مدرسہ عالیہ کی ابتدائی جماعت میں زیر تعلیم تھے شاعری شروع کردی تھی۔ اس وقت عمر گیارہ سال کی تھی۔ پھر مولانا فیض الحسن فیضی اعظمی کی شاگردی اختیار کی، جنہیں زبان وبیان ومعانی وعروض پر غیر معمولی دستگاہ حاصل تھی۔ لیکن شاگردی میں استاذ کی ہر بات کو لائق تقلید نہ سمجھا اور کسی خاص دبستان شاعری یا تحریک کے مقلد نہ بن سکے۔

شاگردوں کا حلقہ:

جامعہ فیض عام مئو کے طالب علمی کے زمانہ ہی سے مشورہ سخن دینا شروع کردیا تھا۔ ضیاء انصاری (اورنگ آباد) عبدالرحمٰن (ڈومن پورا) دور طالب علمی کے شاگرد ہیں۔ ناصر انصاری، بسمل انصاری، مشتاق شبنم، ضیاء انصاری، محشر اعظمی، ماہر انصاری، غنی احمد غنی، احسان احمد محسن، مطیع اللہ مفتاحی انور، شفق انجمی، رضوان احمد اعظمی، وکیل احمد، یہ مقامی شاگرد ہیں۔ بیرونی تلامذہ میں جنید ہاشمی، تابش مہدی، آفاق احمد، رئیس الدین، خواجہ مونس دہلوی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

تصنیفات:

(۱) سفینۂ زرگل (۲) شعلۂ نیم سوز

(۳) دریچۂ سیم وسمن (۴) پس دیوار حرف

(۵) سرِ شاخ طوبیٰ (۶) سخنہائے گفتنی

(۷) خودنوشت حالات زندگی۔

فضل الرحمٰن

مولانا محمد فضل الرحمٰن بن حافظ عبدالستار

ساکن: مولانا نگر، آزاد روڈ، چندوارا، مظفر پور (بہار)

تاریخ پیدائش: یکم دسمبر ۱۹۲۳ء مطابق ۱۵/ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

خاندانی پس منظر:

آپ کا خاندان راجپوت تھا۔ سب سے پہلے دادا ایمان لائے، فارسی کا اچھا علم رکھتے تھے۔ والد کی پیدائش اسلام لانے کے بعد ہوئی۔ قرآن مجید حفظ کیا، پھر پٹنہ چلے گئے اور وہاں مولانا فیاض الدین، مولانا کفایت حسین اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے جملہ علوم وفنون کی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوئے، علم طب کی تعلیم بھی مولانا مبارکپوری ہی سے حاصل کی۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے سند اجازہ تحریر کر کے عطا فرمائی۔

تعلیمی مراحل:

از ابتداء تا جماعت ثالثہ کی تعلیم والد محترم مولانا عبدالستار سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۳۸ء میں احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

احمد یہ سلفیہ کے اساتذہ میں مولانا عین الحق سلفی، مولانا شمس الحق سلفی، مصلح الدین اعظمی، عبدالغفور جے راج پوری، آپ کے صاحب زادے مولانا عبدالودود اور مولانا محمد اسحاق آروی وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

تدریسی مراحل:

فراغت کے ایک سال بعد سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۹۹۲ء تک قائم رہا۔ اس دوران دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، مدرسہ شیر شاہی مالدہ، جیت گڈھ چائباسہ، مدرسہ امہوا اور مدرسہ دارالتکمیل میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ مدرسہ دارالتکمیل میں ۲۳ سال صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز رہے اور ہر لحاظ سے اس کو بام عروج تک پہنچایا۔

قابل ذکر تلامذہ:

پچاس سالہ تدریسی دور میں بے شمار تلامذہ نے فیض حاصل کیا۔ ڈاکٹر سید عبدالحکیم، عبدالحلیم اور عبدالعزیز (جملہ برادران) حافظ عبدالخالق، دارالعلوم کے سابق منیجر مولوی محمد عزیر وغیرہم اور نہ جانے آپ کے کتنے شاگرد ہیں جو اونچے مناصب پر فائز ہیں۔ مدرسہ دارالتکمیل میں صدر مدرس کے علاوہ سارے عربی اساتذہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

تنظیمی خدمات:

۱۹۴۷ء کے اوائل ہی سے جماعتی امور میں مشغول رہے۔ پہلے بہار صوبائی جمعیت اہل حدیث کانفرنس میں اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے نوگڈھ اجلاس کے بعد، جمعیت اہل حدیث ہند کے انتخاب کے بعد مظفر پور، ضلع (سابق) میں جمعیت کا قیام کیا اور اس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ مظفر پور، سیتامڑھی اور حاجی پور اضلاع پر مشتمل پورے علاقہ کا دورہ کیا۔ ضلع تقسیم ہوجانے کے بعد مظفر پور جمعیت کے امیر مقرر ہوئے۔ پھر دوبارہ جمعیت کے پہلے ناظم اعلیٰ بنے۔ ۱۹۷۴ء میں صوبائی جمعیت بہار کا اجلاس عام مدرسہ دارالتکمیل میں

کرایا جس میں اس دور کے ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا عبدالحمید رحمانی اور مولانا عبدالصمد رحمانی نے شرکت کی۔

۱۹۹۳ء میں مدرسہ دارالتکمیل سے سبکدوش ہونے کے بعد عرصہ ڈیڑھ سال تک مولانا عبدالحمید رحمانی کی طرف سے علاقہ میں تنظیمی کام کیا۔ ۱۹۷۹ء یں مرکزی جمعیت کی ایک اہم میٹنگ مسجد میاں صاحب میں ہوئی، اس میں مظفر پور کی طرف سے آپ نے نمائندگی کی تھی۔ اب صحت کی خرابی کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے ہیں اور جماعتی پروگراموں میں بشرط صحت شرکت کرتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ:

دعوت وتبلیغ کا جذبہ دور طالب علمی ہی سے تھا۔ اس دور میں اطراف کی بستیوں میں جب بھی موقع ملتا جمعہ اور عیدین کی امامت کی۔ والد محترم کی علالت کے بعد مستقل جمعہ وعیدین کے امام مقرر ہوئے۔ جماعتی زندگی ۱۹۴۷ء سے شروع ہوئی تو ہمیشہ جماعت کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۷۹ء میں مرکزی جمعیت کی میٹنگ مسجد میاں صاحب میں ہوئی اس میں آپ شریک رہے۔ جمشید پور میں جمعیت کے اجلاس میں شرکت کی اس وقت بہار جمعیت کے نائب ناظم تھے۔ اب خرابی صحت کی وجہ سے گھر پر رہتے ہیں لیکن جمعیت سے دلچسپی اور لگاؤ برقرار رہے۔

تصنیف وتالیف:

طالب علمی ہی سے مقالہ نگاری کا شوق تھا۔ اس زمانہ میں جماعتی جرائد ومجلّات میں اچھے مضامین لکھے۔ جماعت کے خلاف لکھی گئی تحریروں کا جواب دیا۔

۱۹۸۹ء میں آپ نے ایک کتاب بنام ''عبدالعزیز رحیم آبادی - حیات وخدمات'' لکھی جس کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

محمد الاعظمی

مولانا محمد بن مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ بن مولانا علیم اللہ بن حکیم جمال الدین

ساکن: محلہ ڈومن پورا، مئوناتھ بھنجن یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۲۴؍اکتوبر ۱۹۳۳ء (سند کے اعتبار سے) صحیح ۱۹۳۰ء۔

تعلیمی مراحل:

طلب علم کی ابتداء جامعہ عالیہ عربیہ مئو سے ہوئی۔ ایک سال مسلم اسکول مئو میں پڑھا۔ پھر دوبارہ جامعہ عالیہ عربیہ میں داخلہ لے کر ثانویہ تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ایک سال (۴۶-۱۹۴۵ء) جامعہ دار السلام عمرہ آباد میں، پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۴۶ء میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور ایک سال تعلیم مکمل کی کہ دوسرے سال ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور تقسیم کے نتیجہ میں یہ عظیم سانحہ پیش آیا کہ جماعت کی مرکزی درسگاہ ''دارالحدیث رحمانیہ'' کا چراغ زندگی گل ہوگیا۔ نتیجۃً دوبارہ وطن واپس آکر جامعہ عالیہ مئو میں داخلہ لیا اور ۳، ۴ سال تک اکتساب علم کیا، پھر مدرسہ اسلامیہ دارانگر (بنارس) میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے اکتساب کے لیے وہاں پہنچے لیکن سوءِ قسمت چند ماہ کے بعد آں موصوف کا انتقال ہوگیا۔ نتیجۃً پھر دوبارہ وطن واپس آکر باقی ماندہ تعلیم جامعہ اسلامیہ فیض عام میں مکمل کی اور ۱۹۵۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔

دوران تعلیم ۱۹۴۹ء میں عالم کا امتحان عربی وفارسی بورڈ لکھنؤ سے پاس کیا۔ پھر اسی بورڈ سے دو اور امتحانات فاضل دینیات اور فاضل ادب کے بھی پاس کیے۔

شیوخ اساتذہ:

چند معروف، جلیل القدر اکابر اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مولانا محمد سلیمان بن داؤد

مئوی، مولانا احمد بن ملا حسام الدین مئوی، مولانا محمد لقمان اعظمی، محدث جلیل مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا عبدالرحمٰن مئوی، مولانا نذیر احمد املوی مبارکپوری، مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری، مولانا حافظ عبدالواجد عمری (ان میں اول الذکر چار میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں) اس حیثیت سے موصوف کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ بیک واسطہ حضرت میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔

درس وتدریس:

آپ کی مدت تدریس تقریباً ۴۵ سال پر محیط ہے۔ آغاز جامعہ عالیہ عربیہ مئو سے کیا۔ پھر ۱۹۶۳ء میں ایک سال مدرسہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۶۴ء کے تقریباً ۷ ماہ جامعہ فیض عام میں گزرے۔ پھر مدرسہ فیض العلوم سیونی (مدھیہ پردیش) کا افتتاح ۱۹۶۴ء میں آپ کے صحیحین کے درس سے ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں وہاں سے مستعفی ہوکر دوبارہ جامعہ عالیہ مئو میں آگئے۔ ۱۹۷۵ء میں شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۹۹۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

اسی دوران ۱۹۸۲ء میں مولانا مختار احمد ندویؒ کی تحریک پر "کلیۃ فاطمۃ الزہراء" للبنات قائم کرنے کا کام موصوف کے ذمہ ڈالا گیا۔ پھر ۱۹۸۳ء میں شیخ الحدیث مولانا مبارکپوری کے درس سے اس کا تعلیمی افتتاح ہوا۔ چنانچہ تقریباً دس سال تک جامعہ عالیہ مئو کی ذمہ داریوں کے ساتھ اس کلیۃ میں بھی نظامت اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں اس اعزازی خدمت سے سبکدوش ہوئے۔

ترجمہ وتالیف:

(۱) شیخ عبدالوہاب نجدی کے ایک رسالہ کا اردو ترجمہ بنام "دین کیا ہے؟" (صفحات ۴۸)

(۲) آداب زواج (صفحات ۱۹۲)

(۳) شریعت وعادت (رسالہ کی شکل میں، صفحات ۸)

(۴) نقوش رحمانی (شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی کے جوابی خطوط (صفحات ۲۷)

(۵) کائنات کا آغاز وانجام (صفحات ۱۶۲)

(۶) تبلیغی جماعت اور اخوان المسلمین (صفحات ۲۲۴)

(۷) نماز نبوی (صفحات ۶۴) (۸) مستند دعائیں (صفحات ۳۲)

(۹) متفقہ فتوی (صفحات ۳۲) (۱۰) تلخیص فقہ السنہ (غیر مطبوع)

(۱۱) شرعی منتر (صفحات ۴۸)

(۱۲) نواب صدیق حسن خاں اور انکی وہابیت (صفحات ۴۸)

(۱۳) تذکرۃ البخاری (صفحات ۱۷۶)

(۱۴) دعایۃ الایمان (تسہیل وتخریج) (صفحات ۳۰۴)

(۱۵) قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے آداب (صفحات ۱۴۴)

(۱۶) ائمہ مجتہدین کا جفا اور سنت کا اتباع (غیر مطبوعہ)

(۱۷) التحلی بالذھب للنساء

محمد مسلم رحمانی

مولانا محمد مسلم رحمانی بن عبد العزیز بن سنار الدین بن عثمان رحمانی

مقام بیر نگر، مالدہ، مغربی بنگال۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۱ء۔

خاندانی پس منظر:

آپ ایک سلفی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں جو سلف صالحین اور صحابہ وتابعین سے بے پناہ عقیدت رکھنے والا خانوادہ تھا۔ دینی اور جماعتی غیرت اور اوصاف حمیدہ میں آپ کا

خاندان خاصا شہرت رکھتا تھا۔ اسی طرح علم وفضل اور تقویٰ طہارت میں آپ کے خاندان کو علاقے میں اعتبار حاصل تھا۔

تعلیمی مراحل:

آپ کی ابتدائی تعلیم موضع بیرنگر کے سرکاری اسکول میں ہوئی اسکے بعد اردو اور فارسی کی تعلیم مدرسہ بحر العلوم کاربونہ میں حاصل کی اور مختلف ماہرین علم وفضل سے نحو وصرف، فقہ منطق، بلوغ المرام، مشکوۃ، دیوان متنبّی وغیرہ پڑھا۔ اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۴۰ء میں فراغت حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ:

شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاپ گڑھی، علامہ نذیر احمد املوی، شیخ اصحاب الدین پنجابی، شیخ عبد السلام دارانی، شیخ عبد الوہاب مالدہی، شیخ عبد الرحیم وغیرھم۔

تدریسی خدمات:

جامعہ اصلاح المسلمین بہار، جامعہ فیضیہ شیر شاہی اور جامعہ مظہر العلوم پٹنہ کے اداروں میں یکے بعد دیگرے پچاس سالوں سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔

قابل ذکر تلامذہ:

پورے بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور بنگلہ دیش میں آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ مثلاً شیخ محمد عطاء الرحمٰن مدنی، شیخ عبد المتین سلفی، شیخ عبد الرشید مظہری، شیخ عبد الودود قاسمی، مولانا برکات اللہ سلفی مالدہی، شیخ نذر الاسلام سلفی، شیخ سیف الرحمٰن اصلاحی وغیرھم۔

تصنیفات:

(۱) الاسلام دین معتدل (بنگلہ) (۲) صلوۃ الرسول (بنگلہ)

(۳) تحفۂ رمضان (بنگلہ)

دعوتی خدمات:

بنگال اور اسکے مضافات کے جماعتی پروگراموں میں مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے رہے ہیں۔ اورآپ کے خطابات احقاق حق اور ابطال باطل میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ افتاء کے میدان میں مہارت رکھتے ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں مسائل دینیہ میں فتوی دیتے ہیں۔

حافظ محمد یحییٰ دہلوی

الحاج حافظ محمد یحییٰ بن حافظ حمید اللہ بن حافظ عبداللہ دہلوی

ساکن: محلہ کشن گنج، آزاد مارکیٹ، دہلی ۶

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۵ء

خاندانی پس منظر:

آپ کا خانوادہ علم وعمل سے مالا مال رہا ہے۔ آپ کے والد گرامی حافظ حمید اللہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نائب ناظم اور فنانشیل سکریٹری تھے۔ پوری عمر گلستانِ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی باغبانی، اس کی نگہبانی، اس کی سیرابی نیز پرورش وپرداخت میں صرف کردی۔ موصوف جود وسخا کا سرچشمہ اور سخاوت فیاضی کے سیل رواں تھے۔ آپ کے جود وسخا کا سیل رواں ہندوستان سے لے کر حجاز تک وسیع تھا۔ ہندوستان کے درجنوں مدارس آپ کے مالی تعاون سے چلتے تھے، آپ نے ایسے دینی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔

تعلیم وتربیت:

آپ کا گھرانہ دینی ماحول سے پُر تھا، اس لیے آپ کی نشو ونما بھی خالص دینی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قریبی مسجد میں چلنے والے مکتب میں ہوئی۔ پھر اسی مدرسہ میں قرآن

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اہم پیشکش

تاریخ اہل حدیث

مصنفہ ڈاکٹر بہاء الدین

ڈاکٹر محمد بہاء الدین کی کوشش سے تاریخ اہل حدیث مرتب ہو رہی ہے اور اس کی پہلی جلد (۶۹۰ صفحات) اور دوسری جلد (۶۵۶ صفحات) مکتبہ ترجمان دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری بنارس، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مولانا عبدالمعید سلفی علی گڑھ، مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی امیر جمعیت اہل حدیث برطانیہ، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری ناظم تعلیمات جمعیت اہل حدیث برطانیہ، ڈاکٹر عبدالعلی حامد ازہری پروفیسر دی مسلم کالج لندن کے تعارفی وتقریظاتی ارشادات بھی شامل ہیں۔ اہل حدیث کی تاریخ اور عقائد واعمال سے واقفیت چاہنے والے قارئین حضرات کے لیے بے حد مفید ہے۔ مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد کی لائبریریوں میں اس کا موجود رہنا بھی مستحسن ہے۔

درج ذیل پتہ سے طلب کریں:

مکتبہ ترجمان

۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶،

فون: 23273407_فیکس: 23246613

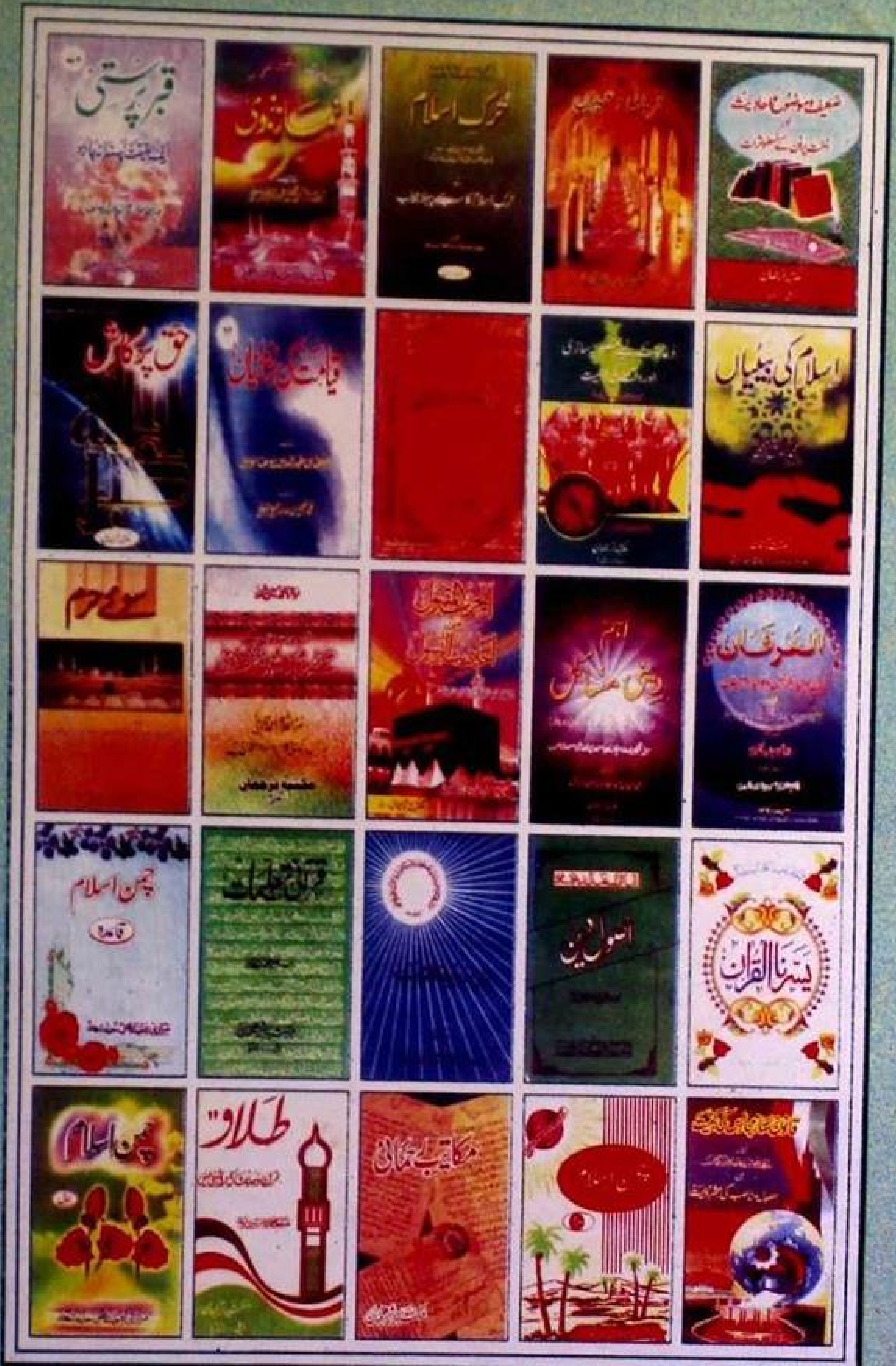

MAKTABA TARJUMAN

4116, Ahle Hadees Manzil, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-6

Ph. 011-23273407 Fax: 23246613